ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۴ جون سنہ ۱۹۶۵ء
۳ صفر ۱۳۸۵ھ
حضرت بلال نمبر
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور
ہدیہ ۷۵ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً ۔ الحدیث

ترجمہ :۔ میری طرف سے خواہ ایک ہی آیت ہو پہنچا دیں ۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔ رواہ مسلم والترمذی و ابن ماجۃ والنسائی کذا فی الترغیب ۔

ترجمہ :۔ ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تم میں سے کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اس کو بند کر دے ۔ اگر اتنی مقدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے ۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ مَثَلُ الْقَائِمِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْہَا کَمَثَلِ قَوْمِ ﹰاسْتَہَمُوْا عَلٰی سَفِیْنَۃٍ فَصَارَ بَعْضُہُمْ اَعْلَاہَا بَعْضُہُمْ اَسْفَلَہَا فَکَانَ الَّذِیْ فِیْ اَسْفَلِہَا اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَآءِ مَرُّوْا عَلٰی مَنْ فَوْقَہُمْ فَقَالُوْا لَوْ اَنَّ خَرَقْنَا فِیْ نَصِیْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مِنْ فَوْقِنَا فَاِنْ تَرَکُوْہُمْ وَمَا اَرَادُوْا ہَلَکُوْا جَمِیْعًا وَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی یَدَیْہِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِیْعًا ۔ رواہ البخاری والترمذی

ترجمہ :۔ نعمان بن بشیر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور اس شخص کی جو اللہ کی حدود میں پڑنے والا ہے اس قوم کی سی ہے جو ایک جہاز میں بیٹھے ہوں اور قرعہ سے (مثلاً) جہاز کی منزلیں مقرر ہو گئی ہوں کہ بعض لوگ جہاز کے اوپر کے حصہ میں ہوں ۔ اور بعض لوگ نیچے (تحتانی) کے حصہ میں ہوں ۔ جب نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جہاز کے اوپر کے حصہ پر آ کر پانی لیتے ہیں ۔ اگر وہ یہ خیال کر کے کہ ہمارے بار بار اوپر پانی کے لئے جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے ہی حصہ میں یعنی جہاز کے نیچے کے حصہ میں ایک سوراخ سمندر میں کھول لیں جس سے پانی یہیں ملتا رہے اوپر والوں کو ستانا نہ پڑے ۔ ایسی صورت میں اگر اوپر والے ان احمقوں کی اس تجویز کو نہ روکیں گے اور خیال کر لیں گے کہ وہ جانیں اُن کا کام ۔ ہمیں اُن سے کیا واسطہ ۔ تو اس صورت میں وہ جہاز غرق ہو جائے گا اور دونوں فریق ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کو روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے ۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَ الرَّجُلُ یَلْقَی الرَّجُلَ فَیَقُوْلُ یَا ہٰذَا اتَّقِ اللّٰہَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ بِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یَحِلُّ لَکَ ثُمَّ یَلْقَاہُ مِنَ الْغَدِ وَہُوَ عَلٰی حَالِہٖ فَلَا یَمْنَعُہٗ ذَالِکَ اَنْ یَّکُوْنَ اَکِیْلَہٗ وَشَرِیْبَہٗ وَقَعِیْدَہٗ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذَالِکَ ضَرَبَ اللّٰہُ قُلُوْبَ بَعْضِہِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِلٰی قَوْلِہٖ فٰسِقُوْنَ ثُمَّ قَالَ کَلَّا وَاللّٰہِ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْہَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰی یَدِ الظَّالِمِ وَلَتَاْطُرُنَّہٗ عَلَی الْحَقِّ اِطْرًا

رواہ ابو داؤد والترمذی کذا فی الترغیب

ترجمہ :۔ ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالےٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے ان کی نحوست سے فرمانبرداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دئے) پھر اس کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے فٰسِقُوْنَ ۵ تک پڑھیں ۔ اس کے بعد حضورؐ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ۔

عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَّجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ قَوْمٍ یَعْمَلُ فِیْہِمْ بِالْمَعَاصِیْ یَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یُّغَیِّرُوْا عَلَیْہِ وَلَا یُغَیِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَہُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتُوْا

رواہ ابو داؤد وابن ماجہ وابن حبان والاصبہانی وغیرہم کذا فی الترغیب ۔

ترجمہ :۔ جریر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت و قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالےٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے ۔

رَوٰی عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَنْفَعُ مَا قَالَہَا وَتَرُدُّ عَنْہُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَۃَ مَا لَمْ یَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّہَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّہَا قَالَ یَظْہَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِی اللّٰہِ فَلَا یُنْکَرُ وَلَا یُغَیَّرُ (رواہ الاصبہانی ۔ ترغیب)

ترجمہ :۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ (کلمہ توحید) لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پروائی و استخفاف کئے جانے کا کیا مطلب ہے ؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جائیں ۔ اور ان کے بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے ۔

(اب آپ ہی ذرا انصاف سے فرمائیے کہ اس زمانہ میں اللہ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا کوئی حد ہے ؟)

ایڈیٹر
مناظر حسین نظر
ٹیلیفون
۶۷۵۴۵

خدام الدین

سالانہ
گیارہ روپے
ششماہی
چھ روپے

جلد ۱۱ | ۳ صفر ۱۳۸۵ھ بمطابق ۴ جون ۱۹۶۵ء | شمارہ ۳

خدام الدین کا "حضرت جی نمبر" آپ کے سامنے ہے۔ ہم نے اسے صوری اور معنوی اعتبار سے بہتر بنانے میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم اپنے ذہن میں قائم کردہ معیار کے مطابق اس سوانحی دستاویز کو پیش نہیں کر سکے۔ اس کی بڑی وجہ تبلیغی حضرات کا عدم تعاون ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین بڑھ چڑھ کر اس نمبر کی تیاری میں حصہ لیں گے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرنے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوں گے لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شد

ہماری توقعات صحیح ثابت نہ ہوئیں اور ہم نے اس سلسلے میں جو خوش فہمیاں اپنے تبلیغی بھائیوں سے وابستہ کر رکھی تھیں انہیں ٹھیس پہنچی اس کے باوجود ہم نے ہمت نہ ہاری اور اس نمبر کو زیادہ سے زیادہ عمدہ اور مؤثر بنانے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنا کہ ہماری کوششیں کہاں تک بار آور ہوئی ہیں قارئینِ کرام کا کام ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں سب سے بڑی خوشی اس امر کی ہے کہ سیدی و مولائی امام الاصفیا اسوۃ الصلحاء حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور نے ہماری سرپرستی فرمائی ہے اور ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اپنے رشحاتِ قلم سے خصوصی طور پر نوازا ہے جس کے لئے ہم ان کے سراپا شکر گزار ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نمبر کی تمام تر کامیابی حضرت شیخ مدظلہ کی توجہات خصوصی اور اس نمبر میں ان کی شمولیت کی مرہونِ احسان ہے۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ جس وقت حضرت شیخ مدظلہ کا مکتوب گرامی موصول ہوا اس کے بعد ہی پرچہ کی صورت بننی شروع ہوئی اور اس لیے ہم نے نمبر کی اشاعت دو ہفتہ کے لئے مؤخر کر دی۔ اس سلسلے میں ہم حضرت مولانا جمیل احمد صاحب میواتی خلیفہ مجاز حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری کافی ڈھارس بندھائی ورنہ ہم شاید نمبر نکالنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دیتے۔ ادارہ خدام الدین مولانا مجاہد الحسینی صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہے کہ انہوں نے نمبر کی ترتیب و تدوین اور حصول مضامین کے سلسلہ میں ہمارا کافی ہاتھ بٹایا۔ بہر حال اللہ جل شانہ کے فضل و کرم اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ کی روحانی توجہات سے یہ نمبر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور ہمیں اس کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑا۔ اب یہ نمبر بجائے ۷۰ صفحات کے ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس وقت بھی ادارہ کے پاس کافی مضامین کتابت شدہ موجود ہیں جنہیں ہم آئندہ اشاعتوں میں سلسلہ وار قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔ یہاں ہم تبلیغی حضرات کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہمیں یہ علم ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ شہرت پسند نہیں تھے وہ دین پر محنت اور عمل کے قائل تھے اور ظاہر ہے ہر اللہ والے کی یہی خواہش اور آرزو ہونی چاہیئے لیکن اب وہ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہماری کوئی مدح و ستائش اور کوئی جرح و قدح ان کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

وہ اپنے رب سے ملاقی ہو چکے ہیں اور کبھی لوٹ کر یہاں نہ آئیں گے۔ ہماری آواز بھی ان تک نہیں پہنچ سکتی لیکن ان کے ارشادات کی نشر و اشاعت ان کے مشن کو آگے بڑھانا، ان کی آواز کو اکناف عالم میں پہنچانا یقیناً ان کے لئے سود مند ہو سکتا ہے اور یہی وہ ہدیۂ عقیدت اور نیاز مندی ہے جو ان کے متوسلین اور نام لیوا ان کی خدمت میں اس وقت پیش کر سکتے ہیں۔ خدام الدین کا یہ نمبر شائع کرنے سے بھی مقصد یہی ہے کہ ان کی باتیں محفوظ ہو جائیں، اُن کے ارشادات و مواعظ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں اور ان کی زندۂ جاوید آواز ہر کہ و مہ کے کانوں میں دیر تک گونجتی رہے۔ اس کے علاوہ خدام الدین کی کوئی غرض نہیں، خدام الدین بحمد اللہ تعالیٰ ہر کاروباری مصلحت اور خود غرضی سے بے نیاز ہے۔ یہ حق و صداقت کی آواز ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات کی آواز ہے مسلک اہل سنت والجماعت کی آواز ہے اور ہر اس تحریک کا ممد و معاون ہے جو بندگانِ خدا کو سب سے توڑ کر رب سے جوڑنے کا پروگرام پیش کرے، تمام راستوں سے ہٹا کر مدینے والے کے راستے پر لا کھڑا کرے اور اسلاف کی راہ سے ایک بال برابر بھی ادھر اُدھر نہ ہونے دے۔ خدام الدین کا بھروسہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہے اور یہی تعلیم اس کے بانی سیدی و مولائی امام الاولیاء صدیقِ دوراں شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ العزیز نے علماً عملاً اور قولاً فعلاً لوگوں کے سامنے نصف صدی تک پیش کی ہے۔ چنانچہ یہ ان کی کرامت ہے اور ان کے خلوص و للہیت کا اعجاز کہ اس وقت برصغیر ہند و پاک میں کوئی ہفتہ وار پرچہ خدام الدین کے برابر نہیں چھپتا۔ ہمارے اندازے کے مطابق کم از کم ایک لاکھ افراد ہر ہفتہ خدام الدین کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس نے لاکھوں گم گشتگانِ راہِ ہدایت کی کایا پلٹ کی ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، کا پھر اس کی قیمت بھی کوئی زیادہ نہیں اور کوئی کاروباری پرچہ ویٹڈاٹک پر ۲۰ صفحوں کا ۴ آنے میں نہیں مل سکتا اشتہارات کے سلسلے میں بھی ہماری راہ دوسرے تمام پرچوں سے الگ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ہم نے یہ پرچہ فقط تبلیغ کے لئے ہی جاری کیا ہے۔ اور اس نمبر کا معاملہ تو ہمارے عام پرچوں سے بھی مختلف ہے۔

باقی صفحہ ۵۷ پر

قدوۃ الصلحاء راس الاتقیا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مدظلہ العالی نے اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوصف ادارۂ خدام الدین کی عاجزانہ درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ آپ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی نقوش اجاگر کرنے کے لئے ایک مختصر سا خاکہ سپرد قلم فرمایا ہے جو فی الحقیقت "اس پرچے کی جان" ہے ادارہ حضرت شیخ مدظلہ العالی کی ذرہ نوازی کا صدق دل سے شکر گزار ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے اور وہ اپنی تحریر فرمائیوں سے ہمیں بہرہ مند کرتے رہیں

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد ——— (مدیر)

سید الاولیاء حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا

مکتوب گرامی

عنایت فرمائم سلمہ، بعد سلام مسنون

کئی دن ہوئے گرامی نامہ کارڈ حضرت جی نمبر کے لئے مضمون کی طلب میں آیا تھا۔ اول تو گرامی نامہ اتنی دیر سے پہنچا کہ آپ کی تحریر کردہ تاریخ پر تو جواب پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس ناکارہ کو اس قسم کے مضامین لکھنے کی بالکل عادت نہیں اور نہ اس قسم کے مضامین سے مناسبت ہے حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہما کے وصال پر بہت سے احباب کے اصرار ہوئے۔ اسی طرح دوسرے اکابر کے انتقال پر احباب کے اصرار ہوتے رہے مگر یہ ناکارہ انکار کرتا رہا۔ اس ناکارہ کے حوالے سے ان اکابر کی سوانحوں میں جہاں کہیں مضامین چھپے ہیں اس کی صورت یہ رہی ہے کہ تالیف کرنے والے احباب آکر ان کے احوال دریافت کرتے رہے اور یہ ناکارہ اپنی معلومات سے جواب عرض کرتا رہا۔

عزیز مولانا محمد یوسف مرحوم کی ولادت ۲۵ جمادی الاول ۵ ۳ ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۷ء سہ شنبہ کو ہوئی تھی ۲ر جمادی الثانی دوشنبہ کو حقیقۃً ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے سوا کیا کہوں ؎

کان مملوکی فاضحیٰ مالکی

ان ہٰذا من عجائب الزمن

ابتدا میں وہ میرا چھوٹا بھائی تھا، شاگرد تھا، زیر تربیت تھا۔ وہ میری نالائقی، سخت مزاجی کی وجہ سے اپنے والد یعنی میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کی بنسبت اس ناکارہ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا۔ چچا جان کے احکام کو وہ پدرانہ ناز کی وجہ سے اور اپنے بچپن کی وجہ سے کبھی ٹال دیتا تھا لیکن اس ناکارہ کی سخت مزاجی کی وجہ سے میرے کہنے کو نہیں ٹالتا تھا۔ چچا جان کو بسا اوقات یہ ارشاد فرمانا پڑتا کہ یوسف سے فلاں کام لینا ہے تمہارے کہنے سے جلدی کر دے گا۔ دہلی کے احباب کا چچا جان پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادے سلمہ کو شادی میں ضرور ساتھ لائیں۔ مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا۔ بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں اگر اس ناکارہ کا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی یہ وعدہ لے لیتا کہ بھائی جی فلاں جگہ جانے کو مجھ سے آپ نہ کہیں۔ اور پر چچا جان مجھ سے ارشاد فرماتے کہ یوسف کو بھی ساتھ لے لیجیو۔ تو میں یہی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ میں نہ کہوں۔ یہ تو ابتدا تھی۔ اس کے بعد مرحوم نے ہوائی جہاز سے وہ پرواز کی کہ وہ آسمان پر پہنچ گیا، اور یہ ناکارہ زمین ہی پر پڑا ہوا اس کی بلندی کو دیکھتا رہا۔ چچا جان کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے کی جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہ کی نسبت خاصہ منتقل ہوئی ہے۔ اور ہر ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اس کے بعد سے اس کی ترقیات کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی قدس سرہ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوتی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو اور تقاریر میں انوار اور تجلیات کا ظہور پیدا ہوا کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ خاص شفقت اور محبت کا یہ ثمرہ ہوا انہیں چیزوں کا یہ اثر ہوا جو اس ناکارہ نے شروع میں شعر میں ظاہر کیا کہ پھر یہ ناکارہ اس سے مرعوب ہونے لگا کہ اس کے اصرار پر مجھے مخالفت دشوار ہو گئی۔ اس کا اثر تھا کہ گذشتہ سال اپنی انتہائی معذوریوں اور مجبوریوں، امراض کی شدت کے باوجود جب مرحوم نے اس پر اصرار کیا کہ تمہیں حج کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہے تو مجھے انکار کی ہمت نہ پڑی اور جب میں نے اپنے امراض کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے اعذار کو نہیں دیکھتے ہو تو مرحوم نے یہ کہا کہ خوب دیکھ رہا ہوں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور چلیں۔ اخیر میں اللہ جل شانہ نے اپنے لطف و کرم کی وہ بارش فرمائی کہ مجھ جیسے بے بصیرت کو بھی بہت سی چیزیں کھلی محسوس ہوتی تھیں۔ اس قسم کی چیزیں نہ لکھنے کی آتی ہیں نہ لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ صرف ایک عورت کے خواب پر اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں۔ خواب تو مرحوم کے حادثہ کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب دیکھے اور لکھے۔ لیکن یہ خواب چونکہ اس ناکارہ کے نزدیک نقطۂ بلند واقعہ ہے اس لئے لکھوا رہا ہوں۔ اس حادثہ پر اپنے تعلقات کے موافق نیز اپنے قلبی ضعف و تحمل کے موافق اثرات تو بہت ہی عام ہوئے لیکن ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ کسی وقت بھی چپ نہ ہوتی تھی۔ ہر وقت روتی تھی۔ بار بار وضو کرتی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی۔ وہ اسی حال میں ایک دفعہ وضو کر کے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی آ گئی۔ اس نے عزیز مرحوم کو دیکھا۔ وہ فرما رہے ہیں کہ کیوں پاگل ہو گئی ہے مرنا تو سبھی کو ہے تعلق مالک سے پیدا کیا کریں ہیں بندے نہیں اس پر اس نے والہانہ انداز میں یوں کہا۔ حضرت جی یہ ایک دم ہی ہوا کیا؟ مرحوم نے کہا کچھ بھی نہیں۔ کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ خاص ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ پڑ گیا اس کے بعد مجھے ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا۔ اس کے ساتھ میری روح نکل گئی۔ بس اتنی سی بات ہوئی۔ فقط عزیز مرحوم کی پہلی شادی میری سب سے بڑی لڑکی سے ۳ر محرم ۵۴ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں ہوئی تھی۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے نکاح پڑھا تھا۔ چونکہ پہلے سے کوئی تجویز نہ تھی عین وقت پر چچا جان نے فرمایا نکاح کا ارادہ ہے اس لئے اس وقت رخصت نہ ہوئی۔ تقریباً ایک سال بعد چچا جان مرقدہ کی ایک آمد پر اسی طرح فوری طور پر بلا سابقہ تجویز کے رخصت ہو گئی ۲۲، ۲۳ رمضان ۵۸ھ دوشنبہ، سہ شنبہ کی درمیانی شب میں ۱۲ بجکر ۴۰ منٹ پر عزیز ہارون سلمہ کی ولادت ہوئی حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے اس کو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم ۱۲ محرم ۸۵ھ، بقلم محمد عاقل غفرلہ

خطبہ جمعہ : ۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ ۲۸ مئی ۱۹۶۵ء

دعوت الی الحق کی تحریک سے ہی انقلاب برپا ہو سکتا ہے

☆ از حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ○
(پ ۴ س آل عمران رکوع ۱۱)

ترجمہ :- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو - جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرو تو صرف اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو - اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو - جب کہ تم آپس میں دشمن تھے - پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے - اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے - پھر تمہیں اس نے نجات دی - اسی طرح اللہ تم پر اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے - تاکہ ہدایت پاؤ -

بزرگان محترم! ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر انبیاء و مرسلین گزرے ہیں - ان سب کی امتوں میں جو جو برائیاں اور خرابیاں راہ پا گئی تھیں - اور پہلی امتیں جن جن بیماریوں میں مبتلا ہو گئی تھیں - ان سب کا سیدھا سادھا مکمل اور شافی علاج ان آیات مذکورہ میں بیان کر دیا گیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! اے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول اور خاتم النبیین ماننے والو! تم ہر حال میں خدا سے ڈرو - ظاہر و باطن میں، اپنے پرایوں میں خوشی میں اور غمی میں، تنگی اور کشائش میں، غرضیکہ زندگی کے تمام مراحل میں خالص اور مخلص ہو کر رہو - تقوٰی کو شعار بناؤ - اور ہر اس فعل سے باز آ جاؤ جو خدا کی ناراضگی کا موجب ہو - ہر قدم کا محاسبہ کرو، اور دیکھو کہ یہ خدا کی عین رضا کے مطابق اٹھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے بالکل مطابق اٹھے - خداوند قدوس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کی مخالفت کا شائبہ بھی اس میں نہ ہو - حرص و ہوا طمع و آز، ریاکاری، نفس پرستی اور رعونت تمہارے پاس بھی نہ پھٹکے، کبر و نخوت حسد اور عجب کی جڑیں دل و دماغ سے نکال پھینکو - اور انسانیت کا وہ نمونہ بن کر دکھاؤ کہ جس پر عمل پیرا ہونے کی تمنا خود فرشتوں کے دلوں میں پیدا ہو - یعنی صحیح معنوں میں مسلمان بنو - محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے والے مسلمان بنو - صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے والے مسلمان بنو - تمام زندگی اسلام پر کاربند رہو - اور اگر تمہارا خاتمہ ہو تو وہ بھی اسی دین خداوندی پر ہو -

دستور العمل

اسلام کا دستور العمل چونکہ قرآن کریم ہے اور اس کو مضبوط رسی کا نام دیا گیا ہے - اس لئے سب کے سب اس مضبوط رسی کو تھام لو - اس کی تعلیم پر سختی سے کاربند ہو جاؤ - اسی کتاب کو حکم اور فیصل بناؤ - اسی کے قانون کو نافذ کرو اور اسی کے کامل و اکمل اور عملی نمونے جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو رہنما بناؤ - گروہ بندی سے باز رہو - بھائی بھائی بن کر رہو - پرانی رنجشیں بھول جاؤ - نئی غلط فہمیوں سے بچو - اسلام سے پہلے ان اصولوں کو چھوڑ دینے سے تمہاری یہ حالت ہو گئی تھی - جیسے کوئی شخص ایک ایسے گڑھے پر لا کر کھڑا کر دیا گیا ہو - اور ہر گھڑی اور ہر لحظہ یہی گمان ہو کہ اب گرا - اور جل کر راکھ ہوا -

دیکھو

قرآن پاک کی برکت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل تمہیں اس خوفناک حالت سے بچا لیا گیا - اور اللہ عزوجل اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ - اللھم اجعلنا منھم

بدبخت اور بدنصیب

ہیں وہ لوگ جو قرآن عزیز کے دامن میں نہیں آتے اور سنت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا نہیں بناتے -
اللھم لا تجعلنا منھم

عظیم انقلاب

قرآن عزیز کی اوپر بیان کی ہوئی آیات اور ان کی شرح سے یہ بات خاص طور پر واضح ہوتی ہے کہ قرآن عزیز نے ایمان لانے والوں میں یہ عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے - آپس میں شیر و شکر ہو گئے، دوست بن گئے اور ایسے دوست بن گئے کہ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے میں سعادت اور راحت سمجھنے لگے - پھر یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جو دوزخ کے کنارے کھڑے تھے - بہشت کے وارث بھی بن گئے -

پہلی امتوں کی حالت

تاریخ و کتب سماوی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید پر ایمان لانے سے پہلے خدائی احکام جھٹلانے کے باعث لوگوں کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر تھی - چنانچہ مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جو جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارہ

تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
یہ ان کی درندگی کا عالم تھا - اب ان کی خونخواری، جوا بازی اور شراب خوری کا حال سن لیجئے :-

خونخواری

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی اس کو تھی جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوابازی اور شراب خوری

جوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی
غرض ان کی ہر طرح حالت بری تھی

حالی مرحوم کی شہادت کے بعد اب اس ارشاد ربانی کو دیدۂ دل میں اتار لیجئے :-

ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها ز ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها ط اولئك كالانعام بل هم اضل ط اولئك هم الغفلون ٥

(س اعراف رکوع ۲۲ پ ۹)

ترجمہ :- اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے اور ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں - اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں - اور ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں - یہی لوگ غافل ہیں -

حاصل

یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ قرآنی تعلیمات سے بے بہرہ ہونے کے باعث حیوانوں اور چوپایوں سے بھی بدتر تھے۔

قرآن کریم کا فیضان

وہی امت جو پہلے درندوں اور چوپایوں سے بدتر تھی اور جسے شرامت کہنا بجا تھا - جب قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئی تو سب امتوں سے بہتر امت قرار پائی - بدو ساری دنیا کو اخلاق سکھانے والے بن گئے۔ شتربان جہان بان کہلائے - بکریوں کے چرانے والے کائنات کے حاکم بن گئے - شرامت کو خیر امت کہا جانے لگا - اور بارگاہ خداوندی سے ان کے باب میں یہ فرمان شاہی نازل ہوا۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ط

ترجمہ :- تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں - اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو -

خیر امت کیوں کہا گیا؟

جتنی امتیں اصلاح خلق اللہ کے لئے دنیا میں بھیجی گئیں - ان سب میں سے بہتر امت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس لئے قرار پائی کہ انہیں جو دستور العمل دیا گیا - زندگی کا جو ہدایت نامہ ان کے سپرد کیا گیا - اور جس جامع و اکمل اور غیر متبدل قانون کی اتباع کا انہیں حکم دیا گیا - وہ بھی سابقہ تمام قوانین سے بہتر، ازلی اور ابدی قانون ہے - فلاح دارین کا یقینی رہنما، اور واضح ہدایت نامہ ہے - چنانچہ ایسے قانون کے متبع ایسے اعلیٰ و ارفع نظام حیات کے پیروکار اور اس قدر بے مثال قانون پر عمل کرنے والے خیر امت ہی کہلا سکتے تھے -

خیر امت کا فریضہ

اب چونکہ یہ امت سب امتوں سے بہتر اور جامع و اکمل دستور زندگی اپنے پاس رکھتی ہے - سب سے زیادہ نیک و پارسا اور تقویٰ شعار بن کر اسے دنیا پر اپنی برتری ثابت کرنا ہے - اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ تمام دنیا کو بہتر بننے کی ترغیب دے اور بہتر بنائے - خود برائیوں سے بچے اور دوسروں کو ان سے بچائے - اس امت کے افراد خود بھی اصلی، کھرے اور سچے ایماندار بنیں اور دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں ڈھال کر دکھائیں

دعوت الی الحق کا اثر

برادران عزیز! برائی اگرچہ پوری طرح جڑیں کیوں نہ پکڑ چکی ہو کفر و شرک نے دلوں میں خواہ کیسی ہی تاریکی کیوں نہ پھیلا دی ہو - انسان اپنی انسانیت سے کتنا ہی کیوں نہ گزر گیا ہو - اور حق و باطل میں امتیاز کی طاقتیں کتنی ہی مردہ کیوں نہ ہو گئی ہوں - حق اپنی جگہ حق ہی رہتا ہے اور اسے ایمان و اخلاص کے ساتھ جب بھی پیش کیا جائے - یہ اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا - سخت سے سخت منکروں کے سر بھی اس کے آگے جھک جاتے ہیں - بڑے سے بڑے مخالف بھی دعوت الی الحق کی تحریک کے سامنے سپر انداز ہو جاتے ہیں - اور یہ تحریک کسی طاقت کے روکے بھی ہرگز نہیں رکتی -

دعوت حق کے ہتھیار

دعوت الی الحق کے لئے اللہ پر کامل بھروسہ شجاعت قلب، جرأت لسان، زور آور دست و بازو اور بے پناہ قوت برداشت زبردست ہتھیار ہیں - جو دعوت دینے والا ان ہتھیاروں سے لیس ہو کر اور صبر کی ڈھال ہاتھ میں لے کر نبیوں کے طریقے پر چلتے ہوئے اس عزم سے آگے بڑھے گا کہ خواہ کچھ ہی پیش آئے اور خواہ کیسی ہی مشکلات اور زحمتیں سنگ راہ ہوں - مگر وہ اپنے مشن کو سنبھالے رہے گا - تو وہ کامیاب یقیناً ہو گا اور منزل مراد ہر حال میں بڑھ کر اس کے قدم چومے گی -

ماضی کی شہادت

برادران محترم! اپنے ماضی پر نظر دوڑائیے اور دیکھئے کہ فاران کی چوٹیوں سے مکہ کا یتیم جب دعوت حق کی صدا لے کر اٹھتا ہے تو اس وقت زمانے کی کیا حالت تھی - ابھی ابھی آپ اس حالت کا کچھ نقشہ حالی مرحوم کے اشعار میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اب ان حالات کا جائزہ لیجئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیمت کا اندازہ کیجئے - قرآن مجید کی معجزانہ تعلیم اور دعوت الی الحق کا اثر دیکھئے - کس طرح سارے عرب کی کایا پلٹ جاتی ہے - اور حیوانوں سے بدتر مخلوق کیونکر انسانیت کی معلم بن جاتی ہے یقیناً یہ سب کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان معجز بیان کا اثر، نگاہ نبوت کی تاثیر اور تعلیم قرآن کا فیضان تھا -

پھر

یہی دعوت حق کی قرآنی تحریک لے کر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتگان دنیا کے سامنے گئے تو انہوں نے سارے زمانے میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا اور بقول نپولین بونا پارٹ عرب کے بدوؤں اور محمد کے نام لیواؤں نے آدھی صدی میں آدھی دنیا پر اسلام کا پھریرا لہرا دیا۔

قرآن میں آج بھی تاثیر موجود ہے -

برادران اسلام! ہمارا ایمان ہے کہ آج بھی ہمارے ہاتھوں میں وہی قرآن عزیز موجود ہے جو تقریباً پونے چودہ سو سال پہلے سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھا - اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوئی اور اس کے اندر آج بھی وہی تاثیر موجود ہے - جو خیر القرون میں تھی - ہمارا یہ بھی پورا یقین ہے کہ اس پر عمل کرنے والوں کی امداد کے جو وعدے خداوند قدوس نے پونے چودہ سو سال پہلے کئے تھے وہ آج بھی اسی طرح ہیں اور ان میں رائی برابر فرق نہیں آیا -

باقی صـ۵ پر

مولانا عبدالرحیم اشرف

مجاہد کبیر مولانا محمد یوسف رح

نماز جمعہ (۲۸ر ذی قعدہ ۸۴ھ، یکم اپریل ۶۵ء) کے بعد ایک میٹنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور ایک کرب ناک آواز سنائی دی "حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب انتقال فرما گئے" "ہیں! یہ کیسی خبر ہے؟ مولانا محمد یوسف وفات پا گئے؟" جی ہاں! صرف اتنی ہی خبر ملی ہے کہ رات دل کا دورہ ہوا اور آج دوپہر وفات پا گئے! یا اللہ! اس خبر کے برداشت کرنے کی ہمت کس میں ہے؟ یہ کیا ہوا؟ تیرے لاکھوں بندوں کی تیری راہ پر لگانے والا مجاہد، سب سے رشتے ناطے توڑ کر تیری جانب متوجہ کرنے والا یہ داعی اب تو نے اسے اپنے ہاں بلا لیا؟ تیرے ہاں تو اخیار کی کمی نہیں لیکن ہم تو فقیر و محتاج ہیں روپے پیسے کے نہیں مال و دولت والے تو ہمارے ہاں بے شمار ہیں مگر ہم محتاج ہیں، تیرے ایسے بندوں کے جو تیری جانب تیری مخلوق کو متوجہ کریں، ان کے قلوب کو گرمائیں ان کے دلوں سے حاضر دنیا کی محبت نکالیں، غائب آخرت کی طلب ان میں پیدا کریں اور وہ یہ کام اس انداز سے کریں کہ انسانی قلوب کی دنیا میں ہلچل مچ جائے لوگ آباد گھروں کو چھوڑ کر ویرانوں کی جانب چلنے لگیں، ان کے دلوں میں تیری محبت موجزن ہو تیرے دین کے لئے وہ تڑپیں اور تیری رضا طلب کرنے کے لئے وہ آبادیوں میں گھومیں، جنگلوں میں پھریں اور ملک در ملک تیرے نام کی منادی سنائیں،

الٰہ الحق، تیرا یہ بندہ یہی کام کر رہا تھا، اس نے اپنی جان اسی کام میں کھپا دی اور اپنے گھر بار کو اسی مقصد کے لئے چھوڑا، ———— یہ تیرا ہی کام تھا کہ تو نے لاکھوں انسانوں کے دل اس کی پکار کے لئے کھول دیئے اور آج قریہ، قریہ بستی، بستی اس کی آواز پر لبیک کہنے والے "حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح" کی صدائے دلنواز سنا رہے ہیں۔

مالک الملک! بلاشبہ تو قادر ہے کہ کل ہی اس سے بڑا آدمی پیدا فرما دے، اسے ان سے بھی زیادہ جاہدے کی قوت و صلاحیت عطا فرما دے اور اسے ایسا قبول عام عطا فرما دے کہ اگلی پچھلی سب باتیں ماند پڑ جائیں لیکن۔ رب ذوالجلال ہم نے اپنی زندگیوں میں یہی ایک شخص دیکھا تھا جس کی آواز نے لاکھوں انسانوں کو تیری راہ پر لگا دیا اور ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارا یہ سہارا بھی ہم سے چھن گیا۔

یہ تاثرات ہی نہیں، واردات تھے جو اس خبر کے سنتے ہی قلب پر طاری بھی ہو گئے اور ان میں سے بعض کے الفاظ و حروف کی صورت بھی اختیار کر لی،

ایک اضطراب، ایک کرب، ایک غم اور ایک نڈھال کر دینے والا صدمہ تھا، جس نے نیم جان کر دیا اور راقم سطور جیسا، مریض عوارض قلب، واقعہ یہ ہے کہ اس صدمے کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

غم و اندوہ کے اسی عالم میں، شاید مرحوم و مغفور کی ذات سے جذبات کی وابستگی، ہی کے نتیجے میں طائر فکر کی پرواز صفات الٰہیہ کے تصور کی جانب ہوئی، یوں محسوس ہوا جیسے رب ذوالجلال کی صفت "صمدیت" کا شعور ابھی حاصل ہوا ہے، اگر قلب کی زبان ہوتی تو اس کے احسابات یوں ڈھلتے!

ہم، اس دنیا کے رہنے والے، ایک شخصیت کو اپنے لئے، اپنی ملت کے لئے، اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے اور بالآخر خدا کے دین برحق کی خدمت اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں، ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اس عظیم شخصیت کے بلاوے پر ہزاروں لاکھوں انسان گھر بار چھوڑ کر اپنے بھائیوں کے قلوب میں ایمان کی تخم ریزی اور اعمال صالحہ کی آبیاری کے لئے دیوانہ وار پھر گھوم رہے ہیں جس شخص کے ایمان کی حرارت نے مشرق و مغرب اور عجم و عرب میں ایک حرکت پیدا کر دی ہے، اس شخص کا موجود رہنا از بس ضروری ہے اگر یہ نہ رہا تو یہ کام رک جائے گا، نہیں تو کمزور تو ضرور پڑ جائے گا۔ اور نہیں کہا جا سکتا، اس کے بعد کب وہ "دانائے راز" آئے گا۔ جو پھر سے ایمان کی منادی دے اور اس کے جواب میں "آمنّا" کی ایمان خیز صدائیں، بلند ہوں،

ہم، اپنی دنیا میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس طرز پر سوچتے ہیں، اس لئے کہ ہم محتاج ہیں اور محتاج جب اتنا بلند پرواز نہ ہو کہ اس کا تعلق عرش الٰہی سے مستحکم ہو چکا ہو تو وہ "اشخاص" کے اردگرد اور "اشیار" کے چاروں طرف ہی گھوما کرتا ہے لیکن وہ ذات جو "احتیاج" کے عیب سے پاک ہے، جس کے فیصلے اشخاص اور اشیار کے سہارے سے بے نیاز ہیں، اور جس نے اپنے دین کو بھی اپنی صفات ہی کی طرح مادی وسائل اور شخصی نصرت سے بے نیاز کر رکھا ہے۔ (الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ.... الآیۃ) اس ذات اکبر، کی شانِ بے نیازی، اس کی صفت صمدیت اور اس کے پسندیدہ دین کا احسان ناشناس مزاج (قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان) کب اس کا متحمل ہو سکتا ہے کہ افراد مدعیان کے سہارے پر اپنے ماننے والوں کو تکیہ کئے رہنے دے، وہ تو چاہتا ہی یہ ہے کہ اس کے بندے اس کے غلام، اس کے چاکر، اسی کی ذات سے متعلق رہیں اسی کو سہارا بنائیں (وعلیہ فلیتوکل المتوکلون) اسی کو اپنا وکیل و کارساز جانیں اور اسی کو اپنے لئے سمجھیں (حسبنا اللہ، نعم الوکیل۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر)

یہ اور اسی قسم کے احساسات یکایک قلب میں موجزن ہوئے اور یوں محسوس ہوا کہ، مولانا مرحوم اپنے مخصوص انداز میں فرما رہے ہیں:۔

"اشیار کو معبود نہ بناؤ، اشیار پر اعتماد نہ کرو، صورتوں پر متوجہ نہ ہو، ان سے کچھ نہ ہو گا۔ وسائل کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اعمال سے ہوتا ہے۔ صفات سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے، رب الاشیار اور رب الصور ہی کرتے ہیں، اسی کو جانو، اسی کو پہچانو اور اسی کو مانو، وہی جو نوح کا رب تھا، اسی نے موسیٰ کو دریائے نیل سے محفوظ رکھا تھا، جس نے محمد صلی اللہ و سلم کو دشمنوں سے بچایا تھا، وہی رب تمہارا رب ہے، تم اس پر اعتماد رکھو اس پر توکل کرو اور اسی پر ایمان لاؤ!"

اس احساس نے بڑی ڈھارس بندھائی یا یوں کہیے کہ اس غم کو برداشت کرنے کی سکت اس سے پیدا ہوئی۔ مگر کمزور ایمان، جذباتی طبیعت اور سکینت سے محروم قلب، استقلال و استقامت کہاں سے لائے غم کا ایک ریلا اور آیا اور جذبات نے قلب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اُدھر ایک دوسرا تصور قلب پر مستولی ہوا:۔

یہ درست ہے کہ اللہ کی رحمت کی جا پر منتقل ہونے والا۔ عظیم انسان تھا، اس کو خلاق ازل نے محیرالعقول قبولیت سے نوازا تھا، اس کی زبان میں بے پناہ، تاثیر ودیعت فرمائی تھی اور اس کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے عالم اسلام میں حیات نو کے آثار دکھائی دینے لگے تھے لیکن ان کی عظمت کو اس کی عظمت سے کیا نسبت، جس کے لاکھوں غلاموں میں سے ایک غلام، محمد یوسف (نور اللہ مرقدہٗ) تھے، جس کی ذات رحمت عالمؐ سے منقلب تھی، جسے سرور کونینؐ کا مقام حاصل تھا۔ جس کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ اس کرۂ ارض پر بسنے والے لاکھوں عارفین کی پوری زندگیوں سے زیادہ قیمتی، زیادہ مفید، زیادہ ضروری اور زیادہ بابرکت تھا جب وہ بھی اس دنیا میں اپنے اس وجود کے ساتھ نہ رہے۔ جب انھیں اپنے آقا کے حضور بلایا گیا اور جب اس بلاوے میں اس کا قطعاً لحاظ نہیں کیا گیا کہ اہل دنیا کی نگاہوں میں اس وجود باجود کا یہاں رہنا کس قدر ضروری ہے اور اس کی رحلت سے

رب و عظیم

انسانوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور کتنے ہیں جو اس محبوب کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے سے تڑپ تڑپ کر جان دیدیں گے جب ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا، تو آج اس فیصلے پر تعجب کیوں؟ رہا اس فیصلہ پر صدمے کی شدت کا احساس، تو اس صدمے سے بڑے صدمے کو یاد کرو کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی رحلت فرما گئے تھے (فداہ ارواحنا و انفسنا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم)

اس تصور کے آتے ہی حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وردِ زبان ہو گیا کہ:-

تمہیں جب بھی کوئی صدمہ پہنچے تو تم میرے صدمے کو یاد کر لیا کرو!

بلاشبہ حضور اکرم فداہ نفسی و ابی و امی کی رحلت سے بڑا صدمہ کسی بھی مومن کے لئے کوئی نہیں ہے۔

ان ہر دو تصورات نے ڈھارس بندھائی اور صدمہ قدرے قابلِ برداشت ہوا لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد، مرحوم و مغفور کی ایک مجلس کی یاد نے نیم بسمل کر دیا۔

آج سے شاید ۴/۳ سال قبل کا ذکر ہے، محترمی مختار احمد صاحب انجینئر ٹیلی فون، لائلپور میں تھے ایک رات ان کا فون آیا کہ صبح لاہور کا پروگرام ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریر نماز فجر کے بعد ہو گی، ہم تین بجے (سحری کے وقت) یہاں سے روانہ ہوں گے، اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو آپ کو گھر سے لیتے جائیں، ہم حسبِ پروگرام لائلپور سے چلے، فجر کی نماز غالباً "بچیکی" میں ادا کی، بلال پارک پہنچے تو مولانا کا خطاب ہو رہا تھا، حسبِ معمول مولانا پورے جوش سے خطاب فرما رہے تھے، دنیا کی حقیقت کو بے نقاب کرنے اور آخرت کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے بے پناہ دلائل دیئے چلے جا رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ایک لاوا ہے جو پورے خروش کے ساتھ پھوٹ رہا ہے اور ماحول کو گرماتے بلکہ پگھلائے جا رہا ہے ½۸ بجے خطاب ختم ہوا۔ محبِ مکرم مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی عنایت خاص سے ناشتہ کرنے کے بہانے حضرت مرحوم و مغفور کی معیت کا شرف حاصل ہوا اور قریب سے یہ دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا کہ شرق و غرب میں پھیلنے والی اس دعوت کا داعی کس انداز سے سوچتا ہے اسے اپنی دعوت سے کس قدر لگاؤ ہے اور اس کی اپنی ذات پر یہ اجتماعی جد و جہد کس قدر غالب ہے،

اللہ اللہ! انہاک محیر العقول تھا، اور اللہ کے اس بندے کا دل صحیح معنوں میں اس بات کے لئے تڑپ رہا تھا کہ جو شخص بھی انہیں مل جائے وہ اس کے دل و دماغ کو دستک دیں، موثر تر انداز میں اپنی دعوت اس کے سامنے رکھیں اور مدلل ترین طریق سے اسے یہ سمجھائیں (فرمانا) ـــــ قوم و معنی اور دہی اعمال عنداللہ مقبول اور دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے جو سید الکونین بآبائنا ھو و امھاتنا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت میں لوگوں نے سنا اور دیکھا تھا

مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ نے، ناشتے کے دسترخوان پر بیٹھتے ہی، گفتگو شروع فرما دی اور اس انداز سے فرمانے لگے کہ کوئی شخص ان کی گفتگو کے زور استدلال کی ندرت اور مطالب کی آمد کا مشاہدہ کر کے یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی شخص ہیں جو ابھی تین گھنٹے کے زور دار خطاب سے فارغ ہوئے ہیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ایک تازہ دم خطیب ہیں، ایک ایسے داعی مصروف گفتگو ہوئے ہیں، تاریخ کے صفحات جن کے سامنے کھلے پڑے ہیں اور وہ ایک ایک واقعہ سے عہدِ رسالتؐ کی تصویر کشی اس انداز سے کر رہے ہیں کہ سننے والے کا دماغ ہی نہیں دل بھی یقین کر رہا ہے کہ آپ درست فرما رہے ہیں۔

اس یادگار صحبت میں مولانا علیہ الرحمۃ اس عنوان پر گفتگو فرما رہے تھے کہ بعض لوگ اپنے موجودہ ماحول میں رہتے ہوئے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اسلام فلاں مشکل کو کیسے حل کرتا ہے اور فلاں پیچیدگی کو کس طرح دور کرتا ہے مثلاً یہ پوچھا جاتا ہے کہ عہدِ حاضر کی معاشی مشکلات کو اسلام کس طرح حل کرتا ہے؟

مولانا نے فرمایا:-

"جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جن چند افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کیا۔ حضورؐ نے ان کے معاشی مسئلے کے بارے میں جو رویہ اختیار فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ آپؐ نے سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تم جتنے اوقاتِ معاش کے لئے وقف کئے ہوئے ہو، ان کا بیشتر حصہ اسلام کے لئے فارغ کر دو، دوسرا ارشاد یہ ہوا کہ فلاں فلاں ذریعہ کو ترک کر دو، یہ ناجائز ہے، فلاں معیشت سے دستکش ہو جاؤ یہ تمہارے رب کو ناپسند ہے معیشت پر ان دو حملوں کے بعد تیسرا وار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ جو کچھ تم کماتے ہو یہ صرف تمہارا حق ہی نہیں ہے اس میں تمہارے ان بھائیوں کا بھی حق ہے جو وسائل معیشت سے تہی دامن ہیں اور چوتھی بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو کچھ تم کماؤ، اس میں سے بہت سا، دین کی خدمت خدا کے لئے کلمۃ الحق کی سربلندی اور بنی نوع انسان تک اپنی دعوت کو پہنچانے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے میں صرف کرو گویا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یہ کہ صحابہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو کچھ کماتے تھے، اس کا دائرہ محدود کیا جتنے اوقات کمانے پر صرف کرتے تھے ان کی مقدار کم کر کے ان اوقات کو دین کے لئے وقف فرمانے کا حکم دیا، جو کچھ کماتے تھے اس میں دوسروں کا حصہ مقرر فرما دیا۔ اور اس کے بعد بھی جو بچا اس کے بارے میں بھی یہ حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اسلام پر خرچ کرو یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس زندگی کے مسائل و مشکلات حل کرنے کا"!

راقم مولانا ممدوح کی یہ گفتگو سن رہا تھا اور محوِ حیرت تھا کہ یہ معاشی فلسفہ ہے کس کتاب میں؟ اور پھر خود ہی اپنے آپ کو جواب دیا کہ بلاشبہ قرآن سنت اور تاریخ عہدِ نبوت تو اس فلسفہ معیشت کو پیش کرتے ہیں، البتہ و لکن اکثر الناس لا یعلمون

اس کے ساتھ جس بات کا گہرا اثر راقم الحروف نے اس مجلس میں لیا وہ یہ تھی کہ، مولانا محمد یوسف تغمدہ اللہ برحمتہ تین گھنٹے کے حساب کے بعد اس کمرے میں (آہ وہ کمرہ تھا، جہاں آپ نے اس حیات ناپائیدار کے آخری لمحات گذارے) تشریف تو لائے تھے ناشتے کے لئے مگر آپ اپنی دعوت کے ایک پہلو کی وضاحت میں اس قدر مستغرق تھے کہ نہ صرف یہ کہ انھیں ناشتے کی جانب کوئی توجہ نہیں تھی بلکہ ہوا یہ کہ ایک رفیق نے چائے کی پیالی پیش کی تو آپ نے پکڑ لی۔ دس پندرہ منٹ تک وہ یونہی پیالی ہاتھ میں پکڑے رہے اور پھر ایک شریکِ مجلس کے توجہ دلانے پر آپ نے وہ چائے جو اب پانی کی طرح ٹھنڈی ہو چکی تھی، حلق میں انڈیل لی دوسری پیالی یہ کہہ کر پیش کی گئی کہ "حضرت! یہ گرم ہے، پی لیجئے اور یہ بسکٹ بھی تناول فرمایئے" تو اللہ کے اس بندے نے اس پیالی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا، گفتگو میں مستغرق رہے اور ۱۰-۱۵ منٹ کے بعد اسے بھی پانی کی طرح پی لیا۔

اس کے بعد اٹھے اور ایک دوسرے اجتماع میں تقریر کے لئے تشریف لے گئے اور یہ پہلے سے معلوم تھا کہ دوپہر سے قبل ایک تیسرا خطاب بھی آپ کو فرمانا ہے یہ مجاہدہ ٹھیک عملی شہادت تھی اس، تصور مجاہدہ کی جو حضرت مرحوم و مغفور اپنی تقریروں میں پیش فرمایا کرتے تھے گویا قول و عمل دونوں میں وہ صادق بھی تھے اور یکساں بھی (رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

مولانا علیہ الرحمۃ سے ملاقات اور بالمشافہ آپ کے خطابات سننے سے پہلے راقم اس سوءِ فہمی کا شکار تھا کہ تبلیغی جماعت، کے اکابرین کا فکر صرف انہی چھ باتوں یا چھ اصولوں تک ہی محدود ہے جو حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے پیش فرمائے تھے اسی طرح یہ پریشانی بھی اس کو لاحق تھی کہ تبلیغی جماعت تو اپنے کام اور افراد کی تعداد کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے لیکن اس کے ذمہ دار حضرات، اس جماعت کی ان کمزوریوں اور، کوتاہیوں کا کوئی مداوا نہیں کر رہے بلکہ سچ تو یہ ہے، خیال تھا کہ وہ ان کمزوریوں کو محسوس ہی نہیں کر رہے ہے جو اس قسم کی بڑھنے اور پھیلنے والی، جماعتوں میں ہمیشہ پیدا ہوا کرتی ہیں اور جماعتیں انہی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے ہی ختم ہو جایا کرتی ہیں اس پریشانی کو بیک وقت دو چیزوں

باقی صفحہ ۵۸ پر

ایک سراپا داعی

ارشاد فاروق بہاولنگر

اپنے شہر میں غالباً میں پہلا آدمی تھا جس نے حضرت جی کی موت کی دردناک خبر کو سب سے پہلے سنا۔ یقین نہیں آتا تھا۔ دل کو اس خبر کی سچائی سے قطعاً انکار تھا۔ حضرت میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔ اور ان کی تقریر کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے۔ تین ہی دن تو ہوئے تھے کہ عصر کی نماز سے کچھ پہلے حضرت جی کے پیر دبا رہا تھا۔ افسوس! کیا خبر تھی کہ اس کے بعد دنیا میں زیارت نہ ہو سکے گی اور نہ خدمت کی سعادت پھر ملے گی۔ کسی عارف نے سچ کہا ہے کہ یہ زندگی بہت مختصر ہے لیکن اس کا دھوکا بہت بڑا ہے۔ اس دھوکے میں پڑ کر انسان سعادت کے کتنے ہی موقعوں کو گنوا دیتا ہے۔ خوش نصیب اور قابل رشک ہیں۔ حضرت جی انسان جو اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے میں اپنے مولا کی رضا کا سامان کرتے ہیں۔ حضرت جی سراپا داعی تھے اور انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو دعوت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی موت کے بعد قدرتی طور پر لوگوں کی زبانوں پر یہ سوالات آنے لگے۔ حضرت کے مشن کا اب کیا ہوگا۔ اس کام کے لیے ایمانوں کو گرمانے والا اور جذبات کو اُبھارنے والا اب کون آئے گا۔ دنیا کی زیب و زینت، اس کی کشش اور مشاہد منافع کے مقابلے میں آخرت کے غیبی ترغیبات کو اس حکیمانہ انداز سے اب کون بیان کرے گا کہ لاکھوں انسان دیوانہ وار گھر چھوڑ کر خدا کے راستے میں پھرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں"۔ میں بھی اسی قسم کے وساوس میں مبتلا تھا کہ معاً حضرت جی کے یہ الفاظ کان میں گونج اُٹھے۔ مخلوق سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سب کچھ خالق سے ہوتا ہے۔ ہماری محنت بھی مخلوق ہے۔ اس سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ قربانیوں والی محنت کے بعد جب رو کر دعا کریں گے تو خالق اس محنت سے خوش ہو کر محض اپنی قدرت سے عالم کے دلوں کے پھیر دے گا"۔ شاید اسی لیے احباب سے فرمایا کرتے تھے کہ اجتماعات پر لوگوں کو صرف میری زیارت اور دعا کی خاطر نہ لایا کرو۔ بلکہ اللہ کی رضا۔ دعوت کی عظمت اور آخرت کے اجر و ثواب کی بنیاد پر آمادہ کر کے لایا کرو۔ میواتیوں سے خصوصاً فرمایا کرتے تھے۔ تم میں بہت سے صرف میری زیارت اور مصافحہ کی نیت سے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کام کی عظمت کو سمجھو جس کی وجہ سے خدا نے تمہارے دل میں میری محبت اور عقیدت ڈالی ہے۔ اس کام میں اپنا وقت اور جان و مال لگاؤ اور اس کام سے پیار جوڑو میری ذات تو فانی ہے۔ وہ تو مجمع کو بتایا کرتے تھے کہ یہ کام کسی کی ذات کا محتاج نہیں ہے بڑی شخصیتوں کو جوڑنے کی کوشش محض اس لیے کرنا کہ ان کی سے کام چلے گا۔ غلط ہے۔ اسی لیے ہر کام مشورہ سے کرتے اور جو کچھ مشورہ میں طے پا جاتا اس کی پوری پابندی فرماتے تھے۔

حضرت جی کے لیے دنیا کی کسی چیز میں کوئی کشش نہیں تھی۔ ان کی تمام دلچسپیاں سمٹ کر دعوت کے کام میں آ گئی تھیں۔ حد یہ تھی کہ حضرت جی اس کام کے پیچھے اپنے کھانے پہننے اور راحت و آرام کو بھی بھول جاتے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ اس بات کو بہت سے لوگ مبالغہ سمجھیں گے۔ اور ایسے دماغ قطعاً قبول نہیں کریں گے۔ جو زندگی کا مقصد ہی کھانا پینا اور عیش کرنا سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت واقعہ ہے کہ حضرت کو کھانے کے لیے بھی کئی کئی بار یاد دلانا پڑتا تھا اور کئی دفعہ دعوت کی گفتگو کی وجہ سے سامنے رکھا ہوا کھانا بالکل ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ کھاتے تو اتنا کم کہ خدام کو مزید کھلانے کے لیے اصرار کرنا پڑتا۔ بالکل یہی معاملہ آرام کا تھا۔ تقریر و تشکیل میں اور اس کے بعد خاص مجلس کی گفتگو میں اکثر رات ڈھل جایا کرتی تھی۔ خدام کے اسرار پر برائے نام آرام فرماتے اور پھر جلدی سے اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر راز و نیاز میں مشغول ہو جاتے۔ آج کہا جاتا ہے کہ ہم عمدہ، مرغن اور لذیذ غذائیں اس لیے کھاتے ہیں کہ دین کا کام کرنے کے لیے قوی اور طاقتور رہیں۔ آرام و راحت کے سامان کی فراوانی کا بہانہ بنایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ دعوت کے کام کی تھکاوٹ کو دُور کرنے کے لیے ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کاریں۔ کوٹھیاں اور ولایتی قسم کا فرنیچر اس لیے ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کی شان رعب اور دبدبہ قائم ہو اور لوگ ہمیں محتاج اور فقیر نہ سمجھیں۔ یہ فرمانے والے وہ لوگ ہیں جو داعی اوّل صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے بالکل بے بہرہ ہیں (اگر وہ مقدس ہستیاں بھی اپنی دعوت کی خاطر اس قسم کے سامان مہیا کرنے میں لگ جائیں تو یقیناً اسلام چند ہی نفوس یا خاندان تک محدود رہ جاتا) ان آرام پسند داعیوں کی دعوت سے جو اسلام وجود میں آ رہا ہے اس میں خدا کی بندگی کے ساتھ ساتھ خواہشات کی بندگی بھی نمایاں ہے۔ کاش اس قسم کے لوگ حضرت جی کی صحبت میں آ کر اس نکتہ کو سمجھتے کہ اصل مجنون وہ ہیں جو وصل لیلیٰ کی لذتوں کے اضافے کے لیے دودھ پیتے تھے اور حلوہ کھاتے تھے بلکہ اصل مجنوں وہ تھا جس کو لیلیٰ کی محبت کے جنون نے تمام لذتوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ صرف لیلیٰ کے عشق کی گرمی اس کی زندگی کا سہارا تھی۔ کیا ان میں زمین و آسمان کا فرق نہیں۔

حضرت کے خطاب کا طرز بھی بالکل نرالا تھا۔ خدا کی ذات و صفات کو اس طرح کھول کھول کر بیان فرماتے تھے کہ توحید کے موضوع کا بڑے سے بڑا مقرر بھی رشک کرنے لگتا تھا۔ اور یہ بیان اس حکمت سے فرماتے کہ کٹر مشرک بھی توحید کی طرف رغبت کرنے لگتا۔ لیکن سارے خطاب میں دل آزاری کا کہیں نام و نشان تک بھی نہ ہوتا۔ حضرت جی کے بیان کو سننے کے بعد اس خیال کی تردید کرنی پڑتی تھی کہ توحید بیان کرو گے تو مشرکین کی ناراضگی مول لینی ہی پڑے گی۔ سیرتِ پاک کا بیان اس محبت اور مزے سے فرماتے کہ دشمنِ رسول کے دل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت داخل ہو جائے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کی مبارک زندگیوں کا ذکر اس طرح کرتے گویا ان حضرات کی صحبت میں رہ کر آئے ہیں۔ آخرت، جنت اور دوزخ کا بیان ایسے یقین کے ساتھ فرماتے کہ گویا آنکھوں دیکھا بیان ہو رہا ہے۔ اعمال کے فضائل پر آتے تو ہر دل میں عمل کی لگن پیدا ہو جاتی۔ امت کی موجودہ حالت کو بہت کم بیان فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی زبان پر ذکر آ جاتا تو دل بھر آتا۔ آنکھیں اشک بار ہو جائیں اور بڑے درد سے فرماتے دوستو! اسلام کے دشمنوں نے انتہائی عیاری سے اس امت کو بداعمالی اور بے حیائی کے گڑھے سے باہر نکالنے کے لیے جان و مال کی بازی لگانے کی ضرورت ہے۔ غرض ایسا بیان ہوتا کہ ہر دل میں دین کی محنت کا احساس زندہ ہو جاتا تھا۔

حضرت جی کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔ ان کا ہر عمل قابل رشک تھا۔ ان کی ساری زندگی سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ وہ رات دن امت کی بے دینی کے غم میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ اور مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں سنتوں کے احیاء کے لیے بے قرار تھے۔ کبھی تاجروں کو جمع کرتے اور ان کے سامنے تاجر صحابہؓ کی زندگی کے واقعات ایسے انداز سے بیان کرتے کہ تاجروں

کو اپنی تجارت کے کرتوتوں پر شرم آنے لگتی۔ اور ان کے سر ندامت سے جھک جاتے۔ کبھی ملازم حضرات کو بلاتے اور ان کے سامنے صحابہ کرام کی حکومتوں اور ملازمتوں کے واقعات کو دھراتے۔ اسلامی عدالت کے برکات وفضائل سنا کر ملازمت والے احکام کی ترغیب دیتے۔ اسی طرح کبھی زمینداروں سے خطاب کرتے کبھی طلبا سے اور علما سے۔ سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش کا نقشہ کھینچتے اور صحابہ کرامؓ اور حضور پاک صلعم کی زندگی مبارکہ کے اسوۂ حسنہ سے ان کا حل پیش فرماتے اور ہر طبقے کے کام کرنے والوں کے دلوں کے چور کو ایسا اجاگر کرتے کہ گویا خود اس شعبہ میں کام کر چکے ہیں۔ حضرت جی کی دعوت کی وسعت اور اُس کے ہمہ گیر اثرات دیکھ کر مجھے ان لوگوں کی ادھوری واقفیت پر رحم آنے لگتا جو حضرت جی کی دعوت کو صرف چھ نمبروں میں محدود سمجھتے ہیں اور اس کام کو ہلکا سمجھ کر اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور بعض اوقات تنقید بھی کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل ایسی ہے جیسے کوئی تعلیم بالغاں کے مرکز میں جا کر اعتراض کرے کہ آپ بوڑھے آدمیوں کو بھی الف بات پڑھاتے ہیں۔ یہ بچوں کا سبق ہے بڑے میاں کو کتاب پڑھاؤ۔ حالانکہ بدقسمتی سے بڑے میاں کو الف باتا ہی نہیں آتے۔ جب تک یہ یاد نہ ہوں کتاب شروع کرانا حماقت ہے۔ اس وقت امت میں بنیادی اعمال ہی موجود نہیں ہیں اس لیے تکمیلی احکام کے زندہ کرنے کی تمام کوششوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔

حضرت جی دعوت کے عمل کو تسخیر عالم کا عمل سمجھتے تھے۔ اور پورے یقین کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم اس کام میں لگنے کا حق ادا کر دو تو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم والے اپنے اسباب سمیت تمہارے غلام بن جائیں گے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا اعتراف تو سب کو ہے لیکن دل میں یہ الجھن تھی کہ عملی طور پر یہ کس طرح ہوگا۔ کچھ عرصے بعد ایک واقعہ پیش آیا جس سے دل بحمدللہ پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ ہوا یہ کہ سرگودھے میں اجتماع تھا۔ چند امریکن دوست بھی آئے ہوئے تھے۔ ایک پڑھے لکھے دوست امریکن حضرات سے انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہم لوگ چونکہ ذہنی طور پر امریکہ کی مادی ترقی اور وسائل سے مرعوب ہیں اس لیے ہمارے پاکستانی بھائی نے دوران گفتگو میں کہا کہ آپ امریکن لوگ ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ امریکن دوست نے اس کے جواب میں جو فقرہ کہا اس نے ان تمام پردوں کو چاک کر دیا جو مرعوبیت نے میرے ذہن پر ڈال رکھے تھے۔ انہوں نے فرمایا "نہیں نہیں تم پاکستانی لوگ ہمارے بڑے بھائی ہو کیونکہ تم نے ہمیں دین سکھایا ہے۔ سکھانے والا بڑا اور سیکھنے والا چھوٹا ہوتا ہے۔" غور کریں یہ اس

فرعون قوم کے ایک فرد کے بول ہیں جو ہم کو ایک پرکاہ کے برابر حیثیت دینے کو تیار نہیں اور شاید سو سال تک بھی مادی لائن سے ہم ان سے بڑے نہ بن سکیں۔ یہ الفاظ حضرت جی کے بیان کردہ حقیقت کی کھلی شہادت ہیں کہ دعوت کا عمل تسخیر عالم کا عمل ہے۔ لیکن قوموں کی تسخیر افراد سے نہیں قوم ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اللہ پاک ہمیں قومی پیمانے پر اس کام کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت جی کی تمام صفات میں جو بات مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی وہ حضرت جی کی دعا کا طریقہ تھا۔ نہایت عاجزی سے اور بہت ہی درد اور بے قراری سے دعا شروع فرماتے پُرسوز لہجے اور الفاظ سے مجمع پر گریہ طاری ہو جاتا۔ اے اللہ.... اے اللہ.... اس درد کے ساتھ بلند آواز سے کہتے کہ لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں۔ آہ و فغاں کا عالم بپا ہو جاتا۔ یوں محسوس ہوتا کہ حضرت جی نے ہمیں خدا کے حضور میں لے جا کر کھڑا کر دیا ہے اتنی لمبی دعا فرماتے کہ گویا اپنے رب سے قبول کرا کر چھوڑیں گے۔ بالکل اس بچے کی طرح جو اپنی مطلوبہ چیز کو حاصل کرنے کے لیے رو رو کر جان کو ہلکان کرتا ہے اور ماں کے پیروں سے لپٹا پھرتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ خدا کی رحمت متوجہ ہو رہی ہے۔ دعا کی مقبولیت کا یقین دل میں ہونے لگتا۔ مغفرت کی دعا کے بعد ہدایت عامہ کی دُعا پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے اور آنے والی نسلوں تک کے لیے دُعا فرماتے تھے۔ اللہ پاک ہماری ان تمام دعاؤں کو قبول فرمائیں جو حضرت کے ساتھ مل کر کی تھیں اور ہمیں بھی حضرت جی والے جذبے کے ساتھ محنت کر کر دعا مانگنے کی توفیق بخشیں آمین۔ اللہ پاک مرحوم کے درجات کو انتہائی بلند فرمائیں آمین۔ ان تمام کمالات اور صفات اور اتنی محنت اور مجاہدے کے باوجود حضرت کی سادگی اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ سفر میں کام کرنے والوں کے درمیان ناواقف آدمی کے لیے حضرت کا پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔ غالباً ۱۹۵۸ء کی بات ہے۔ حضرت جی ایک بڑے قافلے کے ساتھ ٹرین میں پشاور سے کراچی کا سفر کر رہے تھے۔ گاڑی بارہ بجے دوپہر کے بعد لاہور پہنچی تھی اور کچھ دیر کا سٹاپ تھا۔ پروگرام کی کوئی تشہیر نہیں کی گئی تھی۔ لیکن

باقی صفحہ ۵۸ پر

مرتبہ ——— میر عبدالحلیم گوجرانوالہ

حضرت جی کی ایک یادگار تقریر

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف نوّر اللہ مرقدہٗ نے یہ تقریر دل پزیر اپنی وفات سے ایک ہفتہ قبل گوجرانوالہ میں نماز جمعہ سے قبل فرمائی تھی۔ گویا یہ آپ کی زندگی کا آخری جمعہ تھا۔ جس میں آپ نے تقریر فرمائی۔ اس سے اگلے جمعہ کو لاہور بلال پارک میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اور آپ ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ط

میرے بھائیو اور دوستو! انسان کو حق تعالےٰ شانہٗ نے تھوڑے دنوں کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے اور محنت کی دولت دے کر بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ اپنی محنت کو اپنے اوپر خرچ کر کے قیمتی بنا لے۔ اگر اس نے اپنی محنت کو اپنے اوپر خرچ کر کے اپنے کو قیمتی بنا لیا تو حق تعالےٰ شانہٗ دنیا میں بھی رحمتوں کی بارش برسائیں گے۔ انعامات کی بارش برسائیں گے۔ کامیابیوں کے دروازے کھولیں گے۔ اور جب یہ مر جائے گا تو اس کی قیمت کے اعتبار سے جتنا اس نے اپنے قیمتی بننے میں محنت کی ہو گی اور جتنا اپنی ذات کو قیمتی بنا لیا۔ اس کے اعتبار سے اسے جنت کے درجے عطا فرمائیں گے۔ ساتوں زمینوں آسمان سے دس گنے سے زیادہ سے لے کر لاکھوں اور کروڑوں گنا تک ایک انسان کو ملے گا۔ اس کی اپنی قیمت کے اعتبار سے اس کے اندر کیا قیمت ہے، اب میرے عزیز دوستو! یہ جو انسان کی محنت ہے۔ یہ دو رخی ہے۔ اس محنت سے دو رُخ پہ بنتا ہے۔ باہر چیزوں کی شکلیں بنتی ہیں۔ انسانوں کی محنت سے، سڑکوں کی شکل، موٹروں کی شکل، سواریوں کی شکل، غذاؤں کی شکل، حلووں کی شکل، کھانے پینے کی چیزوں کی شکل، سواریوں کی مکان کی شکل تو چیزوں کی شکلیں تو بنتی ہیں انسان کے باہر اور یقین کی شکلیں بنتی ہیں۔ انسان کے اندر نیت کی شکلیں بنتی ھیں۔ انسان کے اندر علم اور جہل کی شکلیں بنتی ہیں۔ انسان کے اندر غفلت اور ذکر بنتا ہے۔ انسان کے اندر، اخلاق اور بد اخلاقی کا نور اور ظلمت بنتا ہے۔ انسان کے اندر تو انسان کی محنت ہے۔ جس طرح باہر چیزوں کی شکلیں بنتی ہیں۔ اس طرح اندر میں ایمان کی یقین کی اخلاق کی محبّت کی عداوت کی شکلیں اندر میں بنتی ہیں۔ محنت کرتے کرتے کسی سے محبت کرنے والا بنتا ہے۔ کسی سے عداوت کرنے والا بنتا ہے، محنت کرتے کرتے کسی پہ اعتماد کرنے والا بنتا ہے کسی پہ اعتماد نہ کرنے والا بنتا ہے۔ محنت کرتے کرتے کسی پر یقین کرنے والا بنتا ہے کسی پہ یقین نہ کرنے والا بنتا ہے۔ تو محنت سے چیزوں کی شکلیں تو بنیں گی۔ باہر اور یقین کی نیت کی علم دھیان کی محبت کی عداوت کی، اعتماد کی بھروسے کی یہ شکلیں انسان کے اندر بنیں گی۔ جو باہر بن رہی ہیں۔ شکلیں چاہے وہ وزیروں کے ہاتھ میں ہوں۔ شکلیں چاہے وہ صدروں کے ہاتھ میں ہوں۔ شکلیں چاہے وہ گورنروں کے ہاتھ میں ہوں چاہے وہ ان سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں شکلیں ہوں چاہے وہ مزدوروں کے ہاتھوں میں شکلیں ہوں۔ شکلوں کو انسان ہر جگہ منتقل نہیں کرتا۔ اور ان چیزوں کی شکلیں انسان کے ساتھ ہر جگہ منتقل نہیں ہوتیں آپ لاہور جائیں گے تو آپ نے بیس، تیس، چالیس، پچاس سال کی محنت سے جتنی دکان کی شکل بنائی ہے اور کوٹھی کی شکل بنائی ہے یا باغیچے کی شکل بنائی ہے یا عیش کی شکلیں بنائی ہے وہ آپ کے ساتھ لاہور نہیں جائیں گی کراچی نہیں جائیں گی۔ ملتان نہیں جائیں گی جو باہر کا بنا ہوا ہے وہ یہیں چھوڑ کے جاؤ گے، کچھ پیسے لے جاؤ گے، کچھ نقدی لے جاؤ گے۔ کچھ لے جاؤ گے اکثر باہر کا بنا ہوا چھوڑ جاؤ گے۔ سڑکیں یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ پل یہیں چھوڑ جاؤ گے اور جب اس ملک سے دوسرے ملک میں جاؤ گے تو نقدی بھی چھوڑ کے جانی پڑے گی ساری نقدی بھی ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ جتنا پیسہ بنا ہوا ہے۔ سب یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ جتنا حکومت تمہیں اجازت دے گی اتنا لے جا سکو گے۔ دوسرے ملک میں، سارا بنا ہوا اس کی شکل میں نہیں لے جا سکو گے اور پھر اس دنیا سے جب آپ آخرت کی طرف جائیں گے تو باہر کا جتنا بنا ہوا ہے وہ سو فیصد یہاں چھوڑ کے جانا پڑے گا۔ بدن کے کپڑے تک چھوڑ کے جانے پڑیں گے۔ یہ عینک تک چھوڑ کے جانی پڑے گی۔ جس کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں ہوتا۔ گھڑیاں چھوڑ کے جانی پڑیں گے۔ یہ جوتے چھوڑ کے جانے پڑیں تو باہر کا جتنا بنا ہوا ہے تو یہ دُنیا میں کسی نے کہیں ساتھ چھوڑا کسی نے کہیں ساتھ چھوڑا آخری چیزیں جو ساتھ چھوڑیں گی وہ اس وقت ساتھ چھوڑیں گی۔ جب یہ رُوح جسم سے نکل کر خدا کی طرف چلے گی۔ اس وقت جو کچھ تھا یہ دنیا کا باہر کا بنا ہوا۔ وہ سارا یہیں کا یہیں رہ جائے گا۔

لیکن میرے عزیز دوستو! جو انسان کے اندر بنتا ہے۔ انسان اسے چوبیس گھنٹے جہاں جاتا ہے۔ اپنے ساتھ لے کے جاتا ہے۔ پاخانوں میں جاؤ گے تو جو کچھ اندر کا بنا ہوا ساتھ لے کے جاؤ گے۔ دسترخوان پر بیٹھو گے تو جو کچھ اندر کا بنا ہوا ہے۔ ساتھ لے کے بیٹھو گے۔ چارپائی پر سونے کے لئے جاؤ گے۔ چارپائی پر لیٹو گے تو اندر کا جو کچھ بنا ہوا ہے ساتھ لے کے لیٹو گے۔ اگر لاہور جاؤ گے اندر کا بنا ہوا سارا لے کے جاؤ گے۔ کراچی جاؤ گے سارا لے کے جاؤ گے۔ دنیا کے کسی ملک میں جاؤ گے اندر کا سارا لے کے جاؤ گے جو یقین اندر میں بنا ہوا ساتھ جائے گا۔ اور جو محبت اندر میں بنی ہوئی ساتھ جائے گی جو عداوت اندر میں بنی ہوئی ساتھ جائے گی جو علم اندر میں بنا ہوا ساتھ جائے گا جو دھیان اندر میں بنا ہوا ساتھ جائے گا جو اعتماد اور بھروسہ اندر میں بنا ہوا جائے گا تو اندر کا بنا ہوا ہر وقت ساتھ چلتا ہے اور باہر کا بنا ہوا ہر وقت ساتھ نہیں چلتا یہاں تک کہ جب دُنیا سے آخرت کی طرف انسان منتقل ہو گا تو اندر کے بنے ہوئے کو سو فیصد ساتھ لے جائے گا۔ اب اگر وہ بنا جو قیمتی ہے تو یہ جہاں جاتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور اگر اندر میں وہ بنا جو بے قیمت ہے تو جہاں جاتا ہے ناکام ہوتا ہے وہ اخلاق بنا جس میں عزت ملتی ہے وہ یقین بنا جس میں بلندی ملتی ہے۔ وہ محبت بنا جس پر انعامات ملتے ہیں وہ اعتماد بنا جس پر مدد کے دروازے کھلتے ہیں وہ علم بنا جس علم پر خدا چمکاتا ہے وہ دھیان بنا جس دھیان پر خدا کامیاب کرتا ہے تو اگر اندر میں وہ بنا۔ جس جہد کے بننے کے لئے خدا نے دنیا میں بھیجا۔ اور جہد بننے کے لئے خدا نے محنت کی دولت عطا فرمائی تو محنت کر کے اندر میں اگر وہ بن گیا تو دنیا کے جس علاقے میں چاہے پھرے۔ جس ملک میں جائے اور جس سڑک پر چاہے نکل جائے اور جس سواری پہ چاہے سوار ہو جائے۔ چاہے گدھے پہ سوار ہو کے نکلے۔ چاہے موٹر پہ سوار ہو کے نکلے۔ چاہے پیدل نکلے۔ چاہے سواری میں نکلے چاہے۔ جھونپڑوں پر لیٹے چاہے کوٹھیوں میں لیٹے چاہے۔ چٹنی روٹی کھاتا ہوا نکلے۔ لاکھوں کے کھانے کھاتا ہوا نکلے، اندر کا بنا ہوا اگر وہ ہے جس پہ خدا کامیاب کیا کرتے ہیں اور جو قیمتی ہے تو پھر جس لائن کو نکلو گے جس شکل سے گزرو گے کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر خدا نخواستہ وہ بن گیا، جو بے قیمت ہے وہ یقین بنا جس پر خدا پکڑ کرتے ہیں وہ محبت بنا جس پر خدا مصیبتیں ڈالتے ہیں اور وہ اعتماد بنا جس پہ خدا زندگی بگاڑتے ہیں۔ اور وہ علم بنا جس کو خدا جہل قرار دیتے ہیں وہ دھیان بنا جسکو اللہ غفلت کہتے ہیں۔ تو اگر اندر میں وہ بنا جس کے بننے پر خدا ناکام کیا کرتے ہیں تو دنیا میں انسان جہاں کو بھی نکلے گا۔ چاہے سواریوں پر نکلے چاہے کاروں میں نکلے چاہے ہوائی جہازوں میں نکلے ذلیل ہو گا۔ خوفزدہ ہو گا۔ غیر مطمئن ہو گا۔ پریشان حال ہو گا۔ دنیا میں چاہے۔ جن شکلوں میں کوئی نکلے، کامیابی نصیب نہیں ہو گی۔ شکلیں بنی ہوئی مل جائیں گی۔ لیکن عزت نہیں ملے گی اور جب مرے گا تو اندر کا بنا خدا ہر ایک کو دکھائیں گے۔ کہ تیرے میں کیا بنا۔

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝

اندر کا بنا ہوا دکھاویں گے

صاحبزادے! یہ یقین بنا کے لائے ہو۔ یہ تو دوزخ والا یقین ہے جنت میں نہیں لے جانا یہ، یہ محبت تو دوزخ میں لے جاتی ہے یہ تو دنیا کی محبت ہے۔ یہ تو دوزخ میں لے جاتی ہے۔ یہ نہیں لے جاتی جنت میں۔ کہاں ہے وہ اللہ کی محبت وہ کون سے کونے میں رکھی ہے۔ لاؤ لا کر دکھاؤ، لاؤ وہ رسول اللہ کی محبت نکال کر دکھاؤ۔ وہ محبت جس پر آدمی جان و مال ماں باپ اولاد تک قربان کر دے۔ کہاں ہے وہ محبت؟ یہ دل میں دکھاؤ کہ محبت کی جگہ دل ہے۔ زبان محبت کی جگہ نہیں۔ زبان محبت کی جگہ ہے ہی نہیں۔ یہ جو زبان پر ہے۔ اس کو رسول اللہ کی محبت کا اظہار کہتے ہیں اور اظہار کی جگہ زبان ہے۔ محبت کی جگہ زبان نہیں اظہار کی جگہ زبان ہے۔ ایمان کی جگہ زبان نہیں ہے۔ زبان اظہار کی جگہ ہے۔ ایمان کو ظاہر کرتی ہے، یہ زبان ایمان کی جگہ نہیں ہے۔ ایمان کی جگہ تو دل ہے۔ محبت کی جگہ تو دل ہے اعتماد کی جگہ تو دل ہے۔ زبان خائن رہتی ہے اور ایسی منافق ہے یہ زبان کہ جو دل میں ہو اسے بھی بول پڑے اور اس کے خلاف بھی بول پڑے۔ کوئی آدمی آیا، اب آپ کو بہت غصہ آیا، کہ بے موقع آ گیا۔ روٹی کھا کے سوتے ہیں تو بیگم کو بلا رکھا ہے۔ اس وقت اور بے موقع آ کے بیٹھ گیا اور خوب طبیعت میں ناگواری ہے۔ اور زبان سے کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کے آنے سے بڑی مسرت ہوئی، تو زبان نے وہ نہیں بولا جو دل میں ہے اس کے خلاف بولا۔ تو زبان وہ بھی بولتی ہے جو دل میں ہے اور زبان وہ بھی بولتی ہے۔ جو دل میں نہیں ہے۔ انسان زبان سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔ کل کو قیامت میں زبان سے وہی نکلے گا۔ جو دل میں ہے اور زبان وہ بھی بولتی ہے جو دل میں نہیں ہو گا۔ وہ زبان پر نہیں آئے گا۔

اسی واسطے لکھا ہے علمائے محققین اور مفسرین حضرات نے کہ یہاں دنیا میں کوئی کتنا ہی قرآن حفظ کر لے اور سارا پڑھ لے۔ اور ایسا یاد ہو کہ بے جھجکے بے اٹکے سارا قرآن پڑھ جاوے۔ لیکن کل کو قیامت میں جب قرآن پڑھنے کا وقت آئے گا کہ پڑھ اور جنت کے درجوں پر چڑھ، چڑھتا چلا جا بڑھتا چلا جا، تو اس طرح فرمایا کہ جتنا قرآن پر عمل ہو گا۔ زبان پر اتنا ہی آئے گا۔ عمل میں نہیں ہو گا تو قرآن پڑھا نہیں جائے گا۔ دنیا والی بات نہیں ہے۔ عمل کچھ اور قرآن پڑھ رہے ہیں۔ دل میں کچھ اور زبان پر بول رہے ہیں وہاں تو جو عمل ہو گا۔ وہ زبان بولے گی جو یقین ہو گا۔ وہ زبان بولے گی۔

اس لیے میرے عزیزو اور دوستو! اللہ رب العزت نے محنت کی دولت عطا فرمائی اور مسجد کے اندر آواز لگوائی کہ دیکھو اپنے اپنے نقشوں سے نکل کر آؤ وقت تمہارے پاس موجود ہے آنکھ کھل جائے گی تو وقت جاتا رہے گا - محنت کرنے کا یہ وقت اگر محنت کر لی تو تم اندر کی بنیادوں کو ٹھیک کر لو گے - اب اگر تم نے وقت پر محنت خرچ نہ کی تو موت کے وقت یہ حرکت ختم ہو جائے گی - مرنے کے بعد یہ ختم ہو جائے گی قرآن میں ہے وہ یوں کہیں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ لیا -

رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ٥

ترجمہ - اے رب دیکھ لیا سن لیا رسب ہماری سمجھ میں آ گیا) اب آپ دنیا میں واپس بھیجیے ہم اچھے عمل کر کے ، آئیں گے -

تو گویا آخرت عمل کرنے کی جگہ نہیں ، عمل کی جگہ نہیں ہے آخرت جیسے یہ ماں کا پیٹ یہ کمائی کی جگہ نہیں ، کمانے کی جگہ دنیا ہے - ماں کا پیٹ ہے ہی نہیں کمانے کی ، کھانے کی ، حلووں کی جگہ اور گلاب جامن کی جگہ اور چائے پینے کی جگہ وہ ہے ہی نہیں - تو عمل پر محنت کا میدان یہ دنیا ہے اب اگر آدمی مر جائے گا تو آخرت میں عمل کا میدان نہیں رہے گا - محنت کا میدان ختم ہو جائے گا - آج جیسے بنیں گے ویسا درجہ قائم ہو جائے گا - خراب بن گئے تو دوزخ ، اچھے بن گئے تو جنت - جس شکل کے اچھے بنے اس شکل کی جنت ملے گی - اب اس کے لیے مسجدیں بنیں اور آواز لگائی گئی کہ دیکھو یہ چیزیں تم نے اپنے میں پیدا کرنی ہیں - اگر تم اپنے کو قیمتی بنانا چاہتے ہو اگر کامیاب بنانا چاہتے ہو - تو تمہیں اپنے اندر یہ چیزیں اتارنی ہیں - دل میں اتارو زبان سے جو بولو - اس کے خلاف مت کرو - اپنی اپنی زبانوں سے دھوکے مت کھاؤ - تمہارے دل میں ان چیزوں کو دیکھا جائے گا کہ تم میں یہ ہیں یا نہیں ، سب سے پہلی بات ! اللہ اکبر! زمین ، آسمان ہوا ، پانی ، آگ ، پہاڑ جتنی چھوٹی بڑی شکلیں ہیں - ان سب سے اللہ بہت بڑے ہیں - وہ ہوا جس کو خدا اگر مشرق سے مغرب تک ایک دن کے لیے تیز چلا دیں ، یا آدھے دن کے لیے تو موسیٰ وعیسیٰ کے ہاتھوں جتنی ایجادات ہیں اور ان کے پیچھے چلنے والے جتنی شکلیں لیے بیٹھے ہیں - وہ روئے زمین سے آدھے دن میں صاف ہو جائیں اگر عاد جیسی ہوا چلا دیں سب فنا ہو جائیں - اللہ اس ہوا سے بہت بڑا ہے - تمہارے ہاتھوں کی شکلیں تو ہوا کے سامنے کچھ نہیں اور ہوا اللہ کے سامنے کچھ نہیں - یہ آگ اگر مشرق سے مغرب تک لگا دی جائے - جتنی اس میں شکلیں بنی ہوئی ہیں ایک دن کی تاب نہ لا سکیں - اور یہ ساری راکھ ہو جائیں جل کر اور ساری خاک ہو جائیں - اگر مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں آگ لگا دے خدا - تمہارے ہاتھوں کا بنا ہوا اس آگ کے سارے کچھ نہیں - جو خدا کی کائنات کے خزانوں میں آگ ہے یہ ساری آگ اس آگ کے سامنے کچھ نہیں اللہ بہت بڑا ہے - یہ پوری زمین اگر اسے ہلا دیا جائے - اور جامنوں کی طرح جس طرح جامنوں کو نرم کرنے کے لیے شاخوں کو ہلاتے ہیں - اگر خدا چند منٹوں کے لیے اسے ہلا دیں تو تمہارے ہاتھوں سے جو کچھ بنا ہوا ہے - وہ سارا زمین کے اندر مل کر ختم ہو جائے گا - یہ زمین اور تمہارے ہاتھوں سے جو کچھ اس پر بنا ہے - اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں - اللہ بہت بڑا ہے - اگر یہ سارا کائناتی خزانوں میں جس قدر پانی ہے - اس کو پوری دنیا میں بھر دیا جائے - طوفانِ نوح کی طرح تو یہ انسانوں کے ہاتھوں کا جس قدر بنا ہوا ہے ایک دن کی تاب نہیں لا سکتا ، سارا ٹوٹ کے ختم ہو جائے گا - تمہارے ہاتھوں کا بنا ہوا پانی کے سامنے کچھ نہیں اور پانی خدا کے سامنے کچھ نہیں اللہ اکبر - اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑے ہیں - اللہ کی بڑائی کی تحقیق کرو قرآن سے - اللہ کی بڑائی کی تحقیق کرو حدیثوں سے اللہ جیسے بڑے ہیں - ویسی بڑائی دل میں اتارو یقین ایسا پیدا کرو - جتنے وہ بڑے ہیں - جیسا وہ پیدا کرنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ دینے میں بڑے ہیں جیسا وہ پالنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ حفاظت کرنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ پکڑنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ ذلیل کرنے میں بڑے ہیں جیسا وہ بڑے ہیں - ان کی بڑائی کو تم خالی اللہ اکبر کہہ کر نہیں جانو گے - تم ان کی بڑائی کا قرآن سنو - بیٹھ کر - ان کی بڑائی کی حدیثیں سنو بیٹھ کر - دو کی بڑائی دل میں جمع نہیں ہو سکتی - خداوند قدوس اپنی بڑائی کو اس وقت تک نہیں مانیں گے - جب تک کہ ان کے دل سے بڑائی نکل کر باہر نہیں آ جاتی - خدا کی بڑائی کو بول بول کر سن سن کر اپنے دلوں میں اتار لو - اور ملک و مال اور زمین و آسمان اور راکٹ و ایٹمیات اور دنیا بھر کے کارخانے اور ملیں اور دنیا بھر کا سونا اور چاندی اور دنیا بھر کا لوہا اور پیتل ان سب کی بڑائی دل سے نکال دو مرنے سے پہلے پہلے اور مرنے سے پہلے پہلے دل میں خدا کی بڑائی اتار لو - اگر غیروں کی بڑائی کو لے کر مرے تو رو سیاہ اٹھو گے اور وہ پٹائی ہو گی کہ الامان الحفیظ - ان کی بڑائی کو دلوں میں یوں جماؤ کہ جتنا کچھ آسمان اور زمین میں ہے یہ کچھ نہیں ہے - اللہ معبود ہے - اللہ مقصود ہے - اللہ مطلوب ہے - اللہ عزت دینے والے ہیں اللہ غیروں کے بغیر جو جی میں آئے اپنی قدرت سے کر دیں اور غیروں سے خدا کے بغیر کچھ نہیں ہو گا - غیروں سے نہ ہونے کو دل میں اتار لو ، زمین سے آسمان ، مشرق تا مغرب اپنی محنت کا یقین نکال کر کہ ہماری

محنت سے کچھ نہیں ہو گا۔ خدا کے بغیر۔ خدا سے تمہاری محنت کے بغیر سب کچھ ہوتا ہے۔ دنیا کی چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا خدا کے بغیر۔ اور خدا سے دنیا کی چیزوں کے بغیر سب کچھ ہوتا ہے۔ اللہ کو کسی اور کی ضرورت نہیں وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی قدرت کے ساتھ کرتا ہے۔ اور جتنی اس میں شکلیں ہم نے بنا رکھی ہیں وہ ساری شکلیں خدا کی محتاج ہیں اس یقین کو دل میں بٹھا لو۔

اب ان دو اعتبار سے سارے انسان اندھے، جتنے انسان دنیا میں ہیں۔ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، مالدار ہوں یا غریب ہوں۔ مولانا صاحب ہوں جو بھی ہوں ان دو باتوں کے اعتبار سے اندھے ہیں ایک انہیں خدا کی ذات ان کی بڑائی اپنے آپ نظر نہیں آتی۔ ایک انہیں غیر سے نہ ہونا اور خدا سے ہونا، دکھائی نہیں دیتا۔ انسان خدا کی ذات کے اعتبار سے اندھے ہیں۔ بڑائی کے اعتبار سے بھی اندھا اور خدا کی ذات کے ہونے کو دیکھنے کے اعتبار سے بھی اندھا وہ بینا ہے۔ زمینوں کو دیکھنے کے اعتبار سے پہاڑوں کے اعتبار سے لوہے پیتل کے اعتبار سے یہ بینا ہے۔ مخلوقات کے اعتبار سے یہ نابینا ہے۔ خالق کے اعتبار سے۔ ذاتِ باری تعالےٰ کے اعتبار سے نابینا ہے یہ۔

اب اگر اللہ کی بڑائی دل میں اتارنی ہے اور اللہ سے اپنی زندگیوں کو بنوانا ہے تو ہمیں جب اللہ دکھائی نہیں دیتے تو اللہ کے اعتبار سے ہم استعمال خود کیسے ہو سکتے ہیں۔ جو چیز دکھائی دیتی ہے۔ اس کے اعتبار سے ہم استعمال خود ہو جائیں گے جو دکھائی دے گا وہ اپنے لئے طریقہ استعمال خود تجویز کرے گا جو چیز دکھائی دے گی وہ طریقہ استعمال خود تجویز کر لے گی۔ خود مال دکھائی دے رہا ہے۔ طریقہ استعمال آپ تجویز کر لیں گے۔ لیکن وہ خدا جو سب سے بڑا ہے اور اس کے علاوہ سب چھوٹے ہیں۔ اسی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کے غیر سے کچھ ہوتا ہی نہیں اب وہ آپ کو دکھائی نہیں دے رہا۔ تو صاحب بتائیے! آپ اس کے اعتبار سے اس کی عظمت کے اعتبار سے، اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے اعتبار سے آپ کیا طریقۂ استعمال تجویز کرتے ہیں۔

اب کیا کرنا ہو گا۔ اندھے کے چلنے کی ترکیب یہ ہے کہ بینا کی آواز کی حرکت کرنے والا بن جائے یہ ہے اندھے کی کامیابی کا راز۔ اگر اندھا اندھے پن سے چل دے یا موٹر سے ٹکر کھا کر مرے گا یا کھمبے سے سر پھوٹے گا یا سانپ کو ہاتھ لگا دے گا۔ وہ کاٹے گا۔ یا بھوکا مرے گا یا پیاسا مرے گا۔ یا تریاق کی جگہ زہر کھا جائے گا مر جائے گا۔ ٹٹولتا پھرے گا۔ چیزیں کھانے کو ہیں۔ لیکن ادھر ادھر سے گزر جائے گا۔ ہاتھ لگا کر تو نابینا اپنی زندگی کے مسئلوں کا حل اپنی حالتوں کا حل نابینا اپنے اندھے پن سے نہیں کر سکتا، اسے بینا کی ضرورت ہے تو آواز لگائی جا رہی ہے کہ ساری دنیا کے انسان نابینا ہیں۔ اور وہ جو بینا ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خدا نے انہیں آسمانوں پر بلایا۔ خدا نے اپنی ذات کو انہیں دکھایا۔ خدا نے اپنی جنت دوزخ انہیں دکھلائی۔ خدا نے اچھے برے عملوں کا نفع نقصان انہیں دکھلایا۔ خدا نے سود پر زندگی کس طرح بگڑتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھ سے دکھایا بلی کو بھوکا مارنے سے اور اسے باندھ کر رکھنے سے زندگی کس طرح بگڑتی ہے آنکھ سے دکھلایا تو اللہ رب العزت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بینا بنایا ہے۔ خدا کی ذات کو دیکھا خدا کی جنت دوزخ کو دیکھا۔ خدا کے بنائے ہوئے اچھے برے نقشوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا، ان وجوہات کے اعتبار سے سارے انسان اندھے ہیں۔ اب یہ آواز لگائی جا رہی ہے کہ اگر زندگی بنانی ہے کامیاب اور اندر بنیادیں کامیابی کی بنانی ہیں تو دو تین چیزیں محنت کر کے بناؤ۔

خدا کی بڑائی کو دل میں اتار لو۔ خدا سے ہونا غیر سے نہ ہونا دل میں اتار لو۔ غیر کا چھوٹا ہونا اور خدا کا بڑا ہونا دل میں اتار لو۔ اور سب کا اندھا ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بینا ہونا دل میں اتار لو اور اس کے بعد سب مشق کرو اس بات کی کہ بینا کی آواز پر استعمال ہونا آ جاوے۔ پہلے طریقہ استعمال سیکھو۔ تجارت بعد میں کیجیو۔ پہلے بینا کی آواز پر تجارت میں استعمال ہونا سیکھو۔ گھر کی زندگی بعد میں بنائیو پہلے بینا کی آواز پر گھر کی زندگی میں استعمال ہونا سیکھو۔ پیسے خرچ بعد میں کیجیو۔ مکان بعد میں بنائیو۔ سارے کام بعد میں کیجیو پہلے تو بینا کی آواز پر حرکت کرنا سیکھو۔ ان کی آواز پر کھڑا ہونا۔ ان کی آواز پر بیٹھنا۔ ان کی آواز پر بولنا ان کی آواز پر سننا۔ ان کی آواز پر دیکھنا۔ جس طرح وہ کہے اس طرح جھک جاؤ۔ جو بولنے کو کہے بولو۔ جہاں دیکھنے کو کہے دیکھو۔ کھڑے ہونے میں جہاں دیکھنے کو کہا وہاں دیکھو۔ بیٹھنے میں جہاں دیکھنے کو کہا۔ وہاں دیکھو یہاں تک کہ یہ دل میں یقین پیدا کر لو کہ میں تو اندھا ہوں۔ مجھے تو اپنی کامیابی کا راستہ دکھائی نہیں دیتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے بینا بنایا ہے وہ جس طرح کہہ گئے اس طرح اٹھنے بیٹھنے میں اس طرح چلنے پھرنے میں اس طرح دیکھنے سننے میں اس طرح لینے دینے میں اس طرح پکڑنے چھوڑنے میں میری کامیابی ہے اور یہ جو ملک و مال میں مجھے کامیابیاں دکھائی دے رہی ہیں یہ میرا اندھا پن ہے۔ مجھے غلط دکھائی دے رہا ہے۔ ایک آدمی کمزور [illegible] کا باہر سے آ رہا۔ وہ یوں کہے میاں یہ مسجد ہل رہی ہے کیا؟ دوسرے کہیں یہ مسجد نہیں ہل رہی۔ آپ ہل رہے ہیں۔ کیوں بھئی! یہ ایک کے دو کیسے نظر آ رہے ہیں ایک مینار کے دو مینار کیسے ہو گئے آج؟ لوگ کہیں دوسرا مینار نہیں بنوایا۔ آپ کی آنکھ میں خرابی ہے آپ میں اندھا پن آ گیا۔ اب یہ

مسجد اس لئے بنی کہ اس کے حساب میں وقت نکالا جاوے - خالی اللہ اکبر چاہے تم ساری عمر کہو - اللہ کی بڑائی دل میں تب بیٹھے گی - جب اس کا قرآن سنو گے - سب سے پہلا قرآن اللہ اکبر کا آیا ہے - سب سے پہلا قرآن اشہدان لا الہ الا اللہ کا آیا ہے - سب سے پہلا قرآن محمد رسول اللہ کا آیا ہے - سب سے پہلا قرآن ان باتوں کا قرآن پہلے آیا ہے - پہلے محنت کر کر کے قرآن سن سن کر حدیثیں سن سن کر اللہ کی بڑائی کو جان جاؤ - ایک بڑائی وہ ہے - جس کو جانتے ہو - سب سے بڑا بلڈنگ - سب سے بڑا پتھر سب سے بڑی کوٹھی - اس قسم کے اکبر بہت بولے جائیں دنیا میں اور اکبر کو دیکھ کے بول رہے ہو - دیکھ جان کے سمجھ کے بول رہے ہو - اور ایک اکبر کو بغیر دیکھے بغیر جانے بغیر سمجھے بول رہے ہو - جیسے بہت بڑا ڈاکٹر جس طرح کہے اس طرح کر لو - بہت بڑا ڈاکٹر اس نے کہا کہ دیکھو فلانی چیز مت کھائیو - فلانی مت کھائیو - فلانی مت کھائیو - اور یہ کھائیو - یہ کھائیو - یہ کھائیو وہ مت بھیجیو - یہ بھیجیو اب سب کیونکہ بہت بڑے ڈاکٹر صاحب ہیں - انہوں نے یہ پرہیز بتلایا ہے اس کے کہنے پر چل رہے ہیں اور اللہ کو بھی بہت بڑا کہہ رہا ہے - رات دن انہوں نے کہا کہ سود مت کھائیو نہیں تو مصیبت میں آجاؤ گے - جھوٹ بول کے مت کھائیو - رشوت سے مت کھائیو - کسی کا دبا کے مت کھائیو - وہ بھی اس کو بھی کہتے ہیں - اکبر، اور وہ بھی کہتا ہے کہ یہ کھا لو گے تو نقصان ہو گا - یہ کھا لو گے تو فائدہ ہو گا - لیکن مجال ہے کہ اس کے منع کئے ہوئے کو چھوڑ دیں اور اس کے بتلائے ہوئے کو پکڑ لیں ہے کوئی دنیا میں - آج ہے کوئی مسلمان ایسا کرنے والا - بہت بڑا ڈاکٹر جانتا ہے - بہت بڑا وزیر جانتا ہے - بہت بڑا سائنسدان جانتا ہے - بہت بڑی بندوق جانتا ہے - یہ ہر ایک کی جنس کی بہت بڑے کو جانتا ہے لیکن خدا کو جو بہت بڑا کہتا ہے - اس کو بیوقوف جانتا ہی نہیں - اس لئے کہ اس نے اس کی بڑائی کو دل میں اتارنے کے لئے کوئی محنت کی ہی نہیں - ان کی بڑائی پہ محنت کی ہے - ان کے پاس گیا ہے ان کے پاس اٹھا بیٹھا ہے - اُن کی لائن کی کتابیں پڑھی ہیں - اُن کی لائن کی چیزوں کو معلوم کیا ہے - لیکن اللہ کی لائن کی چیزوں پر کتنی محنت کی - یقین بنانے میں کتنے ہاتھ پیر مارے - ان کی بڑائی کو دل میں اتارنے خدا کی معلومات کو معلوم کرنے میں کتنا وقت صرف کیا - کتنا اس کو زندگی میں بولا - کتنا اس کی بڑائی کو سمجھا - غیروں کی تردید اپنی زندگی میں کتنی کی نبیوں کی زندگی اس طرح گزری کہ غیروں کی بڑائی کی تردید کرتے ہیں - ان کی تو زندگیاں گزری ہیں - اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زندگی اسی میں گزر گئی - لیکن یہاں اس چھوٹی زبان سے ایک لفظ تردید میں ان چیزوں کے لئے نہیں نکلتا کہ ان سے کچھ نہیں ہوتا - خدا سے سب کچھ ہوتا ہے - یہ کچھ بھی نہیں اللہ سب کچھ ہیں تو ہماری زبانیں گونگی ہیں اللہ اکبر کے اعتبار سے بولنے سے ہماری زبانیں گونگی ہیں - لا الہ الا اللہ کے اعتبار سے بولنے سے ہمارے کان بہرے ہیں - اللہ اکبر کے اعتبار سے سننے سے اس لئے اندھے جو ہیں پورے بن چکے ہیں - یہ مسجد اس لئے بنی تھی - اس مسجد کی ترتیب قائم کرو - یہ ساری چیزیں دل میں اتریں گی - جان کی محنت سے اس لئے اس بات کی دعوت دی گئی - یہ دعوت جو میں کہہ رہا ہوں - خدا کی بڑائی کی دعوت اللہ سے ہونے غیر سے نہ ہونے کی دعوت - حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات پر ہونے کی دعوت کہ جو انہوں نے فرمایا اگر اس کو توڑیں گے تو ناکامی ہو گی - اگر اس کو کریں گے تو کامیابی ہو گی - اور اس کی دعوت دی جائے گی - کہ ملک و مال کے نقشے سے کچھ نہیں ہو گا یہ سب دھوکا ہے اور جب مرو گے تو دھوکا کھل جائے گا - اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں - ایک زلزلہ آتا ہے کسی علاقے میں - دھوکا کھل جاتا ہے - ساری چیزیں ٹوٹ کے گر پڑتی ہیں - کسی علاقے میں سیلاب آتا ہے - دھوکا کھل جاتا ہے - ساری چیزیں ٹوٹ کے گر پڑتی ہیں یہ تو تمہارا دھوکا ہے کہ ان چیزوں کے اندر کامیابی ہے کامیابی اس میں نہیں ہے کامیابی اس میں ہے

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ہی کے طریقے پہ نماز پڑھنا سیکھ لے اور کامیابی لے لے - بس اس میں ہے کامیابی - کسی کوٹھی میں نہیں کسی مکان میں نہیں کسی کارخانے میں نہیں کان کھول کر سن لے بعد میں جب آنکھ کھلے گی تو پچھتاوے گا - مرنے سے پہلے پہلے اس بات کو دل میں اتارلے کہ حضور کے طریقے میں استعمال ہونے میں کامیابی ہے اور ملک و مال کے چیتھڑوں میں کوئی کامیابی نہیں - اس کو اپنے پہ کھول لے - مرنے سے پہلے پہلے تیرے دل پہ کھل جائے - کیونکہ تیرے مرتے ہی قبر میں جب جائے گا تو پہلا سوال یہ ہو گا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے - اگر اس پر محنت کی تھی کہ دکان سے پلتا ہوں - اپنی محنت سے پلتا ہوں - پیسے سے پلتا ہوں تو قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا رب خدا ہے جو دل میں نہیں تو زبان پہ کیسے آئے - چاہے تو کروڑ مرتبہ روز پڑھ لیا کر - اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اور دکان پر یقین جما ہے تو یہ یقین معتبر نہیں ہے - جس کو پالنے والا سمجھا کرتا ہے - اس کے خلاف کوئی نہیں کرتا - کوئی کرتا ہی نہیں اس کے خلاف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کو زبان سے کہا - جس کی ہمیں معلومات حاصل نہیں ہیں تو پہلا سوال ہو گا - تیرا رب کون ہے - دکان جاتی رہے گی کھیتی جاتی رہے گی - ملک کا نقشہ ہاتھ سے لے لیا جائے گا تو اگر اللہ اکبر تیرے دل میں بیٹھا ہوا نہیں ہے اور یہی ہے کہ میری محنت سے نقشے بنتے ہیں اور نقشوں سے میری زندگی بنتی ہے

تو خدا کی قسم! یہ آدمی قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ میرے رب ہیں۔

دوسرا سوال ہو گا، تیرا دین کیا ہے۔ پلنے کے لئے کیا کیا۔ آخر پلنے کے لئے کیا کیا۔ کوٹھیاں بنوائیں نقشے بنائے۔ آخر کیا کیا پلنے کے لئے کیا کیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر یہ سب کچھ کیا تو چلو کہے گا۔ کہ پلنے کے لئے اسلام پہ چلا ہوں۔ اور اگر یہاں نقشوں ہی میں پلنا دکھائی دیتا رہا۔ تو کوئی آدمی قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پلنے کا طریقہ اسلام ہے۔ پھر یہ پوچھیں گے کہ اس آدمی کو کیا کہتا ہے۔ جس نے کمانے میں یہ نہ کہا کہ جس طرح حضور نے فرمایا۔ اس طرح کماؤں گا اور شادی کرنے میں یہ نہ کہا۔ جس طرح حضور نے شادی کو بتلایا۔ اُس طرح کروں گا۔ زندگی میں کہیں سرمایہ داروں کو بوتا۔ کہیں حاکموں کو بوتا تھا۔ کہیں یورپ کو بوتا تھا۔ کہیں ایشیا کو بوتا تھا۔ کہیں نصاریٰ کو بوتا تھا۔ کہیں یہود کو بوتا تھا مکان ایسا بنائیں گے کپڑے ایسے بنائیں گے۔ فلانی چیز ایسے بنائیں گے۔ حضور کا نام زندگی کے کسی مرحلے میں آیا ہی نہیں۔ شادی کی تو غیروں کے نام پر۔ غیروں کے طریقے کیا ہیں۔ مکان بنایا تو غیروں کے نام پر۔ فلانی جیسی کوٹھی بنائیں گے۔ فلانی جیسی موٹر خریدیں گے۔ کہیں بھوٹی زبان سے زندگی کے شعبوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ آیا۔ وہ کہیں گے کیا کہتا ہے اس آدمی کو۔ وہ کہے گا میں نہیں جانتا کس کو پوچھتے ہو؟ بھئی میرے تو بہت سے ہیں۔ کوئی کوٹھی میں میرا مقتدا ہے۔ کوئی لباس میں میرا مقتدا ہے۔ کوئی غذاؤں میں میرا مقتدا ہے۔ کوئی کامیابی میں میرا مقتدا ہے۔ میں تو ہزاروں کے پیچھے چلا ہوں۔ ایک ہو تو بتاؤں تم بتاؤ تم کون سے کو پوچھو میں تو سمجھا نہیں۔ ایک آواز آوے گی۔ جھوٹا ہے کمبخت! اس کے لئے آگ کے بستر بچھا دو اور دوزخ کی کھڑکی کھول دو۔ اور آگ کے کپڑے پہنا دو۔ بس یہی تین سوال ہیں میرے عزیز!

ان تین چیزوں کے لئے ان تین پر محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ یہ ہیں خدا پالنے والا ہے۔ حضور کے طریقے پر محنت کرنے سے خدا پالتا ہے۔ حضورؐ کا طریقہ یہ زبان پر چڑھ جائے، اور خدا پالنے والا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر محنت کرکے ہاتھ اُٹھائیں گے۔ خدا پالے گا۔ بس پہلے نماز پر محنت کر لو۔ حضور کے طریقے پر نماز پڑھنی سیکھ جاؤ۔ اس کی دعوت دو۔ اس کے علم کے حلقوں میں فضائل کے مذاکروں میں مسائل کے سیکھنے سکھانے میں۔ دعاؤں میں قرآن میں ذکر میں تلاوت میں اور نمازوں میں۔ یہی ہمارا گھر میں محنت کا میدان ہے۔ یہی ہمارا بازار کا نعرہ ہے۔ یہی ہمارا کوٹھیوں کا نعرہ ہے۔ یہی ہمارا حاکموں کے پاس جانے کا نعرہ ہے۔ کامیابی کے لئے نماز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز بناؤ تو خدا کامیابی کے دروازے کھولے گا۔ پانچ باتوں پر نماز لے آؤ۔ نماز مقبول ہو جائے گی۔ دروازے کھل جائیں گے۔ کلمے والا یقین پر کماؤ کلمے نماز کے فضائل والا شوق۔ مسائل والے طریقے، اخلاص والی نیت ہو جائیگی اللہ والا دھیان ان پانچ چیزوں پر نماز آئے گی۔ نماز مقبول ہو جائے گی۔ انہی پانچ پر کمائی آئے گی تو کمائی حضورؐ والے طریقے پر آ جائے گی۔ کلمے والے یقین پر کماؤ۔ تمہاری شکلوں سے پیسہ نہیں ملتا خدا کے دینے سے ملتا ہے۔ حضورؐ کے طریقے پر آ جاوے گی۔ کلمے والے یقین پر کماؤ تمہاری شکلوں سے نہیں پیسہ ملتا۔ خدا کے دینے سے ملتا ہے۔ حضورؐ کے طریقے پر کماؤ گے۔ خدا تمہیں بہت کچھ دے گا۔ دنیا میں بہت دے گا۔ آخرت میں فضائل کے شوق پر مسائل کے طریقوں پر اللہ کے دھیان پر اور اخلاص والی نیت پر جب کمائی آئے گی ان پر تو تمہاری یہ کمائیاں تمہیں جنت میں پہنچائیں گی گھر کی زندگی ان پانچ پر آئے گی تو گھر کی زندگی تمہیں جنت میں پہونچائے گی۔ اگر تمہاری معاشرت اور آپس کے میل جول ان پانچ پر آئیں گے تو تمہیں جنت میں پہونچائیں گے۔ یہ پانچ چیزیں اپنے میں پیدا کرنا۔ اور ان کے لئے وقت نکالنا اور اس کی محنت کا میدان قائم کرنا۔ اس کی دعوت دینا۔ اس کا ماحول بنانا۔ اس کے لئے پھرنا اور پھرانا اس کے لئے مسجدوں میں اکٹھا کرنا اور ہونا بس ایک چیز ہے کہ جو اپنا حصہ اس محنت میں ڈالے گا۔ اللہ کی ذات سے توقع ہے کہ خدا کی بڑائی اس کے بولنے میں آئے گی۔ سننے میں آئے گی۔ تعلیم کے حلقے چل جائیں گے کلمے نماز کے فضائل کھل جائیں گے۔ کلمے نماز کی ترتیب حضورؐ نے اپنے زمانے میں مسجد میں جو چلائی تھی۔ اگر ہم اپنی مسجدوں میں بیٹھ کر ان چیزوں کو چلانے لگیں گے اور نماز کے باہر جس قدر ہمارے شعبے ہیں وہ بھی حضورؐ کے طریقے پر آئیں گے۔ حضور کے طریقے پر آ گئے تو حکومت کر کے بھی جنت میں جائیں گے۔ اگر حضورؐ کے طریقے پر نہ آئے تو محکومیت میں بھی دوزخ میں جائیں گے۔ اگر آپ حضورؐ کے طریقے پر چل پڑے تو مالداری میں بھی جنت میں جائیں گے۔ اگر حضورؐ کے طریقے پر نہ چلے تو فقیری میں بھی دوزخ میں جائیں گے اصل میں کامیابی کی جو گارنٹی ہے وہ تو حضورؐ کے طریقوں میں ہے۔ مسجد میں ماحول بناؤ۔ حضورؐ کے طریقوں کے سیکھنے سکھانے کا اور اس کے اندر کامیابی کے یقین بنانے میں۔ مسجد میں ماحول پھر اپنے اپنے شعبوں کو آہستہ آہستہ اس یقین پر لاؤ جتنا اللہ کرے۔ شرح صدر نصیب فرماتے رہیں اور جتنا نماز اور دعاؤں کے ساتھ یقین بڑھتا رہے اتنا ہی اپنے باہر کے شعبوں کو بھی حضورؐ کے طریقے پر لاتے رہو۔ ایک دم سارے طریقے نہیں بدلا کرتے۔ ہاں البتہ محنت ایک دم شروع ہو جایا کرتی ہے۔ آدمی محنت ایک دم شروع کر دیتا ہے۔ کھیتی کی محنت ایک دم شروع کر دیتا ہے۔ لیکن کھیتی ہوتے ہوتے ہوتی ہے۔ کوٹھی بنتی بنتے بنتی ہے بس محنت شروع کر دی جائے۔ اسی لئے تبلیغ میں جو ہیں تھوڑی سی تربیت اپنی محنت کی کرتی ہے۔ کلمے نماز کا مسجد میں ماحول بنانے کی محنت، ایک دفعہ ہمت کر کے تین چلّے دے دو۔ سال کا چلّہ دیتے رہو۔ مہینے میں تین دن کے لئے نکلتے رہو۔ ہفتے کی دو گشتیں کرتے رہو۔ اپنی مسجد میں تعلیم تسبیح اور نفلوں کا اور ایمان کی دعوت کا ایک ماحول بنا

تو بس اگر اتنا کر لیا سارے مسلمانوں نے تو کر تو حضور کے زمانے کا دین زندہ ہو جائے گا ۔ اور ایک بات خوب سمجھ لو کہ جب ایک دفعہ آنکھ بند ہو گئی تو آنکھ بند نہیں ہو گی ۔ خواب والی بند ہو گئی ۔ جاگنے والی کھل گئی ۔ یہ جو تمہاری نظروں کے سامنے ہے ۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں جب آنکھ کھلے گی ، پھر کیا ہو گا ۔ تمہارے سامنے یہ ہے اصل ۔ آنکھ کھل جائے گی ۔ اس وقت پچھتاوے گا ۔ اگر اپنی زندگی کے شعبوں میں حضورؐ کے طریقے چل رہے ہیں تو چلو مبارک ہو اور اگر حضورؐ کے طریقے زندگی کے شعبوں میں ٹوٹے ہوئے ہیں تو کمائیاں حرام ہیں جب اس پہ پکڑیں گے تو پھر رونا پڑے گا ۔ اس وقت پتہ چلے گا اور بھائی آؤ اب گھر کی زندگی کی طرف اگر گھر کی زندگی میں حضور کے طریقے ٹوٹے ہوئے ہیں تو اگر ایک بھی حرام کا لقمہ کھلایا ۔ بیوی کو یا اولاد کو تو اس پر پکڑیں گے کہ یہ کیوں کھلایا ۔ اور یہ سؤر کی طرح ہے سؤر پکا پکا کے کھلائیں اپنے بچوں کو ۔ اپنے بیوی بچوں کو سؤر پکا پکا کے کھلا رہے ہو ۔ اور سود جو ہے ۔ وہ سؤر سے زیادہ سخت ہے ۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جو بھی شریعت کے خلاف کمانا ہو گا ۔ وہ سُود کے حکم میں ہے ۔ اور سُود جو سؤر سے زیادہ سخت ہے تو اگر آپ کی گھر والی زندگی سُود والے پیسے پر چل رہی ہے اور آپ کی کمائی حضورؐ کے طریقے سے ہٹ کر چل رہی ہے تو میاں پھر ایک منٹ کی گنجائش نہیں تاخیر کی کہ اس سے توبہ کی جائے ۔ ایک منٹ کی گنجائش نہیں ۔ تاخیر کی پھر تو باہر نکلو یقینوں کو ٹھیک کرو ۔ اور اپنی کمائی کو اپنے گھر کو حضورؐ کے طریقے پر لانا سیکھو ۔ اپنی کمائی کو حضورؐ کے طریقے پر کیسے لاویں ۔ یہود کے طریقوں کو تو ہم لے آئے ۔ نصاریٰ کے طریقوں کو تو ہم لے آئے ۔ مشرکین کے طریقوں کو تو ہم لے آئے ۔ اپنی جان و مال کے خرچ کو ان کے طریقوں پر تو لے آئے ۔ جنہوں نے ہمیں ذبح کیا ۔ ہمارے ٹکڑے کئے اور چودہ سو برس تک ہمیں پیسا ہے اور اب بھی پیس رہے ہیں ۔ اُن کے طریقوں پر

تو ہم اپنا سب کچھ لے آئے ہیں بچے انہی کے اچھے لگتے ہیں ۔ حضورؐ کے اور آپ کے صحابہؓ کے بچے اچھے نہیں لگتے ۔ لباس نصاریٰ کا اچھا لگتا ہے ۔ حضورؐ کا اور ان کے صحابہؓ کا لباس اچھا نہیں لگتا ۔ مکان نصاریٰ کے اچھے لگتے ہیں ۔ مکان حضورؐ اور صحابہؓ کے اچھے نہیں لگتے تو زندگیوں کو یہود اور نصاریٰ تک تو پہنچا دیا ہم نے ۔ اب اس تشکیل کو سیکھو کہ کس طرح یہود اور نصاریٰ کے طریقوں سے ہٹ کر حضورؐ اور ان کے صحابہؓ کے طریقوں پر آ جاویں ۔ اب تو حالت یہ ہے کہ بیوی بچے مکان کاروبار اس کے اندر ان کے سامنے یہود ہیں، نصاریٰ ہیں ۔ یہ ان کو دیکھ دیکھ کے چل رہے ہیں ۔ ایک دفعہ بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ حضور کا مکان کیسا تھا ۔ جب یہ کپڑا بناتے ہیں ۔ ایک دن یہ تصوّر میں نہیں آتا کہ اپنے بچوں کے کپڑے ایسے بنا لو جیسے حضور کے تھے ۔ یہ شادی کرتے ہیں ۔ کبھی تصور میں نہیں آتا ۔ حضورؐ نے دس بیاہ کئے ۔ جس طرح حضورؐ نے کیا ہم بھی کر لیں تو آپ تو حضورؐ کو امام بنائیں گے ہی نہیں ، آج امام بنا رکھا ہے ۔ یہود کو اس اندھے یہود کو جس نے ہمیں ذبح کیا چودہ سو برس تک وہ امام بن چکے ہیں زندگی میں ۔ تھوڑے سے نمازی ! کچھ پڑھ رہے کچھ نہیں پڑھ رہے ۔ تو نمازیوں نے بھی مقتدا بنایا یہود کو اور ان بے نمازیوں نے بھی اپنا مقتدا اور امام بنایا نصاریٰ کو ۔

ذوقِ ابراہیمی نہیں ہے ۔ ذوق آذری ہے ۔ ذوق موسوی نہیں ہے ذوقِ فرعونی ہے ۔ ذوقِ محمدی نہیں ۔ ذوق قارونی ہے ، تو بھئی اگر یہی اچھا لگتا ہے تو مبارک ہے ۔ چلئے آپ مرنے کے بعد دیکھئے گا ۔ کیا ہو گا ۔ اگر یہی اچھا لگتا ہے ۔ اور چلانا اسے ہی ہے ۔ جیسے اب چلا رہے ہیں ۔ یہ ٹھیک ہے تو تین چلے کیا ہم ایک دن بھی نہیں چاہتے ۔ کسی سے ایک دن بھی نہیں اور میاں اگر اس سے مڑنا چاہیے ۔ ہمیں ہم بڑے غلط پھنس گئے اور زندگی میں

ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑیاں ماری ہیں ۔ یہ سب ہم نے خود کیا ہے اور دنیا کے اندر جو ہم مصیبتوں کا شکار اپنے ہاتھوں سے ہوئے ہیں ۔ اب ہم کیسے زندگی کے رخ کو پھیریں تو سب سے پہلے اپنے میں مجاہدے کی عادت ڈالئے ۔ پہلے علم سیکھئے دعوت دینا سیکھئے ۔ تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنا سیکھئے تو کم سے کم مسجد والی زندگی کی مشق کیجئے ۔ پھر آؤ اور اسے محلے میں چلاؤ ۔ خاندان میں چلاؤ ۔ رشتے داروں میں چلاؤ ۔ نیت میں رکھو ۔ سب سے منہ موڑنا ہے ان کو سکھتے سکھتے ۔ پھر کسی کے جی کو لگ گئی تو خاندان بن گیا ۔ خاندان بن جائے گا ۔ سارا اگر کسی ایک کے بھی جی کو لگ گئی ۔ ایک ایک نقشہ بدتر ہے آج عورتیں کہاں تک پہنچ گئیں ۔ عورتیں، یہاں تک پہنچ گئیں کہ کتوں سے زنا کرائیں گی ۔ یورپ کی عیسائی عورتیں کراتی ہیں کتوں سے زنا ۔ اگر یورپ ہی امام بنا رہا تو آدمی اپنی ماؤں سے زنا کرے گا ۔ اپنی بیٹیوں سے زنا کرے گا ۔ یہ زنا کے امام ہیں ۔ وہاں تک پہنچو گے ۔ جہاں یہ پہنچے ہیں ۔ اُف اُف ! یہ خون کی ندیاں بہانے کے امام ہیں ۔ تم بھی وہیں تک پہنچو گے لٹیرے بنو گے ۔ شریف انسان نہیں بن سکتے ۔ شریف کے پیچھے چلو گے شریف بنو گے ۔ اور کمینوں کے پیچھے چلو گے تو کمینے بنو گے ۔ شریفوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ وہ جن کے ساتھ شرافتیں جمع ہیں ۔ ساری شرافتیں سارے کمالات ساری خوبیاں ان میں جمع ہیں ۔ ان کے پیچھے چلو ۔ اس کے لئے چاہیئے وقت ، ذوق کی تبدیلی کے لئے چاہیئے وقت ، اور جتنا اس کے لئے محنت کرو گے ۔ ذوق بدلے گا ۔ ہم کماتے رہیں، کماتے رہیں ۔ ایک دم حضورؐ کا ذوق آ جائے یہ ناممکن ہے ۔ ہم مکان بناتے ہیں ۔ کوٹھیاں بناتے ہیں ۔ بلڈنگیں بناتے ہیں ۔ بیاہ شادیاں کرتے ہیں ۔ شاندار چیزیں خریدتے ہیں ۔ اور جو پیسہ ہاتھ میں آوے وہ

ھَلْ مِنْ مَزِیْد

وہ سارا انہی میں لگاتے رہیں

باقی صفحہ ۵۰ پر

وعظِ بیخودی

عظمت تفہیمی جھنگ صدر

کلمے کی جماعت دیکھنے میں سادہ اور غیر دلچسپ نظر آتی رہی اور میں ہر سال رائے ونڈ جانے کی دعوت کو مختلف حیلوں بہانوں سے ٹالتا رہا۔ اس سال چودھری صاحب کا اپنے خط میں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہو گیا کہ:۔

"رائے ونڈ ضرور پہنچنا۔ انشاء اللہ بہت فائدہ ہو گا۔۔۔۔"

نیم دلی کے ساتھ چلا گیا۔ نیم دلی اس لئے تھی کہ میں ۱۴ سال کے طویل عرصہ تک ایک منظم جماعت کی نقشہ کشی کی سنہری کاپیاں لکھتا، اور پڑھتا رہا تھا۔ جن کے خوبصورت نقشے میرے اعصاب میں پیوست ہو کر رہ گئے تھے اور تبلیغی جماعت میں ان نقشوں کی جھلک مجھے دور دور تک بھی نظر نہیں آتی تھی۔

سفر کا کوئی باقاعدہ منصوبہ اور نقشہ بنائے بغیر ہی بالکل بے خودی کے عالم میں رائے ونڈ کا ارادہ کر لیا۔

۱۲ر مارچ ۱۹۶۵ء کی صبح کو لاہور کے اسٹیشن پر ایک گاڑی مس ہو گئی تو دوسری پکڑی۔ ساڑھے آٹھ بجے منزل پر پہنچا، کوئی صاحب تقریر فرما رہے تھے۔ پوچھا "کون ہیں؟" بتایا گیا "حضرت جی"۔ پھر دریافت کیا "یعنی"؟ تعجب کے ساتھ جواب ملا "حضرت جی - دہلی والے - امیر جماعت"۔ آپ نہیں جانتے۔۔۔۔"

کان لگا لئے - دل خود لگ - چند منٹ کے بعد دل کھنچنے بھی لگا۔ کیا میں جذب کیا جا رہا ہوں۔؟ کیا میں شکار کیا جا رہا ہوں؟ کیا میں چرایا اور اغوا کیا جا رہا ہوں؟

گھر سے بے نقشہ چل پڑنے پر سارے رستے نادم آ رہا تھا۔ لیکن اب تو وہ ندامت بھی شکست کھاتی دکھائی دے رہی ہے۔ اس لئے کہ یہاں تو برسر منبر ہزاروں عاقلوں اور فرزانوں کے سامنے بے نقشہ چل پڑنے ہی کی تلقین ہو رہی ہے اور کوئی بھی اس پر معترض دکھائی نہیں دیتا۔ معترض تو کجا۔ یہاں تو ہر چھوٹی بڑی عقل سلیم اعتراض کے بجائے اعتراف ہی کی گردن جھکائے بیٹھی ہے۔ والد صاحب بھی تو عرصہ ۴۰ سال سے کچھ اسی قسم کا وعظ بیخودی فرمایا کرتے ہیں۔ لیکن میرے دل کی گہرائی میں وہ کیوں نہیں اترا۔ آج بعینہ وہی باتیں رائے ونڈ کے اجتماع میں سن رہا ہوں تو دل میں اترتی جا رہی ہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ گھر کے اندر انفرادی ماحول میں سنی جا رہی تھیں۔ اور اب یہ گھر سے باہر کے اجتماعی ماحول میں سنی جا رہی ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر تو تبلیغی جماعت کی ترک ماحول والی دعوت بھی کچھ معانی رکھتی ہے"

سوچتا بھی رہا اور سنتا بھی رہا۔ موضوع بدل رہے تھے لیکن محور ایک ہی تھا۔ بے خودی - نقشہ کشی - ترک ماحول - اصلاح نفس اور بس اصلاح نفس۔

نقشہ کشی اور نقشہ کُشی

نقشہ کش جماعتوں کے بڑے نتائج ذہن میں بھی موجود تھے اور آنکھوں میں بھی اس لئے نقشہ کُش جماعت کی باتیں دل میں بیٹھ گئیں اور وہ "نہایت اہم" سوالات جنہیں جھنگ سے رائے ونڈ تک ڈیڑھ سو میل کی طویل مسافت میں مرتب اور منظم کر کے لے گیا تھا۔ بادلوں کی طرح چھٹتے گئے اور میرا ضمیر غسل صحت حاصل کرتا چلا گیا۔

نقشہ کشی اور نقشہ کُشی میں بظاہر تو کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ صرف ایک زبر کی جگہ ایک پیش ہی تو کرنا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ پیش کر دینا بھی بڑا کٹھن کام ہے۔

ایک دفعہ نقشہ کشی زبر (یعنی اوپر) ہو جاتی ہے تو پھر زبر سے زبر تر ہی ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ زبر ہوتے ہوتے بالآخر اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ تک کہلوا کر چھوڑتی ہے۔ خواہ یہ دعویٰ زبان پر چڑھ کر بولے یا دل کی گہرائی میں اتر کر اور چاہے سر پر، مملکت پر متمکن ہو کر بولے یا پھر کسی مسند علم و فضل پر۔

لیکن جب اسی نقشہ کشی کے زبر کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ اور نقشوں کے اصل مالک کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے تو پھر یہ پیش کش اس کے قدرت والے دربار میں قبولیت خاص حاصل کر لیتی ہے اور یہی درحقیقت اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ انسان کی ذات وصفات اور کامیاب خلافت ارضی کا۔

نقشہ کشی اور نقشہ کُشی کا یہ نکتہ جونہی میرے ذہن میں ابھرا ہوش و خرد نے اسے دھار دار نشتر سمجھ کر ہاتھ میں لے لیا اور موقع کو غنیمت جان کر دل و دماغ کے ایک ایک فلسفیانہ پھوڑے پر نشتر زنی شروع کر دی۔

حضرت جی گویا تقریر نہیں کر رہے تھے بلکہ پورے مجمع کو اس کے حال پر چھوڑ کر صرف اور صرف میری طرف ہمہ تن متوجہ تھے اور ان کی طویل تقریر کا ایک ایک پہلو میرے ہوش و خرد کو انگلی رکھ رکھ کر بتاتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد اس پھوڑے پر نشتر رکھو اور اس اس سمت سے اس میں شگاف دو۔ کامیاب شگاف اور صحت بخش شگاف۔

ایک ہی تقریر نے سیر کر دیا اور میں اپنی زبان حال سے وَ اللّٰہِ لَا اَزِیْدُ عَلیٰ ھٰذَا وَلَا اَنْقُصُ کہتا ہوا رائے ونڈ کے روحانی ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر اپنے گھر آ گیا

حضرت جی اس دفعہ پاکستان صرف میرے لئے آئے تھے اور مجھے کلمہ سمجھا کر انہیں ہر حال میں اپنے اصلی گھر کی طرف لوٹ جانا تھا۔

مجھے حضرت جی کی وفات کا علم ہوا تو میں نے ایک مرتبہ بھی عام لوگوں کی طرح۔

"آہ حضرت جی"

نہیں کہا۔ بلکہ:۔

واہ حضرت جی

کہا۔ اور آج بھی میں اپنے دائیں بائیں دونوں قلموں سے "آہ" کے بجائے "واہ" ہی لکھنے پر مجبور ہوں اس لئے کہ۔

حضرت جی اپنی زندگی میں کامیاب تشریف لے گئے ہیں اور دوست کی کامیابی پر آہ بھرنا محبت کا تقاضا ہے نہ وفا اور عقل سلیم کا۔

حضرت جی نے بھرپور جوانی خرچ کر کے کلمہ کی دعوت کو جوان کیا اور جوانی کی ساری رگوں کا خون تبلیغ، بلڈ بنک میں منتقل کر کے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا۔ حضرت جی پر ورنہ میری ان آنکھوں نے کئی جماعتیں ایسی بھی دیکھی ہیں جن کے امراء نے جوانی میں جماعتیں قائم کیں اور پھر پچپن سالگی میں داخل ہو کر اپنے ہی ہاتھوں سے انہیں دفن بھی کر کے بیٹھ گئے۔

اے اللہ ہر اچھی جماعت کے امیر اور قائد کو اسی طرح جوانی کے ساتھ چلنا۔

باقی صفحہ ۵ پر

سیّد ذوالفقار حسین بخاری ایم ' اے اسلامیہ کالج لائل پور

حضرت مولانا محمدؐ یوسف رح

اک جامع شخصیّت

دنیائے اسلام کی دعوت وعزیمت اور علم وعمل کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے ۔ تو ہماری نظر بہت سی ایسی شخصیات پر پڑے گی۔ جنہیں ہمہ صفت موصوف پائیں گے۔ دور کیوں جائیے خود برصغیر ہند وپاک کی آخری تین صدیوں میں علم وعمل کے ایسے جامع انفاس قدسیہ پیدا ہوئے جن کا جواب عالم اسلام میں ملنا مشکل ہے ۔مولانا محمد یوسف (نور اللہ مرقدہٗ) بھی اسلامی دعوت وعزیمت اور علم وعمل کے محل میں اس شان کے ساتھ داخل ہوئے کہ اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے بہت بلند اور روشن ہوگئے ۔

مولینا کو قریب و دور سے دیکھا، سنا۔ ان کی بے قرار روح اور بے تاب دل کی آتش نوائی سے مُردہ دلوں میں جان آتے دیکھی ۔جمود کو حرکت میں ، علم کو عمل میں ' ریا کو اخلاص میں ' بے فکری کو فکرِ دین و آخرت میں اس قدر جلد ڈھلتے دیکھا کہ عقل اس پر حیران اور قلب اس پر قربان ہو ہو گیا ۔ ان کی امٹ دینی خدمات کو سراہتے ہوتے جب ان کی حیاتِ مستعار کے مختصر لمحات کو بھی دیکھتے ہیں تو ان کی عظمت کا مینار اور بھی روشن ہو جاتا ہے ۔تاریخ اسلام میں ہم جن علمائے کرام اور صلحائے عظام کے کارہائے نمایاں پر سر دھنتے اور ان کی محبت کے گن گاتے ہیں اگر غور کریں تو ان کا عرصۂ حیات مولانا کی نسبت کافی طویل پائیں گے ۴۸ ½ سال کی عمر میں مولانا نے جتنے کارنامے سرانجام دئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تائید ایزدی ان کے شامل حال رہی ورنہ اتنی کم عمر میں اتنا کچھ کر لینا بظاہر ایک انسان کے بس کی بات نہیں ۔مولانا کی مختصر زندگی کو دیکھتے ہوتے ہمیں اس بات پر یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اہل اللہ کی عمروں میں برکت ہونے کا مفہوم کیا ہوا کرتا ہے ۔

مولینا کی شخصیت بڑی گھمبیر اور ہمہ جہت ہے لیکن بعض چیزوں میں وہ سب سے الگ تھلگ اور بہت اونچے نظر آتے ہیں ان کا ما بہ الامتیاز وصف داعی الی اللہ ہونے کا ہے ۔جن لوگوں نے ان کی تقاریر سنیں ۔تحریرات پڑھیں اور مجالس دیکھیں وہ اس بات کی تصدیق کریں گے ۔کہ مولانا جتنے فنا فی الدعوت والتبلیغ تھے اتنی مکمل فنائیت کم از کم اس عہد میں کسی اور کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔ان کا اٹھنا بیٹھنا ، چلنا پھرنا ، لکھنا پڑھنا کھانا پینا یہاں تک کہ سونا جاگنا سب اسی فکر میں سرشار تھا کہ کسی طرح تمام دنیا کے انسان آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی معاشرت کو اختیار کرنے والے بن جائیں ۔

وہ کس قدر فنا فی التبلیغ تھے ۔ یہ بات ہر اس شخص پر واضح ہے جنہوں نے ذرا بھی انہیں قریب سے دیکھا ہے ۔انہوں نے اپنے آپ کو اس دعوت کے عمل میں اتنا فنا اور بے قیمت کر لیا تھا کہ ایک شخص ان کے معمولات کو دیکھ کر ہمیشہ ہی انگشت بدنداں ہو جاتا رہا ہے ۔

وہ جب تک بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ دلّی میں رہتے ان کے معمولات عام طور پر اس طرح کے ہوتے ۔ہر روز فجر کے بعد ایک تقریر اشراق کے بعد ناشتے پر پھر گفتگو۔ اس کے بعد جماعتوں کو رخصت کرنا اور مکمل ہدایات دینا۔ یہاں بھی ہلکی سی تقریر کی شکل پیدا ہو جاتی ۔ اس کے بعد وہ احباب جو مولانا کو ملنے آتے تھے جب رخصت ہونے لگتے تب بھی مولانا ان سے کچھ دینی باتیں کر لیتے ۔ظہر کے بعد اسباق کا مطالعہ اس کے بعد درس حدیث ۔یہ سلسلہ عصر تک جاری رہتا۔عصر سے مغرب تک دنیا کے مختلف گوشوں سے آمدہ خطوط کے جوابات لکھوانا ، اشارات دینا اور ساتھ ہی مہمان حضرات سے ملنا۔

مغرب کے بعد اوابین کے نوافل پڑھ کر سورۂ یٰسین کے ختمے پر کبھی کبھار دعاؤں میں شریک ہو جانا۔عشاء کے بعد سیرت النبیؐ اور سیرت الصحابہؓ میں سے کوئی حصہ پڑھ کر اس کی تشریح کرنا ۔یہ تشریح بھی اکثر اوقات تقریر کا روپ دھار لیتی ۔یہ تو تھے ان کے حضر کے معمولات ، جہاں تک ان کے سفر کے معمولات کا تعلق ہے اس کا عالم ہی اور ہے ۔سال میں قریباً ان کے تین چار ماہ سفر میں خرچ ہو جاتے اور جب کبھی حج وعمرہ کو جانا ہوتا اس وقت اس سے بھی زیادہ اوقات لگ جاتے حضر کی حالت میں مولانا لکھنے پڑھنے اور پڑھانے میں جو وقت صرف فرماتے اب وہ وقت بھی دعوت وتبلیغ میں خرچ ہوتا ۔میں اس سلسلے میں دو ایک اسفار کا ذکر کروں گا ۔زیادہ تفصیل تحصیلِ حاصل ہے اس لئے کہ مولانا کا ایک سفر ہوا ہو تو اس کا ذکر کروں ۔

جن خوش قسمت انسانوں کو گذشتہ سال (۱۳۸۳ھ) زیارتِ حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً وتکریماً) نصیب ہوئی انہوں نے مولانا کی سرگرمیوں کو دیکھا ہوگا۔ حج کا سفر ویسے بھی تھکا دینے والا ہوتا ہے ۔پھر مولانا کا دعوت وتبلیغ کی نیت سے حج کرنا تو ظاہر ہے وہاں کیا دوڑ دھوپ نہ ہوئی ہوگی۔تقریریں کرنا خصوصی اور عمومی دعوتیں رکھنا وغیرہ کوئی معمولی ہمت کا کام نہیں ۔مولانا کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ چھبیس "۲۶" جماعتیں لمبے عرصے کے لئے دین کی سرسبزی کے لئے تیار ہوئیں ۔اٹھارہ جماعتیں تو بیرونی ممالک فرانس ، مغربی جرمنی ، انگلستان وغیرہ کے لئے اور آٹھ جماعتیں ممالک عربیہ کے لئے ۔لیکن مولانا جب حجاز مقدس سے کراچی جون کے آخر میں آئے تو ہوائی اڈے سے سیدھے مکّی مسجد پہنچتے ہیں ۔وہاں ۹ بجے سے ۱۱ بجے شب تک تین گھنٹے مسلسل تقریر کرتے ہیں ۔انہوں نے اس بات کی پروا نہ کی کہ وہ اتنے دنوں سے تقریریں کرتے آرہے ہیں ۔نہ اس بات کا خیال کیا ۔کہ اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں تھوڑی دیر ستا ہی لیں ۔کراچی کے بعد مولانا بذریعہ ریل گاڑی لائلپور تشریف لاتے ہیں ۔راستے میں اس خیال سے اچھی طرح نیند بھی نہ لے سکے کہ دین پسند طبقہ ہر اہم اسٹیشن پر ان کی زیارت کو آئے گا ایسا نہ ہو کہ وہ آئے اور ملاقات سے محروم ہو جائے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (متع اللہ المسلمین بطول بقائھم) بھی آپ کے رفیقِ سفر تھے ۔اس لئے لوگوں کا آنا اور بھی یقینی تھا ۔راستے میں جہاں احباب مل جاتے وہاں دعائیں کرتے (مولانا کی دعا بھی ایک چھوٹی سی تقریر ہوا کرتی تھی) جب لائلپور تشریف لائے تو یہاں پہلے اسٹیشن پر دعا ہوئی اس کے بعد مدرسے والی مسجد خالصہ کالج پہنچے یہ ۳۰ر جون ۱۹۶۴ء کی بات ہے کراچی سے لائلپور تک کا گرمی میں سفر پھر لائل پور کی گرمی۔ اس پر دن کے دس بجے ۔مگر مولانا مسجد میں اترنے کے تھوڑی ہی دیر بعد باہر تشریف لے

آئے اور فوراً تقریر شروع کر دی وہ پونے گھنٹے تک اس اطمینان و نشاط کے ساتھ بیان کرتے رہے کہ اک ناواقف شخص یہ جان ہی نہیں سکتا تھا کہ مولانا کس قدر تھکے ماندے اور کتنا سفر کرکے آئے ہیں۔ اسی روز عصر کی نماز کے بعد خصوصی اجتماع میں ایک گھنٹے تک تقریر کی۔ مغرب کے نوافل پڑھ کر پھر تقریر کرنے چلے آئے۔ اور دو گھنٹے تک بولتے رہے۔ اسی دوران جب کبھی فرصت ملتی لوگوں کو بیعت بھی کرتے رہے۔ حرمین شریفین اور کراچی میں تقریروں کی وجہ سے مولانا کے گلے میں سوجن سی ہوگئی۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی۔ مولانا کا واحد علاج یہی ہے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے تقریر کرنا چھوڑ دیں لیکن مولانا لائلپور سے سرگودھا اور وہاں سے راولپنڈی، لاہور رائے ونڈ اور پھر لاہور متواتر تقریریں کرتے رہے۔ اب اسسال کے سفر کا حال سنئے:۔

مولانا فروری کے دوسرے ہفتے میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں چلے گئے اس کے بعد مشرقی پاکستان کے اہم مقامات پر مختلف اجتماعات میں تقاریر کیں۔ وہاں سے مغربی پاکستان کے طویل سفر کے لئے آگئے کراچی۔ میرپور خاص۔ ملتان۔ کنگھن پور (ضلع لاہور) ٹل (کوہاٹ) اور راولپنڈی کے اجتماعوں کے بعد رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں رونق افروز ہوئے۔ مذکورہ بالا تمام اجتماعات میں ان کی بالعموم دو مستقل تقریریں صبح وشام ہوتیں۔ عصر سے مغرب تک خصوصی مجلس میں بیان ہوتا۔ ناشتے اور کھانے کے وقت بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ رائے ونڈ کے اجتماع کے بعد نارووال کے اجتماع میں چلے گئے۔ اندرونی طور پر کچھ تکلیف محسوس کرتے رہے مگر ان کے بے مثل ضبط و تحمل نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ احباب کو وقت آخر جا کر علم ہوا۔ کہ وہ کتنی تکلیف میں مبتلا رہے ہیں اور وہ بھی ان کے بتانے پر بیرونی طور پر ان کو داڑھ کی شکایت ہوگئی۔ وہاں دو دن کے بعد جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لئے گوجرانوالہ رک گئے۔ اس تکلیف کے باوجود انہوں نے جمعہ سے قبل اور بعد مختصر سی تقریر کی۔ عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے یہ تکلیف دو تین دن تک رہی مگر سوائے اک رات کے بیانات بدستور جاری رہے۔ ہفتہ کی شام کو اسی تکلیف کے باوجود دو گھنٹے تک تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو (۲۸ مارچ ۱۹۶۵ء) جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا۔ پونے دس بجے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ مولانا کار میں بیٹھ کر ٹیلی فون کمپاؤنڈ میں چلے گئے وہاں دس بجے عورتوں کا اجتماع تھا اور مولانا کا بیان ہونا تھا۔ یہی حال ہندوستان کے اجتماعات کا ہے۔ فجر اور مغرب کے بعد مستقل تفصیلی بیان (جو بالعموم ۲-۳ گھنٹے تک ہوا کرتا) عصر کے بعد خصوصی مجمع میں بیان (اور یہ بھی اکثر ایک گھنٹے تک ہوا کرتا) ایسا بھی ہوا کہ مولانا فجر کے بعد لمبی تقریر فرما کر آتے اور ناشتہ کرنے لگتے ہیں۔ ناشتہ میں شریک بعض لوگ ایسے دکھائی دئے جو دین کے کام کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں ان کو تبلیغ کے کام کی اہمیت سمجھانے لگ گئے۔ اتنے میں ہاتھ میں چائے کی پیالی ٹھنڈی ہو جاتی لیکن مولانا اپنی دھن میں لگے ہوتے اسی ٹھنڈی چائے کو منہ میں انڈیل لیتے۔ احباب کو احساس ہوتا کہ حضرت نے چائے ٹھنڈی ہی پی لی فوراً گرم چائے کی مزید پیالی لے آتے مگر یہاں پھر وہی معاملہ ہوتا تبلیغ میں اسی کامل فنائیت و انہماک کے سبب آج تبلیغ کا کام مختلف ممالک تک پہنچ چکا ہے۔ انہیں اسی فدویت و فنائیت کا یہ صلہ ملا کہ انہیں اللہ کے راستے کی شہادت نصیب ہوئی۔

داعی الی اللہ کی حیثیت سے اُن کی یہ بھی خصوصیت رہی کہ وہ اس تبلیغ کے کام میں لگنے والوں کی تربیت اور مردم سازی کا خاص خیال رکھتے رہے۔ انہیں ہر وقت اس بات کا خیال رہا کہ کہیں مبلّغین حضرات کی نیّات میں فرق نہ آ جائے۔ تبلیغ کے پردے میں وہ ملک و مال کے چاہنے والے نہ بن جائیں۔ وہ کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے عجب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے مولانا بڑی حکمت و دل سوزی کے ساتھ ان کی ڈھارس بھی بندھاتے رہتے۔ آگے بڑھنے کی ترغیب بھی دیتے رہتے اور ساتھ ہی ان کی کوتاہیوں کی طرف اشارہ بھی فرماتے رہتے ہم سب جانتے ہیں کہ تبلیغی کام اس وقت ہند و پاک اور نجد و حجاز مقدس کی سرزمین سے نکل کر یورپ، امریکہ، یوگوسلاویہ، افریقہ جاپان اور فلپائن وغیرہ ممالک تک پھیل چکا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان سے ہر سال رمضان المبارک میں حج کی ایک پیدل جماعت ۱½ سال کے لئے روانہ ہوتی ہے۔ راستے میں تبلیغ کا کام کرتی ہوئی مکہ معظمہ پہنچتی ہے لیکن مولانا اللہ رب العزت کا شکر بجا لاتے ہوئے اس بات کے بڑے متفکر رہے کہ کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے کام کہیں غلط راہوں پر نہ چل نکلے کسی بے اصولی کا شکار نہ ہو جائے۔

۲۰ ستمبر ۵۶ء کو راقم الحروف مولانا کی خدمت میں بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ دلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرٹھ سے ایک جماعت آئی ہوئی تھی ناشتہ ہو رہا تھا اور مولانا فرما رہے تھے۔ "دیکھو تبلیغ میں لاکھوں افراد لگے ہوئے ہیں مگر علی وجہ بصیرت بہت ہی تھوڑے ہیں یعنی یہ سمجھ کر تبلیغ میں لگنا کہ اس کے کرنے سے کیا ہوگا اور اس کے نہ کرنے سے کیا ہوگا۔ اسی طرح مولانا پر تبلیغی کام کی گہرائی سے زیادہ گہرائی کا فکر دامن گیر رہا۔ وہ ہر وقت اس بات کا خطرہ محسوس کرتے رہتے کہ کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے گہرائی میں فرق نہ آ جائے۔ ان کی کوشش ہوا کرتی کہ لوگ دین پسندی اور تبلیغی کوشش کی طرف راغب رہیں شخصیت کے جادو کا شکار نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے آج تک ان کی کسی تقریر یا خصوصی گفتگو میں اس تبلیغی جد و جہد کے داعی اول حضرت مولانا محمد الیاس قدس اللہ سرہٗ کا نام نامی نہیں سنا (حالانکہ محرک اول ہونے کے علاوہ ان کے استاذ محترم مرشد برحق اور والد گرامی منزلت بھی تھے) مجھے یاد ہے مولانا ایک بار رائے ونڈ (پاکستان) کے سالانہ اجتماع میں اس غرض سے تشریف نہ لائے کہ لوگوں کو احساس ہو دین کی گاڑی کے چلنے کا انحصار کسی شخصیت کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا کرتا۔ مشرقی پاکستان میں تبلیغی اجتماعوں میں ان کی تقاریر پہلے پہل ترجمہ ہو جایا کرتا تھا لیکن بعد میں یہ ترجمہ بند کروا دیا گیا چنانچہ ان کی تربیت سے عام ذہن یہی بنا کہ لوگ خواہ اس کام میں لگیں یا نہ لگیں ہم ضرور اس کام کو کریں گے بلکہ یہاں تک دلوں کے اندر یہ بات پیدا ہو گئی تھی کہ مولانا (خدانخواستہ) اگر اس کام سے ہٹ بھی جائیں۔ تب بھی ہم اس تبلیغی جد و جہد اور محنت کو جاری رکھیں گے۔ شاید اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ آج ان کی عدم موجودگی سے اک خلا بہت بڑا خلا محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوصف اک گونہ اطمینان ہے کہ یہ کام اسی طرح بلکہ کیا بعید اس سے بھی زیادہ چلے۔ (بفضلہ بعونہ سبحانہٗ و تعالیٰ)

اُن کا دوسرا امتیاز خاص یہ تھا کہ وہ جس یقین کی قوت کے ساتھ دعوت کو پیش کرتے اس کی نظیر تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ وہ آخرت، حشر و نشر، جنت و

دوزخ، جزا و سزا، تبلیغ کی اہمیّت وغیرہ کا جس اعتماد کامل، جس جذبے، جس والہانہ انداز اور جوش کے ساتھ تذکرہ فرماتے۔ اکثر یوں محسوس ہوتا شاید مولینا اس کوچے سے ہو کر آئے ہیں اور یہ تمام چیزیں ان کی دیکھی بھالی ہیں۔ ایمان و ایقان کے اس بھرپور جذبے کا یہ اثر ہوتا کہ سامعین تک کے دل اس کو محسوس کرتے۔ ان کے اندر آخرت کی زندگی حاصل کرنے کا شوق ابھرتا اپنی سابقہ غفلت کی زندگی پر افسوس ہوتا۔ اور تمام اعذار کا پردہ چھٹ کر دین کی خاطر جان جھونکنے کا ولولہ اٹھتا۔ کئی ایک خوش نصیب تو اُسی وقت اپنی جان کو نقد پیش کر دیتے یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ وہ اس دنیاوی نظام دنیوی محنت اور فانی لذتوں کی بھی اس کامل یقین کے ساتھ نفی کرتے کہ سننے والوں اور پاس بیٹھنے والوں کے دلوں پر اس کے فانی ہونے کا احساس پیدا ہوتا۔ ان کے ہاں خصوصی اجتماعوں میں بڑے بڑے عہدہ دار، صنعت کار اور سرمایہ دار ہی کیوں نہ ہوتے مگر وہ اسی جذبے اور اعتماد سے بات کہتے۔ مخلوق اور کسی بڑے آدمی سے تاثر لینا تو مولینا نے سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ جس طرح حکمرانوں، امیروں، وزیروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کو اپنی تقاریر میں کوستے اور ان کا پوسٹ مارٹم کرتے۔ یہ بھی انہی کا خاصہ تھا۔

آخر ستمبر ۵۶ء کی بات ہے کہ مولانا بستی نظام الدین اولیاءؒ دلّی میں ایک بار بڑے جوش و خروش کے ساتھ یوں فرما رہے تھے۔ "انسانیت اس قدر خطرناک موڑ پر آ چکی اور نظام عالم اس قدر خراب ہو چکا کہ سمندر سے پانی نکل کر انہیں تباہ کر دے، آسمان سے بجلی گر کر انہیں ختم کر دے یا آگ انہیں جلا دے تو کوئی بعید از قیاس نہیں۔ یہ عدالت کے فیصلے اور یہ نظام کتوں، سؤروں اور بھیڑیوں سے بڑھ کر نہیں اس میں انسانوں کا خون چوسا جاتا ہے۔ یہ جو تم بڑی بڑی سڑکیں، محلّات اور کوٹھیاں دیکھ رہے ہو اس میں بے چارے بے کس انسانوں کے خون و پسینہ کو ظلم سے نکال کر ایسا کیا گیا ہے۔" دوسرے موقعے پر خصوصی گفتگو میں فرمایا۔

"بڑے بڑے اونچے حضرات دین کے کل نظام کے احیاء کے متعلق مایوس ہو چکے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مشکل نہیں ایک آنِ واحد میں تمام نظام عالم کو بدل سکتا ہے اور دین کی طرف مائل فرما سکتا ہے۔ ہم اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے محنت کے میدان کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اس وقت تمام عالم کا دین کی طرف مائل ہونے کا بہترین موقع ہے۔ کیونکہ آج کل لوگ اور حاکم کتوں اور بھیڑیوں سے کم نہیں ہیں۔ اہل یورپ کے لئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد ہدایت کی طرف پڑ جاویں گے۔"

ایک بار اس طرح ارشاد فرمایا:۔

"ہماری پریشانیاں محض نمازوں وغیرہ کے پڑھنے سے ہرگز دور نہیں ہو سکتیں ہم نمازیں تو پڑھ لیتے ہیں جس میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ پھر اسی طرح اپنے کاروبار میں اسی ظالم نظام کی پیروی کرنے میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ جب تک اسلامی معاشرہ قائم نہ ہو اس وقت تک ہماری پریشانیاں دُور نہیں ہو سکتیں —— اگر ہم اسلامی معاشرہ کو دنیا کے سامنے عملاً پیش کرنے والے بن جائیں تو دنیا اسی وقت باطل نظام کو چھوڑ کر اسلامی نظام کے اندر آ جائے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اب اپنے کاروبار، کھیتی باڑی اور اہل و عیال کو نہ دیکھو۔ یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور لوگوں کے ہدایت پر پڑنے کا بہترین موقع ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ محنت کے میدان میں اپنے تمام مالوں اور اسبابوں کے ساتھ کود پڑو اور انسانیت کی خدمت کر جاؤ۔"

یہ ستمبر ۵۶ء کی آواز تھی اب جولائی ۶۴ء کے بھی دم خم دیکھیں۔ مولانا ۷ جولائی ۶۴ء کو ملٹری ہائی اسکول راولپنڈی میں فرما رہے تھے:۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں جس طرح یہ تلواروں کو زیر کرنے والا راستہ ہے (تبلیغ دین اور دعوت الی اللہ کا رستہ مراد ہے ۱۲ ذوالفقار) اسی طرح اس زمانے کی ایجادات ایٹمیات و سائنس کو زیر کرنے والا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کے لئے نبی نہ ہوتے یہ قیامت تک کے فیصلے ہیں۔"

۸ جولائی کو اسی مقام پر فرما رہے تھے:۔

"ہمیں ملک کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں، ہتھیار کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں امریکہ و روس کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں جب خدا ہمارے ساتھ ہو جائے گا تو ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ہم کو گورنروں، وزیروں، کروڑ پتیوں کے آگے ہاتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ وہ ہمارے آگے ہاتھ جوڑیں گے۔ امریکہ و روس ہمارے آگے جھکیں گے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ ہو جائیں گے وہ کائنات کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے گا۔"

مولانا کے بیانوں کے اقتباسات کچھ طویل ہی ہو گئے لیکن میرا مقصود صرف یہ تھا کہ وہ حضرات جو ان کی صحبتوں سے محروم رہے ہیں یا جنہیں ان کی تقاریر سننے کے بہت ہی کم مواقعے میسر آ سکے وہ قدرے اندازہ لگا سکیں کہ وہ کس یقین کی طاقت سے بات کہتے تھے۔ مزید برآں ان کے درد کی خلش اور سوز کی تپش کا کیا عالم تھا۔

وہ بحیثیت اک خطیب اور مقرّر کے بھی ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ ایک ایسا شخص جو صبح تقریر کرتا، ناشتے پر گفتگو چلاتا، کھانے کے وقت بھی بولتا، عصر کے بعد خصوصی اجتماع میں بیان کرتا اور مغرب کے بعد پھر طویل تقریر کرتا۔ ایسے انسان کی تقریر، گفتگو اور بیان میں جاذبیت بدستور قائم رہنا اور لوگوں پر محویت کا عالم طاری رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ مقرّر فن تقریر میں ید طولیٰ رکھتا اور سامعین کی نفسیات سے کامل واقفیت رکھتا ہو۔ بڑے بڑے پُرجوش مقرّر و خطیب اپنی تقریروں اور وعظوں کو دل چسپ بنانے کے لئے کئی کئی حربے استعمال کرتے ہیں کبھی شعروں کا برمحل استعمال، کبھی چٹکلوں اور لطیفوں سے کام، کبھی طولانی و مختصر قصّے کہانیاں، جملہ ہائے معترضہ کی بھرمار اور اصل موضوع سے ہٹ کر دنیا جہان کی باتیں، کسی وقت اپنی زندگی کے بہترین ایّام کی رام کہانی بتائی جا رہی ہے کبھی اپنے ساتھ پیش آمدہ حادثات و واقعات اور مزاحمات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ کبھی تشبیہ و استعارے سے کام لیا جا رہا ہے۔ بعض الفاظ کی نوک پلک کو درست کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن مولانا ان رواجی سکّوں اور وسیلوں میں سے کسی کو بھی نہیں چھُوتے تھے۔ اس کے برعکس وہ اتنے بڑے عالم، شیخِ وقت اور عالم اسلام کی سب سے بڑی تبلیغی جماعت کے امیر جماعت ہونے کے باوجود خطبۂ مسنونہ نہایت مختصر پڑھتے تھے۔ بالعموم "نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہِ الکریم۔ اما بعد" پڑھ کر یوں گویا ہوتے:۔

"میرے بزرگو اور دوستو!" اور کبھی اس طرح کہتے "میرے بھائیو اور دوستو!" ان دو لفظوں میں کتنی دلکشی پائی جاتی تھی اس کا اندازہ

یہاں نقل کر دینے سے ہرگز نہیں لگایا جا سکتا۔مولانا کے دہن مبارک سے ہی یہ الفاظ سننے کے بعد اس کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

اس کے بعد مولانا عام مقرروں اور خطباء کے برخلاف بغیر کسی طویل یا مختصر تمہید کے اپنے درست موضوع کو چھیڑتے۔ مثلاً :۔

"حق تعالےٰ شانہٗ نے کامیاب زندگی گذارنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایک طریقہ دیا ہے ۲۴ گھنٹے میں پیش آنے والے تمام اعمال کے طریقے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لاتے ہیں۔اگر یہ طریقے زندگی میں آ جائیں تو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو اعلیٰ ترین عزت نصیب فرمائیں گے خواہ ان کے پاس ایٹمیات وغیرہ کچھ بھی نہ ہوں"۔

ایک دوسری تقریر کے ابتدائی جملے ملاحظہ ہوں :۔

"انسانوں کی جو زندگی بنے گی دنیا میں انسان جو چمکیں گے تو خواہش دبانے کے بعد پھر خواہش پوری کرنے کے لئے حدود قائم رکھیں۔عورت، مکان وغیرہ کی خواہش کی ایک خاص حد رکھی ہے۔خواہشات کے مقابلے میں احکامات والے طریقے ہیں۔ احکامات میں جیسا مکان کو بنانے کو کہا گیا ہے ویسا بنایا جائے شادی کا ایک طریقہ خواہش کا ہے۔اس طریقے سے شادی نہ کی جائے بلکہ احکام کے مطابق شادی کرے"۔

ایک بار تعلیم کے حلقے لگے ہوئے تھے۔ان کی آمد پر تمام حلقے ختم کر کے مجمع کو متوجّہ کیا گیا۔انہوں نے حسبِ عادت مختصر سا خطبہ پڑھ کر اس طرح تقریر شروع کی :۔

"جو علم انسان اپنے پاس رکھتا ہے وہ باقی رہنے والا نہیں ہے۔

جہالت کی دو قسمیں ہیں نہ جاننا اور غلط جاننا۔اس لئے تعلیم کا لفظ بول کر دنیا کے علم کو جاننے پر محمول کر لیتے ہیں۔جو غلط استعمال ہے لفظِ علم کا۔علمِ انسانی یہ ہے کہ لوہے سے یہ ہو سکتا ہے۔ راکٹ سے یوں ہو جائے گا۔ کارخانہ سے یہ ہو جائے گا گویا جن سے ہوتا کچھ نہیں اس کا علم ہے مگر جس سے سب کچھ ہوتا ہے اس کو جانتے نہیں۔ اس لئے یہ حقیقت میں علم نہیں"۔

وہ شعروں کے استعمال سے اکثر اوقات احتراز کرتے اور کبھی کبھار کوئی مصرع یا شعر استعمال کر بھی لیتے تو دلچسپی پیدا کرنے جوش دلانے یا سامعین کو خوش کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنا مدعا واضح کرنے کے لئے

میرے دلّی کے قیام کے زمانے میں (ستمبر ۵۶ء) ایک بار فجر کے بعد تقریر کرتے ہوئے مولانا نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور ترین شعر

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

پڑھ کر فرمایا۔"اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم خدا ہو جاؤ۔تمام انبیاءؑ، تمام صحابہؓ، تمام اولیاءؒ غوث، قطب، ابدال، صلحاء، شہداء اور سب سے بڑھ کر سیدالاوّلین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا نہیں ہو سکتے اور نہ ہو سکے بلکہ بندے رہے مفہوم یہ ہے کہ اپنی چاہت اور اپنی مرضی نہ رہے جو چاہت اور رضا خدا تعالےٰ کی ہو وہی بندے کی ہو جائے۔ وحدت کا بھی یہی مفہوم ہے اور دوئی کو مٹانے کا بھی یہی مطلب۔ حلول وغیرہ کا مفہوم تو کفار و مذاہب باطلہ کا ہے۔ "حجاب خودی" بھی یہی ہے کہ بندے کی خواہشیں اللہ تعالےٰ کی خواہشوں پر چلنے سے مانع نہ آئیں۔کلمہ بھی یہی چاہتا ہے اور جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو تمام عالم، تمام حکومتیں اور زمین و آسمان کے خزانے حتیٰ کہ فرشتے بھی اس کے تابع کر دئے جاتے ہیں۔

امسال رائے ونڈ کے آخری اجتماع (آخری لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے) میں انسانی خواہشات پر تقریر کرتے ہوئے غالب کا شعر

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں ولیکن پھر بھی کم نکلے

پڑھا اور اپنے مقصد کی وضاحت کی — لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ مولانا بہت ہی کم اشعار استعمال کرتے۔گذشتہ سال پاکستان میں تقریباً ۵۰ مختصر و طویل تقاریر کیں لیکن کہیں بھی کوئی شعر استعمال نہیں کیا۔ اپنے آخری سفر میں ان کی ۱۰۰ سے زائد تقریریں ہوئیں۔ مگر سوائے محولہ بالا شعر کے کسی جگہ شعر کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئی۔مولانا کا منصب عام مقرروں اور خطیبوں سے الگ تھا وہ اس موضوع پر گفتگو کرتے جو خالص دینی اور غیر رواجی تھا۔سیاسی دلچسپی کا نہیں جس سے عام طور پر طبیعتیں مرغوب ہو چکی ہیں —

مولانا کا کام محض تقریر کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگوں کو ایک عمل پر اٹھانا ہوتا تھا اس لئے ان کی دقتیں دیگر خطیبوں سے دوچند تھیں اس کے باوجود وہ نہایت کامیاب نظر آتے۔ اور لوگوں کو ایک عالی عمل میں لگانے کا باعث ہوتے

ان کی تقریر یا گفتگو سن کر کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ مولانا جان بوجھ کر علمی موشگافیوں اور نکتہ آفرینیوں سے کام لے رہے ہیں اس کے برعکس ہمیشہ یہی احساس ہوتا کہ ان پر حقائق و معانی کا ورود ہو رہا ہے جس میں ذرا بھی تکلّف یا آورد کو دخل نہیں۔ ع

کسی اور ہی کی پکار ہے میری زندگی کی صدا نہیں

اُن کے ہاں سامعین کی قلّت و کثرت میں کوئی حظِ امتیاز نہیں۔ان کے سامنے اگر ایک غریب سے غریب اور مسکین سے مسکین انسان ہی کیوں نہ ہو وہ اسی جذبے، ولولے یقین اور جوش سے بات کہیں گے جس طرح ہزاروں کے مجمع میں کہتے۔دن رات سفر کرنے اور صبح و شام بولنے کی وجہ سے طبیعت کا نڈھال ہونا، گلے کا بھول جانا اور دیگر عوارض میں مبتلا ہونا بھی ہوتا لیکن میں نے آج تک ان کو تقریر کے وقت کسی سفر کسی تکلیف یا معذرت کا اظہار کرتے ہوئے نہیں سنا بلکہ اپنی تکالیف کو چھپاتے ہی دیکھا۔میں نے اکثر یوں محسوس کیا کہ وہ تقریر کے دَوران جھوم رہے اور اس مزے سے باتیں کر رہے ہیں گویا تقریر کرنا کوئی معمولی سی بات ہے اکثر دو یا تین گھنٹے تک تقریریں کیں۔ مگر پانی پینے کی نوبت بہت کم آئی۔ ان کی تقریر میں عجیب طرح کی والہانہ کیفیت اور نشاطیہ رنگ ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سامعین اکتاہٹ محسوس کرنے کے بجائے محظوظ ہوتے اور محو تقریر رہتے۔اس سلسلے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب ہوگا کہ وہ تیزی سے تقریر کرتے اوّلاً اس کو من وعن نوٹ کرنا ہی مشکل ثانیاً اگر کسی کو قریباً پوری تقریر ضبط کرنے کی توفیق بھی ہو گئی تو وہ کیف و سرور اور جذبہ کہاں سے پیدا ہوگا جو ان کی تقریر سنتے وقت دلوں پر مرتسم ہوا کرتا تھا۔میں نے اس چیز کو بھی بار بار محسوس کیا کہ وہ ہر موقع پر بالعموم نیا ہی مضمون باندھتے ایک شخص جو دن رات تقریریں کرتا ہوا آ رہا ہو اس کے ہاں تکرار بیان ہو جانا خلاف توقع نہیں لیکن ان کا کمال ہے کہ ان کے ہاں تکرار مضامین کی نوبت بہت ہی کم آئی اور اگر کسی جگہ آ بھی گئی تو کافی وقفے کے بعد اور وہ بھی نئے آہنگ و ڈھنگ کے ساتھ ورنہ بحیثیت مجموعی ان کی ہر تقریر کا موضوع علیحدہ ہی ہوتا اس کے علاوہ ان کی تقریر میں ایک ایسا عمومی رنگ ہوتا کہ ایک غیر مسلم بھی اس میں دلچسپی

لیتا۔

آپ اس حقیقت کو سامنے رکھئے کہ تبلیغی جدو جہد سراپا محنت، مجاہدے کا دوسرا نام ہے۔ اُس کے بغیر دین کی سرسبزی ناممکن ہے۔ مولانا اس مجاہدے کا خود بڑا نمونہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا اس دَور کے مجاہدِ کبیر اور بطلِ جلیل تھے انہوں نے اس زمانے میں دین کی آبیاری کے لئے جتنے سفر کئے اس کی مثال عالم اسلام میں ڈھونڈنا مشکل ہے۔ ہندو پاک کا کون سا اہم مقام، شہر اور قصبہ ہے جہاں ان کے قدوم میمنت لزوم نہ پہنچے ہوں مکّہ معظمہ و مدینہ منورہ (زادہما اللہ عزاً وتعظیماً) میں اسی نیّت سے کئی بار سفر کر چکے ہیں۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۵ء تک دو بار حج بیت اللہ اور دو بار عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سے پہلے بھی اسفار ہو چکے ہیں —— ۲۶ مارچ ۱۹۶۵ء کو برہما جانے کا مصمّم ارادہ تھا مگر ویزے وغیرہ کی دِقّت کی بناء پر پاکستان ہی میں چند دن قیام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کا سفر اس قدر مشقّت و عزیمت سے بھرپور ہوتا کہ ان کے ساتھ سفر کرنا بڑی ہمت کا کام ہوتا۔ چند دنوں کے بعد طبیعتوں کے اندر تھوڑی دیر آرام کرنے کا خیال دامنگیر ہوتا (الّا ماشاء اللہ)

مولانا کی ایک اور خوبی نے دل میں گھر کر لیا۔ ان کے اس قدر تبلیغی انہماک اور جماعتوں کی آمد و رفت کے باوجود وہ جب تک بستی حضرت نظام الدین اولیاء رح رہتے۔ مطالعہ کے لئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکالتے۔ چاشت کے وقت، ظہر کے بعد اور تہجد کے وقت انہیں اکثر اوقات مطالعے کے لمحات میسّر آجاتے۔ اس کے علاوہ درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ بھی جاری رہتا۔ ظہر کے بعد سے عصر تک وہ احادیث مبارکہ کی اہم کتب بالخصوص ابوداؤد شریف پڑھاتے۔

اُن پر علوم قرآنیہ اور معارف رحمانیہ کا جس طرح انکشاف ہوا تھا اگر وہ قرآن مجید کی باقاعدہ تفسیر لکھتے تو اپنے زمانے کے بہت بڑے مفسّر ہوتے۔ علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمتہ نے اسلام کی کوئی باقاعدہ "تاریخ" نہیں لکھی لیکن اس کے باوجود وہ بہت بڑے مؤرخ اسلام تسلیم کئے گئے۔ اسی طرح اگرچہ مولانا نے کوئی باقاعدہ تفسیر نہیں لکھی۔ تاہم وہ مفسّر قرآن ضرور تھے۔ ان کی تقریریں اور بیانات اس پر شاہد عدل ہیں۔ کلام الٰہی میں سب سے زیادہ زور توحید پر دیا گیا اور اس کے بعد رسالت پر۔ قرآن پاک کیا ہے۔ کلمہ طیّبہ کی تفسیر کا دوسرا نام ہے۔ ان کے اکثر بیانات کلمہ طیّبہ کی تفسیر و تشریح میں ہوتے۔ جس تفصیل کے ساتھ انہوں نے کلمہ مبارکہ کو کھولا اس کی نظیر ملنا آسان نہیں۔ پھر اس احسن طریقے سے بیان کرتے کہ بڑے سے بڑا بدعتی بھی چیں بہ جبیں نہ ہوتا۔ کلام اللہ میں اطاعت خداوندی، اطاعت رسولؐ، قصص انبیاء، جنت و دوزخ، جزا، و سزا وغیرہ کا جس طرح ذکر ہوا وہ اس کا بڑے شرح و بسط سے تذکرہ فرماتے خاص کر جنت و دوزخ کا اس تفصیل کے ساتھ ذکر ہوتا کہ اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا۔

اسی طرح ختم نبوّت کے جس مفہوم کو انہوں نے کھولا وہ صرف انہی کے ساتھ خاص تھا۔

اس کے علاوہ قرآن میں جن اہم چیزوں پر زور دیا گیا ہے اس کا اس کثرت سے بیان ہوتا کہ باید و شاید۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تقویٰ، توکّل، غیبت، حرام، حلال، شرم وحیا، حلم، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، معاملات، اخلاص، اخلاق، ایمان و عمل صالح، ذکر و فکر، توبہ، استغفار وغیرہ ان کی تقریروں کے عام موضوعات تھے جن پر تفصیل سے گفتگو فرماتے۔

علومِ حدیث اور فنِ حدیث پر ان کی کتنی گہری نظر تھی۔ اس کے متعلق مولانا محمد بدر عالم میرٹھی مدنی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوری اور مولانا محمد ظفر احمد عثمانی وغیرہم ماہرین احادیث حضرات ہی گفتگو کر سکتے ہیں تاہم اس کا اندازہ امام طحاوی نور اللہ مرقدہٗ کی معانی الآثار کی شرح اور اس کے مقدمے سے آسانی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم مجلدات میں جس شرح و بسط کے ساتھ احادیث مقدسہ کی اہم کتب سے استفادہ کیا گیا وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مولانا کی نظر علوم نبویہؐ پر کس قدر وسیع تھی۔ ان کی تقریروں میں اکثر احادیث بھی بیان ہوتیں یا ان کے مفاہیم۔

مولانا کی نگاہ جس ژرف نگاہی اور وسعت کے ساتھ تاریخ اسلام بالخصوص سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات صحابہ رضؓ پر تھی اس کا جواب مولانا خود آپ تھے۔ تاریخ کی کتابیں لکھ لینا بھی ایک کام ہے۔ لیکن تاریخ کا حافظ ہونا بہت بڑا کمال ہے مولانا جس طرح حافظ قرآن تھے اسی طرح تاریخ اسلام سیرت النبیؐ خاص کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایک ایک واقعہ کے حافظ تھے۔ پھر حضرات صحابہ کرامؓ کی زندگی کی جزئیات پر جس طرح ان کی نظر جاتی تھی اس کا احصاء کرنا آسان کام نہیں۔ مولانا کی تقریر میں جو گرمی اور ان کے بیان میں جو تاثیر تھی اس میں صحابہ کرامؓ کے واقعات و حالات کو بڑا دخل تھا وہ جس موضوع پر بھی بولتے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا ذکرِ خیر ضرور کرتے۔

انہوں نے ہزارہا مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے جس طرح تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا اس کی قدر و اہمیّت کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں ذرا بھی تحریر و تصنیف سے واسطہ پڑا ہے۔ ایک اہل قلم کو جتنا سکون اور فرصت میسر ہونی چاہئے اس کی زندگی کے لمحات جس قدر خلوت سے مزیّن اور جلوت سے عاری ہونے چاہئیں۔ مولانا کے معمولات اور سرگرمیوں اور ان پر تبلیغ دین کے فکر کو غالب پا کر ان کا تحریر کے کوچے میں داخل ہونا غیر معمولی کارنامہ ہے "حیاۃ الصحابہ رضؓ" اور "طحاوی شریف کی شرح" ایسی کتابیں ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کا نام اہل قلم کی فہرست میں عظمت کے ساتھ لیا جاتے گا۔ حضرات صحابہ کرامؓ پر عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں کس قدر کتابیں حیطۂ تحریر میں آچکی ہیں۔ کہ بظاہر ان پر کسی اور انداز میں لکھنا، تنوع پیدا کرنا اور تازگی پیدا کرنا مشکل ترین اور نازک ترین مرحلہ ہے۔ ان کی بڑائی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے حیاۃ الصحابہ کو نئے رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہیں کثرت سے مختلف عنوانات سوجھے اور اس کے تحت جس طرح صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو یکجا کیا ہے۔ غالباً آج تک کسی ایک کتاب میں اس طرح اکٹھا نہیں کیا گیا۔ پھر صحابہ کرامؓ کو دعوت و تبلیغ کے عمل میں جس طرح سرشار دکھایا ایسا بھی کسی ایک کتاب میں کہیں یکجا نظر نہیں آیا۔ مذکورہ بالا کتابوں کے سبب مولانا کا جہاں ایک طرف بحیثیت ایک اہل قلم کے سکّہ بیٹھا وہاں دوسری طرف وہ ایک وسیع المطالعہ عالم دین، محدّث اور مورّخ بھی روشناس ہوئے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی کثرتِ تصانیف میں ان کے ۳۶۰ مواعظ اور ۹۰ کے قریب ملفوظات کی مجلدات کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں۔ اگر مولانا کے بیانات، تقاریر اور خصوصی گفتگوؤں کو باقاعدگی کے ساتھ ضبط کیا جاتا تو ان کے مواعظ کی تعداد کم از کم ۲ ہزار ہوتی۔ جہاں تک ملفوظات کی مجلّدات کا تعلّق ہے اس کا شمار بھی سینکڑوں تک پہنچتا۔

امّت مرحومہ میں ایسا ہمہ وقت بولنے والا چشم فلک نے کبھی کبھار ہی دیکھا ہے۔ مولانا اپنے مقصد کی لگن میں اس قدر منہمک تھے کہ انہیں اپنے بیانات ضبط کروانے اور ملفوظات درج کروانے کا مطلق خیال نہ تھا تاہم یہ خوشی کی بات ہے کہ بعض عقیدتمند ان کی تقاریر کا کچھ نہ کچھ حصہ محفوظ رکھتے رہتے تھے۔ اگر کسی وقت وہ یکجا کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آگیا تو لوگوں کے ازدیاد ایمان و ایقان کا سبب ہوگا۔ اسی طرح اگر مولانا کے وہ خطوط جو مختلف اطراف واکناف میں تحریر کئے اور کروائے گئے ترتیب و تہذیب سے آراستہ ہو کر زیورِ طباعت سے آراستہ ہوگئے تو مولانا کا بحیثیت ایک اہل قلم عارف ربّانی اور داعی حق ہونا مزید واضح ہو جائے گا۔ ان کے خطوط کا ایک ادبی نقطۂ نظر سے بھی جائزہ لیں تو بھی ان میں ایک عجیب رعنائی اور جاذبیت پائیں گے۔ مولانا کی عادت تھی کہ جس کسی انسان نے بھی انہیں خط لکھا انہوں نے ہزارہا مصروفیتوں کے باوجود اسے جواب سے ضرور نوازا۔ ان کا کوئی خط فکر دین اور دعوت الی الحق سے خالی نہیں پائیں گے۔

ان تمام خوبیوں کے باوصف وہ اپنے وقت کے بہت بڑے عارف اور شیخ وقت تھے۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق مولانا کے جتنے مرید دنیا کے مختلف گوشوں اور مختلف شعبوں میں پائے جاتے ہیں۔ اتنے اس زمانے میں شاید ہی کسی بزرگ کے ہوں۔ فی الحقیقت مولانا شیخ العرب والعجم تھے۔ گذشتہ سال رائے ونڈ کے صرف یک روزہ اجتماع میں مولانا کے ہاتھ پر میواتی حضرات بیک وقت تین ہزار کی تعداد میں بیعت ہوتے جن میں کچھ خواتین بھی شامل تھیں (خواتین مردوں کے پیچھے تھیں) مولانا نے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے ان کو توبہ کرائی۔ قریباً اتنی ہی تعداد میں امسال بھی میواتی حضرات اسی جگہ حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ ہندوستان کے میواتی الگ ہیں۔ مولانا کا کوئی سفر ایسا نہیں ہوا جہاں ان کے دست حق پرست پر کچھ نہ کچھ لوگوں نے بیعت نہ کی ہو۔ علماء، طلبہ، پروفیسر، تجار، شہری، دیہاتی وغیرہ ہر طبقے کے لوگ حلقہ بگوش سلسلہ ہوتے۔ مولانا کی کوئی تقریر ایسی نہیں تھی جہاں ایک صوفی کی روح اور عارف ربّانی کا دل کارفرما نہ ہو۔ مولانا پر معارف لدنیہ کا نزول بڑی کثرت سے ہوتا تھا لیکن قدرت نے انہیں کسی اور ہی مقصد کے لئے پیدا کیا تھا اور وہ اسی مقصد میں مسلسل بڑھتے چلے گئے۔ مولانا کو دیکھ کر تصوّف کے معترضین و مخالفین کے لبوں پر مہر سکوت لگ جاتی اور ان کے اوہام و شکوک کہ تصوف جمود سکھاتا، بے عملی کی تعلیم دیتا اور لوگوں سے قطع تعلق پیدا کرتا ہے وغیرہ سب باطل ہو کر رہ جاتے۔ مولانا کے اندر عبادتی ذوق، استغفار، یقین و عشق اور شوق جنت وغیرہ کی جو کیفیات پائی جاتی تھیں وہ سب تصوّف کا ثمرہ تھیں۔

دعا کو عبادت کا مغز فرمایا گیا ہے۔ مولانا جس انداز، جس جذبے اور جس طرح طویل دعا فرماتے تھے وہ صرف انہی سے مخصوص تھا۔ مولانا کی دعا بھی ایک چھوٹی سی تقریر ہوتی تھی۔ اور اس میں دعوت کا رنگ غالب ہوتا تھا۔ مولانا کی مؤثر ترین تقریروں سے بھی دل پسیج جاتے تھے۔ مگر دعا کی وجہ سے تو دل ہل جاتے تھے۔ مولانا کی تقریر میں اگر کوئی شامل نہیں ہو سکا تو وہ کوشش کرتا کہ ان کی اختتامی دعا میں ضرور شرکت کرے۔ دعا بعض اوقات آدھ گھنٹے تک بھی چلی جاتی۔ ویسے بالعموم ان کی دعا ۱۵۔۲۰ منٹ تک ہوتی۔ دعا بھی اس تیزی کے ساتھ ہوتی۔ جس کے ساتھ تقریر کرتے۔ پہلے عربی میں دعائیں اس کے بعد اُردو میں۔ مولانا اس الحاح و زاری کے ساتھ دعا فرماتے کہ بڑے بڑے پتھر دل بھی نرم پڑ جاتے۔ دعا کے وقت اک کہرام سا مچ جاتا۔ اور لوگ بلک بلک کر رونے لگتے۔ گذشتہ سال راولپنڈی میں ایک اسکول کے ہال میں فجر کی تقریر کے بعد جو دعا ہوئی اس میں تمام مجمع دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

مولانا کی دعاؤں کا حال اس وقت دیکھنے کا تھا جب پار سال وہ حج پر گئے ہوئے تھے جن لوگوں کو ان کی دعاؤں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہی حقیقی معنوں میں اس کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مولانا اخبار شاید ہی دیکھتے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں سیاسی شعور کی گہری جھلک دیکھی۔ اپنے زمانے کے سب سے بڑے داعی الی اللہ ہونے کی حیثیت سے وہ عالمی حالات پر بھی نگاہ رکھتے کہ انسانیت کا دھارا کس رُخ پر بہہ رہا ہے اور لوگوں کے مرغوبات کیا شکل اختیار کر رہے ہیں۔ نتیجے کے طور پر جو عوارض و امراض پیدا ہوتے ان کی صحیح تشخیص کرتے ان کے دکھوں کا علاج بتاتے۔ ہند و پاک کے ہر اہم اور مرکزی مقاموں پر بار بار جانا، ممالک عربیہ بالخصوص نجد و حجاز مقدس میں مستقل طور پر مبلغین رکھنا، خود بار بار جانا، حیاۃ الصحابہ عربی میں تصنیف فرمانا وغیرہ اُسی گہری سیاسی سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے جن لوگوں نے ۳۰ رجون ۱۹۶۴ء کو لائل پور میں عصر کے بعد ان کی تقریر سنی (جس میں پرنسپل، پروفیسر، وکلاء، علماء، طلباء اور صنعت کار وغیرہ خصوصی لوگ شامل تھے) وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اس تقریر کے پس منظر میں کتنی سیاسی بصیرت کارفرما تھی۔ مولانا نے بتایا تقسیم ہند کے بعد ان کے پاس ایک مشہور کمیونسٹ لیڈر آیا اور ان سے اپیل کی کہ وہ ان کے ساتھ مل جائیں تاکہ وہ سب مل کر پہلے سرمایہ داروں کے پیٹوں کو پھوڑ ڈالیں اس کے بعد دوسرے کام کریں۔ مولانا نے جو جواب دیا اس پر وہ لاجواب ہو گیا اور تسلیم کیا کہ آپ کی دعوت بہت اونچی ہے۔ اور روس و امریکہ کو زیر کرنے والی ہے مولانا بیانات میں کثرت کے ساتھ یورپ بالخصوص روس و امریکہ کی تہذیب و معاشرت اور ترقیوں کو پست ترین اور ذلیل ترین ثابت کرتے تھے۔ کیا یہ سب باتیں سیاسی شعور کا نتیجہ نہیں؟

مولانا کی ہر خدمت کو سراہا جاتا ہے۔ مگر ان کی اُردو خدمات کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اُردو کی خدمت بالواسطہ دین ہی کی خدمت شمار کی جا سکتی ہے۔ اس لئے کہ عربی کے بعد جتنا مستند ذخیرہ اسلامی تصنیف و تالیف اور ترجمے کی صورت میں اُردو میں ملتا ہے کسی اور زبان میں نہیں پایا جاتا۔ ہندوستان میں اُردو دشمنی کی طرف بتدریج جو اقدام ہوئے اور جس طرح آہستہ آہستہ اسے مُلک بدر کیا جانے لگا ایسے میں مولانا نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں اُردو میں تقریریں کرکے اُردو کو مقبول بنائے رکھا۔ تبلیغی اجتماعوں میں مختلف شعبے اور مختلف زبانوں کے لوگ ہوتے لیکن وہ سب اُردو میں ہی تقریر سنتے۔ مولانا کی تقریروں سے استفادہ کرنے کے لئے مدراسیوں، گجراتیوں اور بنگالیوں وغیرہ نے اُردو میں شدھ بدھ پیدا کی۔ مولانا کی خدمت میں یورپ و امریکہ اور جاپان وغیرہ کے نومسلم و مسلم سبھی آتے اور وہ بھی اُردو سیکھنے کی کوشش کرتے تاکہ مولانا سے پورا استفادہ کرسکیں۔ پاکستان میں بھی ان کی وجہ سے اردو کو بہت ترقی ہوتی۔ بالخصوص پختونوں، سندھیوں اور بنگالیوں کی اُردو فہمی میں مولانا اور ان کی جماعتوں کو بڑا دخل ہے ممالک عربیہ بالخصوص سعودی عربیہ میں بھی اُردو جاننے والے زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو تبلیغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے تبلیغی کام جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں اُردو

مولانا عبدالعزیز صاحب میواتی - قصور

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے اپنی بہت سی صفاتِ مرضیّہ سے بڑے بڑے حصّے نصیب فرمائے تھے۔ اور اپنے دین کے شعبوں میں سے بہت سے شعبوں کو ان کے ذریعہ چلایا تھا جو حقیقت میں اُن کی ذات سے نہیں چلے بلکہ اُن کی ذات جن صفاتِ محمدیہ کی مظہر تھی اُس کے ذریعہ جو زبردست نصرتِ خداوندی اُن کے ساتھ تھی اُس کے ذریعہ وہ سارے شعبے چل رہے تھے۔ انہوں نے ساری عمر کفر و شرک و باطل کے مقابلہ میں گذاری۔ انہیں باطل کے ساتھ قلبی غیظ تھا۔ انہوں نے بہیمیّت کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ انہیں سارے ایسے انسانوں سے نفرت تھی جنہوں نے بہیمیّت کے مناظر قائم کئے تھے۔ انہیں باطل و جابر طاقتوں کے مناظر مرعوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک کے سامنے حق ظاہر کرنے میں بے باک تھے انہوں نے علومِ نبویّہ اور اسلاف کی زندگی کے طریقوں کی ترویج پر محنت کی۔ انہیں اس سے والہانہ تعلق تھا اور اس کے خلاف فضاہائے باطلہ سے اٹھنے والے نقشوں کے ساتھ سخت غیظ و غضب تھا۔ غرض بہت سی قسم کی ایسی خوبیوں کے حامل تھے جن کی بناء پر کفر و فسق سے اُٹھنے والے بہت سے فتنے اُن کے وجودِ با برکت سے مضمحل تھے۔ اور خیر کے بہت سے شعبے ان صفات پر قوت پذیر اور ترقی کے رُخ پر تھے۔ اگرچہ ظاہر میں انسان اسباب و وسائل سے ان کا جوڑ سمجھتے تھے۔ اور آج وہ اسباب و وسائل ہی اُن شعبوں کی ترویج کے لئے ساعی ہونگے لیکن ان صفاتِ عالیہ کا فقدان غیبی نصرتہائے خداوندیہ سے محرومی کے خطرات سامنے لا رہا ہے بہت سے خیر کے شعبے مضمحل اور بہت سے فتنہائے مُضِلّہ سے ابھرنے کے خطرات سامنے ہیں لہٰذا یہ مصیبت اس دنیا میں پیش آنے والے مصائب میں سے شدید ترین مصیبت ہے اور ان صفاتِ عالیہ کے اکتساب کے لئے محنت و مجاہدہ ہی ان خطرات کا علاج ہے۔ ذواتِ انسانیہ فناء ہی کے لئے ہیں۔ حق تعالےٰ نے موت کا فیصلہ پہلے فرمایا اور ذات انسان کی خلقت بعد میں فرمائی لیکن صفات فنا کے لئے نہیں بلکہ اس عالم کے رہنے والوں میں منتقل ہونے کے لئے ہیں۔ اور ان کے اکتساب سے وہی محنتیں اور ریاضتیں مطلوب ہوں گی جس پر جانے والے کو حق تعالےٰ شانہٗ نے اپنی صفاتِ مرضیّہ سے نوازا۔ جب ان صفات کے اکتساب پر محنتوں کا سلسلہ قائم رہے گا۔ صفات رہنے والوں میں منتقل ہوتی رہیں گی اور یہ زمین و آسمان اسی طرح قائم رہے گا۔ اور خیر کے سارے شعبے اسی طرح چلتے رہیں گے۔ اور جب اکتسابِ فیوض سے رُخ دوسری طرف پڑ جائے گا۔ صفاتِ حسنہ کے سلسلے کم ہوتے چلے جائیں گے۔ بلایا کی بکھیر اہلِ عالم پر بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ ان صفات کے فنائے کُلّی پر فناء عالم کے ہولناک مناظر آنکھوں کے سامنے آ جائیں گے۔ اگر حق تعالےٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اپنی صفاتِ مرضیّہ پر قائم ہونے کا رُخ پیدا فرما دیں تو بڑی سے بڑی ہستی بھی اس عالم سے جائے تو اُس کے جانے پر واقع ہونے والے فتنوں کا رہنے والوں کے ذریعہ انسداد فرما دیتے ہیں۔ اور اپنی راہ کی ترقیّات کے میدانوں کو ترقی پذیر فرما دیتے ہیں اور جانے والی ذات اگرچہ فناء ہو جاتی ہے لیکن متوسّلین و متعلقین میں صفات کی راہ سے وہ زندہ شمار کی جاتی ہے اور اس سے متعلّقہ نعمتیں چلتی رہتی ہیں۔ تمام اولیائے کاملینِ امتِ محمدیّہ رحمہم اللہ اجمعین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے مقابلہ میں ایک جزو کی سی بھی حیثیت نہیں رکھتے مگر ان کی عظیم و اعلیٰ ترین ذاتِ گرامی نے بھی جب اس عالم کو چھوڑا اور ارتدادِ عام کے ہولناک مناظر اس امت کے پاکیزہ نفوس کے سامنے آئے تو ان میں نفوسِ قدسیہ نے صفاتِ نصرتہائے خداوندیہ کو اصل قرار دے کر دین کی سرسبزی اور فروغ کے لئے محنت کے میدان قائم کئے اور ان صفات محمدیّہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصاف کے ذریعہ خداوند قدّوس کے مناظر نصرت کے قیام کے ساتھ دارین کی ترقیّات حاصل کر کے اہلِ عالم کے لئے ذواتِ طیّبہ کے انتقال کے موقعوں پر اللہ رب العزّت کی مددیں حاصل کرنے کے ضوابط و اصولِ اہلِ عالم کے سامنے پیش کر دئے تاکہ جب بھی اس قسم کی مصیبتیں آئیں اصل مصیبت کو سامنے لا کر اصل علاج میں اپنے کو مشغول کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّمَا أَحَدٌ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فَلْيَعْتَزَّ بِمُصِيبَتِهِ بِيْ عَنِ الْمُصِيبَةِ الَّتِيْ تُصِيبُهُ فَإِنَّ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِيْ لَنْ يُصَابَ بِمُصِيبَةٍ بَعْدِيْ أَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ مُصِيبَتِيْ

(رواہ ابن ماجۃ کما فی الکنز)

لِكُلِّ اخي مشكل عزوۃٌ وّاُسوۃٌ

اذا كان مِن اهل التقى فى محمّدٍ

اِصبر لكلّ مصيبةٍ وَتجلّدا

وَاعلمْ بانّ المرءَ غيرُ مخلّدِ

وَاذا ذكرتَ مصيبةً تسلو بها

فاذكرْ مصابكَ بالنّبىّ محمّدٍ

ولوكانَ فى الدّنيا بقاءٌ لساكنٍ

لكانَ رسولُ الله فيها مخلّدا

وَمَا اَحَدٌ ينجو منَ الموتِ سالماً

وَسهمُ المنايا قد اصابَ محمّدا

وَهَل عَدَلَتْ رزيةٌ هالكٍ

رزيةَ يومٍ مَاتَ فيهِ محمّدٍ

فجودى بالدّموعِ و اعدلى

لِفقدِ الّذى لا مثلهُ لِلدّهرِ يوجدُ

وما فقد الماضون مثل

ولا مثلهُ حتّى القيامةِ يُفقدُ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب کی اصل کی طرف رہبری فرمائی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امت سے جدا ہونے کی بناء پر ہر وقت کی مصیبت ہے لیکن اس کے صحیح اوقات وہی ہیں جس کسی مصیبت کے رنج و غم میں ہم مبتلا اس قسم کے سارے مصائب ہی ا ہیں کہ آپ کی جدائی کی مصیبت میں مبتلا ہیں ورنہ کل مصيبةٍ بعدك کے اعتبار سے اگر آپ تشریف فرما ہو ہماری مصیبت مصیبت ہی نہ ہوتی - ا اس مصیبت کی اگر اصل مصیبت کا احسہ

باقی صفہ

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

سلطان محمد مردانی چک ۲۰۲ - گ ب ضلع لائل پور

موت کی آمد یقینی ہے اور آمد کا وقت بھی مقرر ہے۔ وقت مقررہ سے ایک سیکنڈ بھی پس و پیش نہیں ہو سکتی۔ چھوٹے بڑے۔ اچھے بُرے۔ عالم جاہل سب ہی قسم کے افراد اس کا لقمہ بنتے ہیں۔ موت سے کسی کو رہائی نہیں مل سکتی ہر کہ ومہ کے لئے موت کی آمد ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات پر غالب ہے۔

فائدے اور نقصان کے اعتبار سے مرنے والوں کی چار موٹی موٹی قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ جن کا عدم وجود سے بہتر ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی نفس امارہ کی پیروی میں گذرتی ہے۔ جن کی راتیں رقص میں کٹتی ہیں۔ جن کے دن کمزور و ناتواں انسانوں کے خون چوسنے میں گذرتے ہیں۔ جن کے ہاں عیش ونشاط کی محفلوں کو بارونق رکھنے کے لئے اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لئے ظلم وستم۔ جور و جفا کا ہر وہ حربہ استعمال کرنا جائز ہے جس سے ان کے جذبۂ شیطنت کو تسکین ہوتی ہو خواہ یہ تسکین کسی کی عزت نفس پر ڈاکہ ڈالنے سے ہو یا مال وزر پر ہاتھ صاف کرنے سے یا کسی اور طریقہ سے ہو۔

غرض ان کی زندگی کا مقصد خواہشات نفسانی کی تکمیل ہی ہوتا ہے۔ اس قسم کے درندہ صفت لوگوں کی موت مظلوم انسانوں کے لئے پیغام حیات ہوتی ہے۔ ایسے ہی جور پیشہ۔ خون آشام ظالم و جابر قسم کے لوگوں کے بارہ میں شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

ظالمی خفتہ دیدم نیم روز
گفتم این فتنہ است خوابش بردہ بہ
وانکہ خوابش بہتر از بیداری است
آنچناں بد زندگانی مُردہ بہ

ترجمہ: میں نے ایک ظالم کو دیکھا جو دوپہر کے وقت خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا [illegible] نے کہا اس فتنہ انگیز ظالم کا سونا ہی بہتر [illegible]۔ جس شخص کی نیند بیداری سے بہتر ہو [illegible]ے بدمعاش کا مرنا ہی اچھا ہے۔ تاکہ مظلوم اسکی [illegible]یرہ دستیوں سے محفوظ ہو جائیں۔

۲۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا عدم و وجود یکساں ہوتا ہے نہ موت سے نقصان نہ حیات سے فائدہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود بھی کسی پر بار نہیں ہوتے اور دوسروں کا بوجھ بھی ان پر نہیں ہوتا۔ یعنی بے ضرر ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جن کا وجود عدم سے تو اچھا ہوتا ہے مگر ان کی موت سے صرف ایک گھرانہ یا ایک خاندان یا علاقہ متاثر ہوتا ہے ایسے آدمی کی موت باعث نقصان تو ہوتی ہے مگر محدود علاقے اور محدود افراد کے لئے۔

۴۔ چوتھے وہ ہیں جن کا وجود عدم سے بدرجہا افضل ہوتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پاکیزہ قلوب میں پوری انسانیت کا درد رکھتے ہیں۔ جن کی زندگی کے قیمتی لمحات انسانیت کی فلاح و نجات کی فکر میں بسر ہوتے ہیں، انہیں اپنے خدا پر بھروسہ و اعتماد ہوتا ہے اور رضاء الٰہی کے لئے دن رات کوشش کرتے ہیں خالق سے ٹوٹی ہوئی مخلوق کو خالق سے جوڑنے کے لئے اپنی جان و مال اہل وعیال تک کو قربان کرنے میں ذرا سی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ان میں بھولے بھٹکے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کا جذبہ جنوں کی حد تک موجود ہوتا ہے۔ یہی وہ اعیان امت ہیں جن کی وفات حسرت آیات سے سارے جہان کو صدمہ ہوتا ہے۔ ایسے اشخاص کی موت عالم کی موت ہوتی ہے یہی لوگ کرۂ ارضی کے سکان میں آسمان کی حیثیت رکھتے ہیں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی سلک مروارید کے ایک گوہر گراں بہا تھے مولانا محمد الیاسؒ نے تبلیغ کے جس پودے کو اپنے دست مبارک سے نظام الدین دہلی کی سرزمین میں لگایا تھا۔ اس پودے کی آبیاری کرنے والے۔ اسے تناور درخت بنا کر اس کی شاخوں کو دور دراز ممالک تک پھیلا کر ترقی دینے والے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ننھے پودے کو دن رات کی محنت شاقہ سے اور سعی پیہم سے شجرہ طیبہ بنایا تھا اور اس حد تک ترقی دی کہ اب بیرونی ممالک میں تبلیغی مراکز قائم کئے جا چکے ہیں اور قائم ہو رہے ہیں اور بے شمار تبلیغی وفود ہر سال اندرون ملک اور بیرون ملک بھیجے جا رہے ہیں جن سے بفضل خدا خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ فضل ایزدی اور پھر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی انتھک کوشش کا نتیجہ ہے اب جبکہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے درمیان سے رحلت فرما چکے ہیں صرف جماعت ہی نہیں بلکہ سارا عالم حضرتؒ کا سوگوار ہے۔ اس لئے کہ چشم فلک کو روز روز ایسی ہستیوں کی دید نصیب نہیں ہوتی ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی زندگی قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی جیتی جاگتی عملی تفسیر ہوتی ہے۔ ایسے افراد کی وفات سے پس ماندگان کو تو بے پناہ غم والم لاحق ہوتا ہے مگر خود وفات پانے والوں کی ارواح مقدسہ کو قفس عنصری سے پرواز کرنے سے قبل ہی یٰاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کی بشارت عظمیٰ مل جاتی ہے جس کے آثار و علامات منور پیشانی اور تبسم کناں لبوں پر نمودار ہو کر زائرین کو رشک دلاتے ہیں بقول شاعر مشرق ؎

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

یوں تو تبلیغ کا کام علماء کرام انفرادی طور پر اپنی اپنی جگہ پر بھی انجام دے رہے ہیں۔ مگر جس طرزِ تبلیغ کی بنیاد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی ہے اس میں بے پناہ اثر ہے۔ اتنا اثر انفرادی طور پر تبلیغ کرنے والے واعظین کی "شعلہ بار" تقریروں سے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ وجہ یہ ہے کہ عام مبلغین حضرات وعظ و نصیحت کا شوق تو رکھتے ہیں مگر اصول تبلیغ کی پابندی گوارا نہیں فرماتے جس کا اثر اتنا ہی ہوتا ہے کہ دوران تقریر سامعین واہ و تحسین کے فلک بوس نعروں سے "مرد آتش بیان مقرر" کو تو خوش کر دیتے ہیں۔ مگر فرمودات مقرر پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ بلکہ بعض اوقات تو سامعین کو بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان باتوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا تو خود مقرر صاحب بھی پیکر عمل ہوتے غرض اصول تبلیغ کو نظر انداز کر دیا جائے تو تبلیغ کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا (الا ماشاء اللہ)

تبلیغ کے اصول چند ایک درج ہیں۔

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

از:- مولانا محمد ادریس انصاری - صادق آباد

مولانا محمد یوسف شہیدؒ

طالب علم کی حیثیت میں

اپریل ۱۹۶۵ء کا مہینہ دن کے ۷ یا ۸ بجے چائے سے فارغ ہو کر مطب جانے والا تھا - کہ دستک کی آواز آئی - مطب آیا - تو ایک مریض کو دیکھا جس کے ہاتھ میں "کوہستان" لاہور کا اخبار تھا - مرض معلوم کیا - دواء تجویز کی - دوائی دی - اور استعمال کی ہدایات مریض نے پہلی خوراک، استعمال کرتے کی تیاری کی تو میں نے کہا - عرصہ ہو گیا اخبار دیکھے ہوئے - لائیے اپنا اخبار - دیکھوں دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ مریض نے اخبار دیا - تھوڑے ہی وقت میں اخبار کی جلی سرخیوں پر سرسری نظر ڈالی - مگر کوئی دلچسپ عنوان نظر نہ آیا - اخبار کا پچھلا حصہ دیکھا - سرخیوں پر نظر کرتے ہوئے ایک ماتمی حاشیہ والی سرخی پر نظر پڑی - ہندو پاک کے جید عالم مولانا محمد یوسف دہلوی حرکت قلب بند ہونے سے لاہور میں وفات پا گئے - مضمون پڑھا تو اس میں وفات اور مولاناؒ کے متعلق تفصیلاً لکھا ہوا تھا - مگر پوری تفصیل پڑھ کر قلب مولاناؒ کے انتقال کو تسلیم نہیں کرتا تھا - پھر پڑھا - اور اس کے مندرجات کو بار بار پڑھ کر یقین آیا - کہ مرحوم مولانا محمد یوسف نے اللہ کے فضل سے مَوْتُ الْغُرْبَةِ شَهَادَةٌ کا مقام بھی پا لیا ہے -

اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی - دل کو منواتا تھا پر دل نہیں مانتا تھا آخر - کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام والی آیت نے شک اور یقین کی جنگ میں حضرت جی کی موت کا یقین غالب کر دیا - تین یوم تک حواس مختل رہے ہمیشہ پڑھنے والی دعائیں بھی ذہن سے نکل گئیں - مگر تابکے - دل کو سمجھایا کہ مولانا - اگر چل بسے - تو کیا ہوا - ان کا کام دین پر محنت" ان کے بیانات، اور مرحوم کی تصنیفات مولانا کا بدل اور ان سے محبت و اخلاص والوں کے لئے مرحوم گئے نہیں بلکہ ان میں موجود ہیں ؎

چونکہ شد خورشید ما را کرد داغ
چارہ نہ بود در مقامش جز چراغ
چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم" از گلاب

وفات کہوں - یا شہادت کے چند دنوں بعد احباب نے تبلایا کہ خدام الدین" حضرت جی نمبر" نکال رہا ہے جس میں حضرت جی کے حالات زندگی قلمبند کئے جائیں گے ۔ "حضرت جی" "شہیدؒ" کے حالات و واقعات فلاں تاریخ تک دفتر خدام الدین میں بھجوا دیئے جائیں - مگر اس دعوت کے باوجود قلب میں داعیہ لکھنے کا پیدا نہ ہوا - اس لئے کہ مرحوم حضرت جی" اور ان کے والد ماجد قطب العالم حضرت محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ" اپنے حال و قال کی اشاعت و تشہیر سے بہت گریز فرمایا کرتے تھے - بالخصوص حضرت قطب العالم مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ اس مسئلہ میں بیحد محتاط تھے - کہ ان کی تحریک کا کوئی تذکرہ بھی اخبارات و رسائل میں نہ آنے پائے -

بنا بریں" خدام الدین" جو اس وقت نہایت سادگی و سلامت روی کی راہ اختیار کئے قرآن و سنت اہل اللہ" محققین صوفیاء کرام" کے مسلک کی ترجمانی کر رہا ہے - اس کی دعوت میرے لئے باعث کشش نہ ہو سکی - مگر، کچھ دن گذر جانے پر چودھری شاہ محمد صاحب، جو حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں تشریف لائے اور فرمایا کہ مولانا محمد یوسفؒ کا چونکہ تو ہمدرس رہا ہے اس لئے ان کے حالات لکھ کر" خدام الدین" کے "حضرت جی نمبر" کے لئے ضرور بھیجنا چاہیئے تاکہ اللہ کی مخلوق کے لئے ذریعہ ہدایت اور پیاسوں کے لئے باعث تسکین ہوں - چودھری صاحب کے ارشاد پر خیال میں یہ بات آئی کہ نمبر تو چھپ ہی جائے گا - حضرت جی کی سوانح حیات کا وہ حصہ شائع ہونے سے رہ جائے گا - جو میرے حافظہ میں محفوظ ہے - لیکن طبیعت اب بھی پوری طرح آمادہ نہیں ہوئی - آخر استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہم العالی کی خدمت اقدس میں سہارن پور استصواب کے لئے عریضہ ارسال کیا چونکہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اس عظیم کام کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے اور حضرت جی کو ان کے اس مقام پر پہنچانے میں در اصل حضرت شیخ الحدیث مدظلہم العالی کی توجہات و تربیت کو بہت بڑا دخل ہے ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ برید
ہم بعون ہمت مرداں رسید

میرے عریضہ کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا" خدام الدین کے حضرت جی نمبر" کے لئے شوق سے مضمون لکھو - میری طرف سے اجازت ہے ——— اس لئے چند سطور لکھ کر" حضرت جی نمبر" میں شامل ہو رہا ہوں

حیات مولانا محمد یوسف شہیدؒ کو پانچ شعبوں میں تقسیم کرتا ہوں -

(۱) "حضرت جی" طالب علم کی حیثیت میں -
(۲) "حضرت جی" عالم دین کی حیثیت میں -
(۳) "حضرت جی" مصنف و معلم کی حیثیت میں -
(۴) "حضرت جی" مصلح یعنی ایمان و یقین کے داعی کی حیثیت میں -
(۵) حضرت جی، زاہد فقیر اور درویش کی حیثیت میں -

اس وقت زندگی کے شعبہ علا پر لکھنے کا خیال ہے - کیونکہ دیگر شعبہ جات تو مرحوم کی مفصل سوانح میں ہی زیر بحث آ سکتے ہیں

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بچپن میری والدہ صاحبہ مدظلہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت جیؒ کی والدہ ماجدہ قطب العالم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ" سہارن پور کے قیام کے دوران اپنے حضرتؒ کی خدمت میں جایا کرتے تو مولوی یوسف کی عمر اس وقت ۳ سال سے کچھ اوپر ہو گی - حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جب گھر میں تشریف لاتے تو مولوی یوسف پر خاص شفقت فرماتے اور مولوی یوسف سے پوچھتے ہاں بھائی کہاں جاؤ گے - تو مولوی یوسف جواب دیتے حج کو جاؤں گا - فرماتے کس پر بیٹھ کر جاؤ گے -

تو کہتے - اس بکری کے بچے پر بیٹھ کر جاؤنگا
اس جواب پر حضرت بہت خوش ہوتے
اور پھر جب بھی تشریف لاتے یہی دریافت
فرماتے اور مولوی یوسف وہی جواب دیتے۔
حضرتؒ کے ایک خادمہ رہتی تھی - اس کی
بکری کا بچہ تھا۔ جس کے پیچھے مولوی یوسفؒ
دن بھر پھرتے رہتے اور کہتے - چل تیرے پر
بیٹھ کر میں حج کو جاؤں گا۔ حضرت مولانا
خلیل احمد صاحبؒ فرمایا کرتے - مولوی الیاس
کا یوسف۔ انیس کا ادریس - اور رحمتیؒ حضرت
کی خادمہ کا نام ہے" کا بکرا نیچے نیچے بڑھتے
ہیں - اوپر کو نہیں مطلب یہ ہوتا تھا کہ
سارے پستہ قد ہیں عمر کے لحاظ سے قد
نہیں کرتے - ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

حضرت جی طالبعلم کی حیثیت میں

۲۳ سال پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف قرآن پاک ختم
کرکے اپنے وطن انبٹہ پیر زادگان سے
فارسی پڑھنے کے لئے مظاہر العلوم سہارنپور کو
گیا۔ مدرسہ میں فارسی کے استاد مولانا محمد حسینؒ
سے حمد باری، آمدنامہ مصدر فیوض، تاریخ
حبیب الٰہ دو جز اسیر کتابیں ایک سال
میں پڑھ لیں - دوسرے سال شوال میں
حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے شاگرد مولانا
منیر الدین صاحب میواتی سہارنپور تشریف
لائے - اور حضرت والد صاحبؒ کو حضرت
کا پیغام دیا کہ ادریس کو میرے پاس
نظام الدین بھیجدو۔ حضرت والد صاحبؒ
نے مولانا کے فرمانے پر مجھے مولانا منیر الدین
صاحب کے ساتھ نظام الدین بھیجدیا - ریل
میں بیٹھ کر بہت خوش ہوئے - شام کو دہلی
اتر کر نظام الدینؒ پہنچا - جو ایک چھوٹی
سی بستی دہلی سے ۳ میل کے فاصلہ پر
ہے والدین کی جدائی نیا ماحول دیکھ کر اول
اول اداس رہتا - عصر کے بعد مسجد میں
بیٹھ کر گھر کی جدائی میں روتا تھا - مگر حضرتؒ
کی شفقت و محبت نے چند دنوں میں والدین
کی جدائی کو بھلا دیا - حضرتؒ نے مجھے اپنے
حجرہ میں ٹھیرایا - اپنے گھر سے میرا کھانا کیا -
اور اپنے ساتھ بٹھا کر ہمیشہ کھانا کھلایا - گویا
کہ حضرتؒ نے مجھے بھی اپنے گھر کے افراد
میں شامل فرمالیا - اپنے گھر کی حضرت کے گھر
میں جاتا تھا - اور اپنے گھر کی طرح حضرت
کے گھر میں بے تکلف کھاتا پیتا تھا - حضرت
جی مرحوم میرے ہم عمر تھے اور ہم بھائیوں
کی طرح رہتے تھے - دو چار دن بعد حضرتؒ
نے اپنے پاس مجھے کریما شروع کرایا - مطالعہ
کا طریقہ بتلایا - کریم اللغات دی - اور فرمایا جس
چیز کے معنی نہ آئیں اس میں دیکھ لو - اور
ایک ایک شعر کا ترجمہ از خود کرکے مجھے سنا
دیا کرو - اور فی شعر مجھ سے ایک پیسہ لے لیا
کرو - جتنے شعروں کو سناؤگے اتنے پیسے تمہیں
دوں گا - مطالعہ میں جو سمجھ میں نہ آئے پوچھ
لینا - سبق کے وقت مجھے کچھ بتلانا نہ پڑتے
حضرتؒ کے اس منفرد طریقۂ تعلیم سے کچھ
دنوں میں کریما پڑھنا آگیا - اور کریما پڑھا کر
دوسرے استاد سے نام حق شروع کرا دیا -
پھر سرور المحزون - بدائع منظوم اور مالابدمنہ
دوسرے استادوں سے شروع کرائیں -
حضرت جیؒ قرآن پاک حفظ کرچکے تھے
اور قاری معین الدینؒ صاحب سے تجوید کی مشق
اور قرآن پاک کی گردان کیا کرتے تھے -
قاری معین الدین صاحب حضرتؒ کے شاگرد
تھے اور غالباً حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
سے بیعت تھے مزاج کے سخت تھے مولانا
محمد یوسفؒ کی جب پٹائی کرتے تھے تو ان کی
صاحبزادگی کا قطعاً خیال نہیں کرتے تھے -
ان کے مارنے پر مولانا محمد یوسفؒ کی والدہ
ماجدہ دام ظلہا سن کر ناراض ہوتیں - مگر
حضرتؒ اس معاملہ میں بڑے صابر و ضابط
واقع ہوئے تھے - کبھی بھی قاری صاحب
سے جواب طلب نہ فرمایا - اور نہ ہی کبھی
ناراضگی کا اظہار فرمایا - جب فارسی میں چل
نکلا - تو کچھ عرصہ کے بعد حضرتؒ نے ہمیں
میزان الصرف خود پڑھانی شروع کی جس
میں مولانا محمد یوسفؒ - سید رضا حسن دہلوی
دہلی کے ایک بہت بڑے عالم میر محبوب علی
کے پوتے، مولوی انعام اللہ - مولانا عبداللہ
گنگوہی تیسیر المبتدی وغیرہ کے مصنف" کے
صاحبزادہ اور راقم الحروف شریک تھے -
گویا کہ صاحبزادگان کی یہ جماعت تھی جس کو
حضرت مولاناؒ خود عربی پڑھانا چاہتے تھے
اور بحمد اللہ تعالیٰ اس جماعت کے سب
شرکاء فارغ التحصیل ہوئے - حضرت مولاناؒ
نے پندرہ بیس دن میں میزان الصرف
اپنے خاص طرز تعلیم پر ختم کرادی -
میزان الصرف پڑھنے کے بعد ہمیں بحثوں
اور صیغوں کی اتنی مشق کرا دی - کہ ماضی
مزارع امر نہی - فاعل مفعول، اسم آلہ
وظرف، وغیرہ پر ہم سب ساتھیوں کو
پورا پورا عبور ہو گیا - کسی بھی مصدر سے
سے ماضی مضارع، امر نہی وغیرہ - ہم
بے تکلف بنا لیتے تھے - اور کسی بھی مصدر
سے صیغے بنا لینے - ہمیں مشکل نہیں معلوم ہوتے
تھے - اس کے بعد ہمیں منشعب شروع کرائی
اور اس کے ثلاثی مجرد و مزید کے ابواب
پر اس قدر ہم سے محنت کرائی - کہ منشعب
پڑھکر مجرد سے مزید اور مزید کی مجرد بنانے
میں ہمیں پورا پورا ملکہ حاصل ہوگیا - اس کے
بعد حضرتؒ نے جماعت کو صرف میر شروع
کرائی - اور جب ہمیں تعلیلات اور ہفت اقسام
کی پوری پوری مشق ہوگئی تو صرف میر کے
ساتھ پنج گنج دوسرے استادوں سے شروع
کرائی گئی -

یہ وہ وقت تھا جب کہ حضرتؒ کے ذہن
پر تبلیغ اتنی حاوی نہیں تھی - بلکہ عبادات
و مجاہدات پر زور تھا - صبح کی نماز پڑھ کر
حجرہ میں تشریف لے جاتے اور حجرہ بند فرما
کر نفی اثبات "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر بلند
آواز میں پوری شد و مد کے ساتھ فرماتے
رہتے - اشراق کی نماز پڑھ کر حجرہ کھولتے
مولانا محمد یوسف حجرہ میں چائے لاتے - دسترخوان
بچھتا اور حضرتؒ رفقاء کے ساتھ چائے نوش
فرماتے - غرضیکہ - حضرتؒ اور حضرت کے
مہمانوں کو ناشتہ اور کھانا کھلانے کی خدمت
مولانا محمد یوسفؒ کو ۱۲-۱۳ سال کی عمر میں
سپرد فرمادی تھی - اندر سے کھانا لانا -
اور فارغ ہو کر برتن لے جانا صاحبزادہ
صاحب کے ذمہ تھا - ناشتہ کے بعد اگر
مہمان ہوتے تو ان سے دریافت حال فرماتے
مصلے ساتھ لیتے گھڑی - اور ایک آدمی ساتھ
لے کر "عرب سرائے" کے ویرانہ یا ایک
میل دور حضرت نور محمد صاحبؒ بدایونی کے
مزار پر تشریف لے جاتے وہاں جاکر نوافل
پڑھتے - اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے
۱۱-۱۲ بجے کے قریب تشریف لاتے "حجرہ"
میں دسترخوان بچھایا جاتا اندر سے صاحبزادہ
صاحب کھانا لاتے رفقاء کی تلاش ہوتی -
اور کھانا شروع ہو جاتا - بعض اوقات
باسی روٹیاں گھر سے آتیں انگیٹھی سلگائی
ہوئی ساتھ آتی تو ہم سمجھ جاتے آج باسی
روٹیاں آئی ہیں - انگیٹھی پر روٹیاں گرم کی
جاتیں - اور گرم گرم روٹیاں خود حضرت
بھی تناول فرماتے اور رفقاء بھی - کھانا کھا
کر قیلولہ فرماتے - ظہر کی نماز مستحب وقت میں
ادا فرماتے نماز سے فارغ ہو کر عصر تک
طلباء کو مختلف اسباق پڑھاتے - مولانا محمد یوسف
صاحب پڑھنے پر زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے
ہم گرمیوں کی دوپہر میں یاد کیا کرتے اور
مولانا مرحوم حضرت نظام الدین اولیاء کی

باؤلی میں جاکر، دوپہر بھر پانی میں نہاتے رہتے اور تیرتے رہتے تیراکی میں بہت مشاق ہو گئے تھے۔ اور بہت ملکہ حاصل کر لیا تھا۔ چت لیٹ کر تیرتے تھے۔ اور غوطہ بھی کافی گہرا لگاتے تھے بڑی دیر کے بعد پانی سے باہر نکلتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد ساتھیوں میں سے کوئی چلا جاتا۔ اور صاحبزادہ صاحب کو سبق کے لئے بلا لاتا۔ اور مولانا مرحوم کے آنے کے بعد ہم حضرتؒ کے حجرہ میں سبق پڑھنے جاتے۔

عصر کی اذان تک حضرتؒ مختلف جماعتوں کو اسباق پڑھاتے نماز عصر کے بعد اگر باہر سے آنے والے مہمان ہوتے حجرہ میں یا حجرہ کے سامنے مجلس فرماتے، ہاتھ میں تسبیح ہوتی۔ درود شریف کا ورد فرماتے رہتے۔ اور اہل مجلس سے گفتگو بھی وقفہ وقفہ سے فرماتے رہتے بات کرتے کرتے۔ بعض اوقات آنکھوں میں آنسو آ جاتے جن کو شہادت کی انگلی سے پونچھ لیتے۔ اور بعض دفعہ نہایت سوز کے ساتھ فرماتے ہائے میرے اللہ میں کیا کروں؟

کبھی کبھی یہ شعر بھی درد انگیز طریقہ پر پڑھتے ؎

جی میں آتا ہے کہیں جوگی بنوں
در بدر مجھ سے پھرا جاتا نہیں

کبھی پڑھتے ؎

ارے یارو کسی کو دل نہ دیجیو
جو دو امید جینے کی نہ کیجیو

اگر مہمان نہ ہوتے تو گھر میں تشریف لے جاتے اور مغرب تک گھر میں رہتے۔ اور مغرب کے بعد اوابین پڑھتے۔ اور عموماً اذان عشاء کی ہوتی اور حضرتؒ اوابین سے فارغ ہوتے "

الغرض۔ جب صرف میں پنج گنج پڑھ رہے تھے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب سہارن پور سے تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث ہمارے حضرت کے بھتیجے ہیں۔ مگر حضرتؒ ان کا اس قدر اکرام فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ کے پیچھے۔ حضرتؒ نہایت محبت کے ساتھ ان کو۔ حضرت شیخ الحدیث کے لقب کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ سامنے مولوی زکریا کے نام سے پکارتے تھے۔

حضرت شیخ کو ہماری صرف کا امتحان دلایا گیا۔ اور پھر ہمیں حضرتؒ نے نحو میر خود شروع کرائی۔ اس کتاب پر بھی حضرتؒ نے اپنی عادت کے مطابق ہم سے بڑی محنت کرائی۔ اور صرف کے اصول کی حفاظت کے لئے قرآن شریف کے الفاظ لکھانے شروع کر دیئے۔ اس کی خانہ پُری کی کاپی دی اس میں ہمیں صیغہ۔ بحث۔ مادہ ہفت اقسام کی خانہ پُری کرنا ہوتی تھی اس طرح غالباً ۶ پارہ تک حضرتؒ نے قرآن پاک کے الفاظ ہمیں کاپی پر لکھائے۔ جس سے ایک تو ہماری صرف پختہ ہو گئی۔ دوسرے قرآنی الفاظ کے ترجمہ سے کافی واقفیت ہو گئی۔

نحو میر پڑھانے میں اچھا خاصہ وقت مشقوں پر خرچ فرماتے۔ اور اس میں ۱۷۔ اقسام منصرف غیر منصرف اسماء اشارات و موصولات وغیرہ اچھی طرح ہمارے ذہن نشین کرائے گئے۔

نحو میر ختم کرنے کے بعد ہمیں حضرتؒ نے قصیدہ بردہ شروع کرایا اور فرمایا قصیدہ کا ایک ایک شعر پڑھو۔ اس کی شرح لکھو پھر دوسرا شعر پڑھو اور شرح لکھنے کا طریقہ بتلایا۔ کہ اس طرح لکھو ؎

آمن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعا جری من مقلۃ بدم

ہمزہ استفہام کے لئے۔ من حرف جار اس کا مجرور ظاہر کرو۔ تذکر باب تفعل مادہ ذکر معنی یاد کرنا۔ جیران جمع جار کی ۷ اقسام میں لکھ کر کیا ہے۔ ذی سلم اشارہ اس کا مشارٌ الیہ ظاہر کرو۔ سلم کے معنیٰ اور ۱۷ اقسام میں لکھ کر کیا ہے، مَزَجْتَ کونسی بحث ہے صیغہ کیا ہے، باب اس کا کیا ہے غرضیکہ اسی طرح ایک حرف اور ایک لفظ پر ہمیں لکھنے کی تاکید فرمائی۔ اس سے صرف و نحو کی عملاً مشق بھی کرائی گئی۔ اور شرح لکھنے میں تالیف و تصنیف کے لئے بھی ہماری ذہن کو تیار کر دیا۔ چنانچہ حضرت جی کی شرح طحاوی اور حیات صحابہ کی تصنیف اُسی ذوق کی پیدا وار ہے جو اُن کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے ابتدا سے ہی شرح قصیدہ بردہ کی شکل میں پیدا فرمانے کی کوشش فرمائی تھی۔ قصیدہ بردہ کے بعد ہمیں قصیدہ بانت سعاد۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی چہل حدیث، شروع کرائی۔ جو ہمیں حفظ کرائی گئی۔

مجاہدہ و ریاضت

حضرتؒ توکل کو چندہ پر ترجیح دیتے تھے مدرسہ کا کوئی سفیر نہ تھا۔ اور نہ تین سال کے عرصہ میں باوجود انتہائی قریب ہونے کے میں نے کسی شخص کو مدرسہ کے چندہ کے لئے فرماتے ہوئے دیکھا۔ دہلی کے تاجر آتے تھے۔ مگر حضرت مدرسہ کی ضروریات اُن کے سامنے کبھی بھی نہیں رکھتے تھے۔ مدرسہ کے لئے حافظ عبدالحمید چربی والے " چربی کا کنستر بھجوا دیتے جو مدرسہ کے باورچی خانہ میں استعمال ہوتا تھا۔ پیاز خدا جانے کہاں سے آتے اُن پیازوں کو چھیل کر سالم آلو کی طرح شوربہ دار پکایا جاتا۔ روٹیاں۔ ایک بہت بڑے توے پر طلبا خود پکاتے تھے۔ سب کی ہفتہ میں ایک ایک دن باری آتی تھی سالن پکانا۔ روٹی پکانا مصالحہ پیسنا سب طلبہ کے ذمہ تھا ہفتہ میں ہماری جماعت کی بھی باری آتی اور اس میں صاحبزادہ محمد یوسفؒ بھی ہمارے ساتھ کھانا پکانے میں شریک ہوتے۔ ہم اُن سے مصالحہ ہی پسوایا کرتے۔ اور روٹی بھی پکوایا کرتے۔ مرحوم آٹا ہی پچاس ساٹھ طلبہ کی روٹی کا خود گوندھتے تھے حالانکہ کھانا مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے گھر سے کھایا کرتے تھے مگر اس سلسلہ میں مرحوم ہم سے ممتاز نہ تھے۔ ساتھیوں نے جو کام اُن کے ذمہ لگا دیا۔ بخوشی اس کام کو انجام دے دیا۔

جنگل سے جھاڑ جھنکار بھی چولھے کے لئے باری کے دن ہمیں بھی لانا پڑتے تھے اس میں بھی حضرت جی ہمارے ساتھ جاتے۔ اور جھاڑ کھینچ کھینچ کر جنگل سے لایا کرتے تھے۔

تیراکی کی تربیت

عصر کے بعد سارے مدرسہ کے طلباء کو حکم دیا کہ جمنا جو تقریباً میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بہتی ہے۔ وہاں جاکر سب طلبا دریائے جمنا میں نہا کر آیا کریں تاکہ سب طلباء کو تیرنا آ جائے۔ اُستاد ساتھ جاتے اور ہمیں جمنا میں نہلا کر واپس لے آتے۔ جمنا کے اس کنارے اس کنارہ تک کوئی طولاً تیرنا شروع کرتا اور کوئی عرض میں۔

سخاوت

مخلص جو ہدایا و تحائف لے کر حضرت کے لئے آتے وہ گھر بھجوا دیئے جاتے ناشتہ۔ یا کھانے میں دسترخوان پر آ جاتے۔ مگر حضرتؒ جی اندر سے حلوہ سوہن۔ حبشی حلوہ مٹھائیاں اور پھل لے کر آ جاتے۔ اور طلباء کے ساتھ بیٹھ کر اپنے حجرہ میں کھاتے اور ساتھی طلباء کو کھلاتے تھے۔ اس طرح پر حضرت جیؒ کا دسترخوان۔ دوپہر یا عشاء کے بعد علیحدہ ہوتا تھا۔

خیال یہ ہے کہ گھر میں جو بچی ہوئی

مٹھائی وغیرہ ہوتی - اس کو اس طرح پر ٹھکانے لگاتے تھے -

وضع داری تین سال تک میں حضرت جی رح کے قریب تر ساتھیوں میں رہا - اس عرصہ میں میں نے حضرت جی کو بازاروں میں گھومتے ہوئے - یا مقبرہ وغیرہ میں سیر سپاٹا کرتے ہوئے نہیں دیکھا - گھر مدرسہ یا دوپہر میں باؤلی میں نہانا - یا عصر کے بعد فٹ بال کھیلنا یا جمنا جا کر نہانا یا پھر مہمانوں کی خدمت اُن کے مشاغل تھے -

حضرت جیؒ کی پٹائی حضرت جیؒ کے ہاتھ سے حضرتؒ نے پڑھنے پر ہمیں کبھی نہیں مارا - اور نہ تین سال کے عرصہ میں میں نے دیکھا کہ حضرتؒ نے مولانا محمد یوسف کو مارا ہو - ایک دفعہ دہلی کے تاجر کا لڑکا جو مدرسہ میں پڑھتا تھا - روزانہ سائیکل پر دہلی سے آتا اور شام کو واپس ہو جاتا ایک روز میں نے کہا - میاں یوسف چلو تمہیں سائیکل چلانا سکھاؤں - مان گئے عصر کے بعد ہم نے سائیکل اس کی اٹھائی اور ہمایوں کے مقبرہ میں چلے گئے - وہاں میدان میں مولوی یوسف صاحب کو سائیکل پر بٹھا کر سائیکل چلانے کی مشق کرائی - شام ہو گئی - مغرب کے بعد واپس ہوئے یہاں عصر کے بعد ڈھونڈھ پڑ گئی - کہیں نہ ملے تو حضرت کو فکر ہوئی - ہم مغرب کے بعد آئے - تو کسی نے تبلا دیا - حضرتؒ مسجد سے نیچے اُتر کر آئے - مولانا یوسف صاحب کی پٹائی تو حضرتؒ نے کی - اور خوب کی - اور میری پٹائی - حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی مسواک سے کی جو کافی موٹی تھی اور خوب اچھی طرح ہم دونوں کی پٹائی ہوئی - جس سے یہ سبق دینا تھا کہ دوسرے کے مال کو بغیر اجازت آئندہ استعمال نہ کر سکیں - اس کے بعد یا اس سے پہلے حضرتؒ نے صاحبزادہ صاحب کو میرے سامنے کبھی نہیں مارا - یہ ہیں مختصر حالات حضرت جی اور اُن کی طالب علمی کے جو ہدیہ ناظرین ہیں — باقی حالات پھر انشاء اللہ کسی موقعہ پہ ر"

تیری محنت تیری ہمت دین کے کام آگئی
نسل آدم تجھ سے جینے کا سلیقہ پا گئی

ڈیرہ اسماعیل خاں میں ہفت روزہ خدام الدین کا تازہ پرچہ حافظ فیض محمد سے حاصل کریں

اعلان داخلہ

تشنگان علوم دینی کے لئے یہ اعلان موجب مسرت ہوگا - کہ بہاول پور میں محققانہ رجحانات کی آئینہ دار درس گاہ "دارالعلوم مدنیہ" میں طلباء کا داخلہ برائے تدریس علوم متداولہ تکمیل درس نظامیہ کا آغاز ہو چکا ہے - حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی - شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اور حضرت صاحبزادہ محمد عبدالہادی صاحب سجادہ نشین دین پور شریف مدظلہم العالی جیسے بزرگان دین کی سرپرستی کا شرف اس درسگاہ کو حاصل ہے - خواہش مند طلباء محرم الحرام اور صفر المظفر کے دوران داخلہ کی درخواستیں دے سکتے ہیں - طلباء کے قیام و طعام اور کتب کا انتظام دارالعلوم کی مجلس انتظامیہ کے ذمہ ہے

(مولانا) عبیداللہ (سابق شیخ الجامعۃ العباسیہ) مہتمم دارالعلوم
مدنیہ مسجد مچھی ہٹہ - بہاول پور

بیٹا گھر آ جاؤ

حافظ محمد سلیم - حافظ محمد نعیم جہاں کہیں بھی ہوں گھر آ جائیں والدہ ملنے کے لئے بیقرار ہے -

لبیب امیر علی - معرفت حاجی احمد نواز خاں ڈھی [illegible]
کاغان ڈویژن ایبٹ آباد

پاکستان میں حضرت جیؒ کے

"آخری سفر" کی روداد

از: حضرت مولانا جمیل احمد صاحب میواتی خلیفۂ مجاز حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

جو واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ان کو ذکر کیا گیا ہے۔ باقی بہت سی باتیں کسی سے نقل کی ہیں اور بہت سی باتیں مخصوص احباب کی زبانی معلوم ہوئیں۔ اس پر یہ مضمون پورا کیا گیا ہے۔

ملتان کے بعد کنگن پور، ٹل، راولپنڈی کا سفر رہا۔ کنگن پور میں مجمع کافی تھا مگر دلجمعی کم تھی۔ ٹل میں حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کی عجیب کیفیت تھی آپ نے سادگی اور جفاکشی کو ایک نعمت فرمایا کہ اسلام کی اصل مایہ ہے۔ اور اُن کی جوانمردی پر فرمایا کہ یہ آج مال حاصل کرنے پر خرچ ہو رہی ہے اس کو دین کی اشاعت پر خرچ ہونا چاہیئے تھا۔ ٹل کے سارے تاجروں نے تمام دکانیں اور بازار بند کر دئیے تھے۔ راولپنڈی میں پشاور، مردان اور سوات تک سے دیہاتی طبقہ کافی آیا ہوا تھا۔ جامع مسجد صدر میں اجتماع ہوا۔ اور حسب معمول خوب بارش ہوئی۔ رائے ونڈ میں تشریف لے گئے۔ دس پندرہ ہزار کا مجمع ہو گا۔ کھانے پینے کا نظام بھی بہت اچھا چلا۔ شہری طبقہ کافی آیا تھا۔ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کے بیانات بھی نرالے تھے۔

کلمہ کے نمبر کے ساتھ رب کی عبادت پر بہت زور دیا تھا۔ ایک عرب کے شیخ محمد سلیمان صاحب جو کہ تمام میونسپلٹی کے صدر ہیں۔ اور انشورنس کے محکمہ ڈائریکٹر بھی ہیں وہ بھی بھائی عبدالستار انجیر والوں کے ساتھ رائے ونڈ پہنچ گئے تھے اُن کا بیان بھی ہوا۔ انہوں نے علماء اکرام کی تعلیم کے ساتھ حلقہ میں شرکت بھی فرمائی اور بیان بھی عجیب انداز اور درد سے فرمایا کہ مختلف دوروں میں اللہ تعالےٰ مختلف شیوخ سے اپنے دین کا کام لیتے رہے اور اُس صدی میں حضرت شیخ محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے کام لیا ہے اور امت کی رہبری فرمائی ہے اب مسئلہ علماء کرام کے ہاتھ میں۔ اگر آپ کھڑے ہو جائیں تو امت کی ڈوبتی کشتی سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچ جائے گی۔ اور اس کام کے ظاہر ہونے کے بعد اگر اس میں غفلت ہوئی تو خطرۂ عظیم ہے۔ علماء کرام کے مجمع کو خوب رلایا اور خود بھی روئے۔ تین چار مختلف کالجوں کے طلباء بھی آئے ہوئے تھے۔ اُن سے خالد صاحب لیکچرار علی گڑھ یونیورسٹی نے خصوصی بات چیت کی۔ طلبار نے بہت اچھا اثر لیا۔ انہوں نے بتلایا کہ کس طرح علیگڑھ یونیورسٹی کمیونزم کا اڈہ بنی ہوئی تھی۔ اور اب پھر کس طرح دین کی فضا اس کام کی برکت سے پیدا ہو رہی ہے اور اب کے علی گڑھ کے تمام پروفیسروں کا اجتماع ہوا اور اس میں حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کی تقریر ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ سب کچھ چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جانا اور تزکیہ اختیار کر لینا۔ اور اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی طرف چلنا یہ ولایت کا ادنیٰ درجہ ہے اور دوسرا ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ کہ جس شعبہ میں چل رہے ہیں اس کو ولایت والوں کی صفات سے چلانا اس کے لئے اپنے اپنے شعبوں سے نکل کر اپنا اپنا یقین، عبادت اور اخلاق بنانے کی ضرورت ہے۔ ان چیزوں کو بنا کر پھر شعبوں میں لگایا جائے۔ اب کے کالج کے طلبار نے کثرت سے اوقات لکھائے۔ "ستر" جماعتیں نکلیں۔ جماعتیں رخصت ہونے کے وقت حضرت کی رقت انگیز تقریر نے عرب شیخ تک کو رُلا دیا۔ اجتماع کے بعد جنرل صاحب کے یہاں اور عبدالرحمٰن صاحب قریشی جی۔ ایم۔ اے۔ ڈی۔ سی کے یہاں افسروں کا اجتماع ہوا۔ دونوں جگہ ملا کر تقریباً ایک صد افسروں، کالج کے پروفیسروں نے بات کو سنا۔ لاہور میں تین شب قیام کے بعد ایک دن کے لئے نونار گاؤں نارووال کے پاس میواتی لوگوں کا اجتماع رہا۔ اس اجتماع میں حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ نے سکرات الموت اور غمرات الموت سے بچنے کی بار بار دعا کی حضرت کو اس سے پہلے کبھی اتنی کثرت سے یہ دعا کرتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اس علاقہ کے اجتماع سے حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ بہت خوش ہوئے اور علاقہ کو دعا بھی دی۔ اس اجتماع میں ایک پیر صاحب بھی بیعت ہوئے عیسائی بھی شریک بیان رہے اور بہت اثر لیا۔

پھر تین دن رائے ونڈ مقام رہا اور ہر صبح مختلف ایمان افروز بیان ہوئے۔ ایک دن بیان کیا۔ امت کیسے بنی؟ اور اس کا عروج و زوال کیا ہوتا ہے؟ ایک دن یہ کام کیا ہے۔ دعوت، نظم، ذکر و نماز کو زندہ کرنا۔ اور انتظامی امور سب اس کے تابع ہیں۔ اصل نہیں ہیں اور ان کو کام نہ بنایا جائے۔ اور تیسرے دن یہ فرمایا۔ اس کام سے ماحول بنے گا اور کسی کے دل میں درد پیدا ہو گا اور فکر لگے گا۔ کہ یہ امت کس طرح سے یہود و نصاریٰ کے ہاتھ سے چھوٹے اور اس کی درد بھری آہ و زاری پر منجانب اللہ اس امت کے دوبارہ چمکنے کی صورت پیدا ہو گی۔ جیسے تاتاریوں کے زمانہ میں ۲۲ لاکھ مسلمانوں میں سے ۱۷ لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ پھر حضرت شیخ المشائخ سیدنا شہاب الدین سہروردی نور اللہ مرقدہٗ کے فکر پر دروازہ کھولا۔ اکبر کے دین الٰہی پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ہاتھوں دروازہ کھلا۔ خصوصی مجلسوں اور مشوروں میں عجیب عجیب نصیحتیں فرماتے رہے۔ طبیعت پر ۵۲ روزہ سفر مشرق و مغرب کا اثر تھا۔ کمزوری اور نقاہت کے اثرات تھے۔ دیہاتوں کے کام کے بڑھانے پر خصوصی زور دیا اور فرمایا آئندہ سال ہمارے سفر میں اجتماعات کو دیہاتوں میں رکھا جائے اور شہری طبقہ کو دیہات کی فضا میں لا کر بات سنائی جائے۔ سرحدی علاقہ میں کام کو بڑھایا جائے اور مشرقی پاکستان میں کوشش کو بڑھایا جائے اور اسلامی ممالک میں اسلامی جماعتوں کو بھیجا

جائے۔ یہ خصوصی تقاضے بیان فرمائے شفقت بہت تھی (جمعرات یکم اپریل کو) عصر بلال پارک میں پڑھی۔ بدھ کے روز سے گلے سے معدہ تک سانس کی نالی میں چبھن کی شکایت کرتے رہے۔ اس دن یہاں فرمانے کو طبیعت آمادہ نہیں ہو رہی تھی لاہور کے دوستوں نے زور دیا کہ شہری مجمع کثیر تعداد میں آیا ہوا ہے اور مسجد اوپر نیچے سے بھری ہوئی ہے۔ اور یہ اس سفر کی آخری تقریر ہو گی کیونکہ جمعہ کو ریل سے روانگی تھی۔ طبیعت کے خلاف ہمت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور سوا گھنٹے تک طویل تقریر فرمائی۔ آواز میں نقاہت تھی اور درد عیاں تھا۔ تقریر سے پہلے مولانا انعام الحسن سے فرمایا کہ ہماری منزل پوری ہو چکی ہے انہوں نے عرض کیا ابھی تو ملکوں کے فیصلے کرانے ہیں۔ حضرت جی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ اسکیم تو تیار ہو گئی ہے۔ اب کرنے والے کرتے رہیں گے۔ فرمایا بڑے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کس عمر میں وصال فرمایا۔ عرض کیا ۶۳ سال۔ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، عرض کیا ۶۳ سال۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، عرض کیا ۶۳ سال میں انتقال فرمایا۔ کچھ دیر سکتہ فرمایا پھر فرمایا۔ ۶۳ سال ٹھیک ہے۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا یہ مشورہ کی چیز تو تھوڑی ہے کہ سب اپنے لئے طے کر لیں مولوی شمس الدین قاری بدر الدین میواتی کے بھائی سے فرمایا تم سب ہندوستان چھوڑ آئے ہو۔ وہ خاموش مؤدب کھڑے رہے۔ فرمایا اچھا حضرت شیخ وہاں ہیں بہت کافی ہیں پھر تقریر کے لئے تشریف لے گئے اور تقریر کے دوران پسینہ آتا رہا۔ ۱½ گھنٹہ بیان فرمایا۔ تشکیل کے وقت تک تھک چکے تھے مگر جبر کر کے بیٹھے رہے۔ کیونکہ عزت پوری صاحب کے یہاں کا نکاح پڑھانا تھا اور سر سے ٹوپی اتار دی اور پسینہ پونچھتے رہے۔ ٹھنڈا پانی منگوا کر پیا۔ سانس کی نالی کی تکلیف کو اس طرح پانی پی پی کر رفع کیا کرتے تھے۔ نکاح اور دعا مختصر کرائی اور اندر سے نکل کر باہر تشریف لے آئے۔ مسجد سے نکل کر باہر تشریف لے آئے۔ مسجد سے نکل کر حاجی صاحب کی بیٹھک کے سامنے فرمایا مجھ کو سنبھالو۔ سعید بن صدیق صاحب اور ریاض لاہوری نے گلے اور کمر کو ہاتھوں سے سہارا دیا۔ بھائی یعقوب کے دروازہ میں داخل ہوتے ہی

لڑکھڑائے اور غشی طاری ہوئی۔ بھائی احسان یعقوب وغیرہ کو آواز دی گئی۔ اور سب نے مل کر چارپائی پر لٹایا۔ نبض بند ہو چکی تھی۔ مولوی ضیاء الدین جس کے بھائی حکیم عبدالحی صاحب کو اور ان کے صاحبزادہ حکیم احمد حسن صاحب نے ان کے پاس جیب میں جواہر مہرہ تھا وہ دودھ میں دیا گیا تو ہوش آیا۔ تقریباً چار یا پانچ منٹ بے ہوش رہے تھے۔ کچھ طبیعت سنبھلی تو کرنل ضیاء اللہ صاحب کو بلایا گیا یہ ماہر قلب ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دل کی بیماری کا شدید حملہ ہے اس سے بچ جانا ایک کرامت ہے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہیں نبض ۵۶ خون کا دباؤ ۹۰ تھا۔ ڈاکٹر نے ہسپتال کے لئے بہت اصرار کیا۔ اور قطعی حرکت سے منع کیا۔ یہاں تک کہ کروٹ بھی خود نہ بدلیں اور کمبل بھی خود نہ لیا کریں۔ رات کے پونے تین بجے عشاء کی نماز پڑھی۔ رات بے چینی میں گذری۔ نیند کا ٹیکہ لگایا گیا۔ کچھ نیند ہوئی۔ صبح کو اٹھے تو طبیعت میں بشاشت تھی۔ پوچھتے رہے رات کو کیا ہوا تھا۔ ایک دوست اورنگ زیب پٹھان کے علاقہ اور وہاں کے لوگوں میں کام کرنے کی اہمیت کو بتایا۔ فرمایا کہ یہ ہماری ریڑھ کی ہڈی ہے۔ حکیم عبدالحی کو فرمایا کہ جماعت لے کر جاؤ۔ رات کو ڈاکٹر صاحب نے اشارہ سے نماز پڑھنے، اور مکمل آرام کرنے اور رہینؔ یوم قیام کرنے کو فرمایا ہے۔ جمعہ کی صبح کو حکیم صاحب سے دریافت فرمایا گیا آپ کی بھی یہ ہی رائے ہے انہوں نے کہا کہ ہمارے احباب میں بھی یہ ہی رائے مذکور ہے۔ کیونکہ حرکت ہونے سے دورہ کا پھر خطرہ ہو جاتا ہے۔ قریشی صاحب سے فرمایا کہ آرام کے دوران میں تقریر کی سفارش تو نہ کرو گے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا۔ اگر تمہارا کوئی خاص آدمی آ گیا تو! عرض کیا گیا پھر بھی نہیں فرمایا اگر ہمارے جی میں آ گیا تو! اس پر قاری رشید صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم سب مل کر آپ کو روک دیں گے۔

اگلے روز صبح کرنل ضیاء اللہ صاحب نے تشریف لاتے ہی پوچھا سانس کی کیفیت، اور کھانسی تو نہیں ہے۔ کہا گیا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے زور سے الحمد للہ کہا اور اتنی جلدی صحت میں ترقی ہمارے خیال سے باہر کی چیز ہے۔

اکثر نبض ۱۱۰ رہا کرتی تھی۔ خون کا دباؤ ۱۲۸ تھا حالت اچھی تھی۔ چائے، ڈبل روٹی کھائی۔ دل کی حرکت کا

تحریری چارٹ کا ریڈیوگرام بھی لیا گیا۔ مرض اپنا اثر کچھ چھوڑ گیا تھا۔ اب ڈاکٹر صاحب نے ہسپتال کا زور نہیں دیا کہ ڈاکٹر اسلم صاحب نگرانی کرتے رہیں گے۔ نیند آتی اور آٹھ دس منٹ بعد اکھڑ جاتی۔ سہارنپور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ تاکہ چند روز آرام کے بعد جائیں۔ جمعہ کا وقت ہوا تو ہم سب نماز کو چلے گئے۔ خطبہ کے ختم ہونے پر صفیں سیدھی ہو رہی تھیں کہ بھائی خدا بخش نے ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کو اونچی اونچی آواز دی وہ گئے سانس کی تکلیف شروع ہو چکی تھی قاضی صاحب۔ عبدالقادر صاحب کو بلوایا۔ ان کا ماتھا پہلے ہی ٹھنک چکا تھا۔ انہوں نے کہا وقت قریب ہے آپ پڑھیں۔ فرمایا تم بھی پڑھو۔ یہ تکلیف دوپہر دو گولیاں کھانے کے بعد شروع ہو گئی تھی۔ فرمایا مجھے نماز پڑھاؤ اور مختصر پڑھاؤ۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے نماز پڑھائی تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ دوبارہ حملہ شروع ہو گیا ہے۔ آکسیجن کے لئے ہسپتال لے جانا ضروری ہے۔ آمادہ نہیں ہوئے تھے۔ جب حضرت مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ حضرت عورتیں نہیں ہوں گی۔ تو آمادہ ہو گئے۔ اتنے میں سانس کی کھڑکھڑاہٹ شروع ہو چکی تھی۔ ربی اللہ ربی اللہ فرما رہے تھے۔ مولوی الیاس نے بتایا کہ شام کی دعائیں پڑھنی شروع کر دیں (سبحان اللہ حین تمسون.... الی آخرہ) بھائی یعقوب نے کہا۔ کہ ایک انگلی اٹھا کر (انجز وعدہ ونصر عبدہ جس دن مکہ شریف فتح ہوا تھا اس دن جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھی تھی وہ پڑھنے لگے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی دعا پڑھتے رہے۔ اور پھر کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اور قریشی صاحب کی کار میں لٹایا گیا۔ اور لیٹتے وقت اپنے جسم کو اندر کار میں کھینچا جس سے مولوی الیاس صاحب کو کافی طاقت محسوس ہوئی۔ مفتی صاحب بھائی گلزار کی کار میں ڈاکٹر منیر صاحب کو آگے لے کر چلے تاکہ آکسیجن کا انتظام کریں۔ حضرت جی کی کار پیچھے آ رہی تھی۔ اس میں مولانا انعام الحسن صاحب، ڈاکٹر اسلم صاحب، مولوی محمد الیاس صاحب میواتی تھے۔ ریلوے ورکشاپ کا پل پار کر کے گڑھی شاہو کے چوک کے قریب دریافت فرمایا۔ ہسپتال کتنی دور ہے

عرض کیا گیا ابھی آدھا فاصلہ باقی ہے کلمہ پڑھ رہے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اس کے بعد زبان پھول گئی آنکھیں پتھرا گئیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کر دی تھی۔ بس وقت موعود آ چکا تھا (۲۹ر ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ ۱۲۔ اپریل ۱۹۶۵ء ۲ بجے کے بعد) روح مبارک پرواز کر گئی۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

اکیس برس جو دن رات جان کھپتی رہی۔ یوں اللہ کی راہ میں وطن سے دور چلی گئی مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا کہ ہسپتال مت لے جاؤ۔ واپس چلو۔ مگر ڈاکٹر اسلم صاحب کا خیال آکسیجن دینے کا تھا۔ پانچ چھ منٹ بعد ہسپتال آیا۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے کار میں سے نکالنے کو منع فرمایا۔ مگر ڈاکٹر اسلم صاحب کے فرمانے پر نکالا گیا اور ہسپتال میں لایا گیا چار پانچ منٹ دو تین ڈاکٹر مل کر آکسیجن دیتے رہے۔ جسم کو دباتے رہے اور دو ٹیکے بھی دئے کہ قلب کی حرکت شاید شروع ہو جائے مگر نہ ہوا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے مایوسی کا اظہار کیا تو بعض احباب رو رہے تھے مولوی الیاس صاحب اور حافظ صدیق صاحب اونچی اونچی آواز سے رو رہے تھے اور بے قابو ہیں تھے۔ مولانا انعام الحسن صاحب کی طبیعت بھی بھری ہوئی تھی مگر ضبط تھا۔ اور انّا للہ و انّا الیہ راجعون اللّٰھمّ اجرنی فی مصیبتی و خلف لی خیرًا منھا) پڑھتے تھے۔ اور پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ذریعے ایمبولنس گاڑی کا انتظام کروایا اور حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کو اور دیگر احباب کو اس میں سوار کر دیا۔ اور بلال پارک پہنچے میں نے عزیز الدین صاحب کو ہسپتال ہی سے بھیج دیا تھا کہ صابری صاحب کرٹی کے تاجر سہارنپور کو ٹیلیفون کے ذریعہ اطلاع بھجوا دیں۔ وہ بھی ٹیلیفون کر کے آگئے۔ انہوں نے بتلایا کہ صابری صاحب کلکتہ گئے ہیں اور عبد الحفیظ صاحب کو پیغام بھجوایا گیا گھنٹہ کے بعد پھر ٹیلیفون کیا تو جواب ملا کہ نظام الدین شریف لانے کی کوشش کی جائے اور اگر مشکل ہو تو رائے ونڈ کی کوشش کر دی جائے۔ مختلف جگہوں پر ٹیلیفون کر دئے گئے۔

جس وقت نعش مبارک ہسپتال سے بلال پارک پہنچی۔ تو مجمع بعد نماز جمعہ جو دعائے صحت کے مانگنے میں مشغول تھا وصال کی خبر پا کر بے چین ہو گیا۔ فوراً دعائے مغفرت کے طلب میں مشغول ہو گئے اگرچہ قلوب غمگین و آنکھیں اشکبار تھیں۔ مدرسہ کاشف العلوم جامع بلال پارک کے جنوبی کمرہ میں کفنانے کے لئے میّت شریفہ کو رکھا گیا۔ موجودہ لوگوں میں سے میاں جی عبداللہ صاحب میواتی، جناب قاری عبدالرحیم صاحب میواتی، حافظ محمد سلیمن صاحب میواتی امام مسجد رائے ونڈ، بھائی محمد ابراہیم صاحب میواتی اور دیگر رفقاء نے مل کر غسل دیا۔ کفن پہنایا اور جنازہ کو زیارت کے لئے رکھ دیا گیا۔ زیارت کا یہ سلسلہ عشاء کی نماز سے پہلے تک جاری رہا۔ ریڈیو پاکستان لاہور کی مقامی خبروں میں ½ ۵ بجے دن کو یہ خبر اندوہناک نشر کی گئی۔ ، سرگودھا، لائل پور، گوجرانوالہ، قصور، منٹگمری، ملتان، شیخوپورہ، سیالکوٹ سے عوام و خواص، علماء و مشائخ پہنچنا شروع ہو گئے۔ لاہور کے مدارس دینیہ کے اساتذہ طلباء کے علاوہ درد و فکر رکھنے والوں کے علاوہ دفاتر، کالج کے پروفیسر، طلباء نیز عوام بھی کثرت سے جنازہ میں پہنچ گئے تھے۔ آن کی آن میں مسجد بلال پارک اور ملحقہ میدان بھر گیا۔ مقامی علماء میں سے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور جانشین حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہٗ لاہور، حضرت مولانا رسول خان صاحب مدظلہ العالی اور دیگر اساتذہ کرام جامعہ اشرفیہ اور دیگر تمام دینی مدارس کے علماء حفاظ و قراء شریک تھے مجمع پر جو غم و رنج کا عالم طاری تھا وہ بیان سے باہر ہے۔ خبر وفات سن کر بھی لوگ یقین نہیں کرتے تھے کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ انتقال فرما گئے ہیں۔ بلکہ اس خبر کو غلط کرنے کے لئے مختلف تاویلات کہ ممکن ہے کوئی اور مولانا یوسف ہوں ۔ حضرت جی تو ماشاء اللہ ابھی جوان ہیں تندرست و توانا ہیں پھر اللہ پاک نے ابھی ان کو بہت دن رکھنا ہے اور بڑا کام لینا ہے۔ پھر اس کم عمری میں تو شاید ہی کسی اہل حق کو جاتے دیکھا ہو گا۔ مگر یہ سب تاویلات اپنی جگہ غلط ثابت ہوئیں۔ جب جنازہ کی زیارت کی تو واقعی سب نے حضرت جی مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ ہی کو ابدی نیند میں مستغرق پایا۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ چہرۂ انور کی حالت سے قطعاً کوئی یہ نہیں پہچان سکتا تھا کہ حضرت کا وصال ہو گیا بالکل جیسا کہ سوتے ہوئے ہیں اور یہ بھی نہیں بلکہ جس طرح حیات میں دینی درد و فکر کے اثرات چہرہ انور پر ظاہر ہوتے تھے۔ بالکل یہ حالت اُس وقت بھی تھی۔ حضرت مولانا عبیداللہ انور لاہوری جنازہ کی نماز کی نیّت سے بلال پارک تشریف لائے اور پھر فوراً ہی واپس گھر تشریف لے گئے یہ تشریف لے جانا اس لئے تھا کہ حجاز مقدس سے لایا ہوا عطر جو انہوں نے اپنے والد مرحوم حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے وقت لگایا تھا اس میں سے آدھا باقی رکھا تھا اس کو لائے اور اس گنہگار کو حکم فرمایا کہ اب تو مجمع زیادہ ہے مجمع گھٹ جانے پر ہو سکے تو حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کے لگا دینا۔ الحمد للہ تحدیث نعمت کے طور پر یہ بات ذکر کرتا ہوں ورنہ کوئی اور مراد ہرگز نہیں ان گنہگار ہاتھوں نے وہ سبز رنگ کا عطر چہرہ انور، ریش مبارک پر خوب ہی ملا۔ اور اس وقت یہ بھی جذبہ تھا کہ ممکن ہے اللہ تعالےٰ مجھے اپنے اس مقبول بندہ کے عطر لگانے کے ہی سبب کل قیامت میں میری بخشش فرما دیں۔ ایک بات تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ جس طرح حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اسلام لانے کے سبب ان کے مجاہدات و قربانی دینے کی برکت سے اللہ پاک نے اہل حبشہ کو اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی برکت سے اہل فارس کو اسلام کی طرف پلٹا دیا میں تو اس میواتی قوم کے کفر و شرک کی سرحدوں سے پلٹ آنے کا سبب اور حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ، حضرت جی مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ اور اس خانوادہ مبارک کے پچھلے بزرگوں کی توجہ کا قوم کی طرف مبذول ہونا اور قوم کا دین کی بات پر لبیک کہنا جب کہ تبلیغ کی اس تحریک کو یو۔پی کے پڑھے لکھے لوگوں نے بھی اوّل اوّل قبول نہیں کیا۔ صرف یہ ہی وجہ سمجھتا ہوں کہ حضرت سیّد احمد شہید مجاہد عظیم نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ کریم اللہ خاں میواتی شہید، ہمت خاں میواتی شہید اور وزیر خاں میواتی شہید نے آخر دم تک ساتھ دیا۔ بلکہ کریم اللہ خاں میواتی کو تو حضرت کے ساتھ والہانہ عشق تھا۔ حضرت کے ساتھ ہی ساتھ رہا۔ حتیٰ کہ جان دے دی۔ یہ میواتی شہداء

قصبہ نوح کے رہنے والے تھے ۔ سیرت سید احمد شہید مرتبہ مولانا غلام رسول مہر نے بالتفصیل ان شہداؤں کے واقعات نقل کئے ہیں ۔ ان تینوں شہیدوں کی قربانی نے اہل حق کو اس قوم کی طرف متوجہ کر دیا ۔ اصل میں تو اللہ سبحانہٗ و مقدس رحمت کا متوجہ ہونا تھا ۔ حضرات اہل اللہ تو مظہر ہیں ۔ اور جس طرح وہ تینوں شہید حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہم کے ساتھ آخر دم تک رہے اسی طرح مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ حضرت جی مولانا محمد یوسف قدس سرہٗ ان میواتی لوگوں سے خوش خوش رخصت ہوئے ۔ حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے غسل میں عزیزم محمد سلیمان میواتی غوطہ والے میاں جی محمد سلیمان مروکھڑا والے اس طور پر شریک رہے کہ پانی لا کر دینے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہے ۔ بھائیو ! کوئی کہانی سنانا مقصد نہیں ہم تو ان چیزوں کو ہفت اقلیم سے بھی بہتر سمجھتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں ہزاروں حفاظ ، سینکڑوں علماء و قراء جس میں استاذ العلماء میوات حضرت مولانا عبدالسبحان میواتی نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے صاحبزدگان نیز حضرت مولانا نیاز صاحب پیدا فرمائے ۔ مجمع بڑھتا چلا گیا ۔ رات کو بعد نماز عشاء ۹ بجے نماز جنازہ پڑھی گئی مولانا انعام الحسن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی ½ ۱۰ بجے دوبارہ حضرت اقدس جانشین برحق حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دام مجدہم نے رہے سہے لوگوں کے ساتھ جنازہ پڑھا ۔ کیونکہ حضرات سرگودھا سے دیر میں پہنچے تھے نیز ملتان سے اور مقامی سینکڑوں افراد دیر سے پہنچنے کی وجہ سے نماز جنازہ سے رہ گئے تھے ۔ ۱۱ بجے اطلاع آئی کہ چارٹر طیارہ ۱ بجے تیار رہے گا ۱۲ بجے ہوائی اڈہ پر پہنچے ۔ ایک صندوق میں رضائی رکھ کر لٹایا گیا ۔ ڈیڑھ بجے رات کو طیارہ اڑا ۔ مولانا انعام الحسن صاحب چھ اصحاب کے ہمراہ تھے حافظ صدیق صاحب ، مولوی محمد عمر صاحب ، حاجی احمد صاحب ، قاری رشید صاحب ، حافظ صدیق صاحب ، مولوی الیاس صاحب میواتی ، میاں جی اسحٰق صاحب میواتی ، مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا ۔ باقی سب جوڑیاں ہیں میرے سوائے ۔ ہوائی اڈہ پر مختصر سی بات بھی فرمائی ۔ کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کہتے کہتے چلے گئے اب کرتے رہنے کی ضرورت ہے ۔ جو کرے گا اللہ تعالیٰ کی مدد اُس کے ساتھ ہو گی ۔ یاد دلایا ۔ کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ بھائی خدا بخش ، چوہدری نذیر صاحب سے بات کرنا چاہتے تھے مگر نہ کر سکے ۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ یہ ہی چاہتے ہوں گے کہ اس کام کو اصل بنایا جائے اور دوسرے ذاتی مشاغل میں نگرانی کے علاوہ اور کوئی کام ذمّہ نہ لیا جائے ۔ کل بروز ہفتہ ½ ۱۱ بجے ٹیلیفون کیا معلوم ہوا ۔ کہ خیریت سے رات تین بجے پہنچ گئے ۔ حضرت شیخ دام مجدہ العالی رات ہی کو تشریف لے آئے ۔ صبح ½ ۹ بجے نماز جنازہ پڑھی گئی ۔ تقریباً ۱۱ بجے دن کو تدفین عمل میں آئی ۔ كل من عليها فان ويبقىٰ وجه ربك ذى الجلال والاكرام ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

سید محمد قاسم شاہ پیر حقانی ایڈیٹر تنظیم پشاور

غالباً سال ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک بزرگ ہستی مولانا ابوفیض صاحب خطیب بارالیس مسجد سلیم مدارس انڈیا سے تشریف لائے تھے۔ اُن کی زبانی تبلیغی جماعت کا پہلی بار نام سنا۔ اور یہ بھی سنا کہ ایک ایسی ہستی جس کو لوگ حضرت جی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب دعا کرتے ہیں تو ملائکہ اُن کی دعا میں آمین کہتے ہیں۔ راقم الحروف ۱۹۲۱ء سے مختلف سیاسی تحریکوں خلافت، خدائی خدمت گار خاکسار، فارورڈ بلاک میں شامل ہو کر قید و بند کی مصیبتیں جھیل چکا تھا۔ حضرت جی صاحب سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ غالباً ۵۴ء میں ایک تبلیغی جماعت ہمارے ہاں آئی۔ جب اُنھوں نے دعوت رکھی۔ تو بندہ نے ۳ دن کے لئے نام دیا۔ اور دوسرے روز بیج چند دوستوں کے ہم ہنگو میں سہ روزہ اجتماع کو گئے۔ تین دن ان اللہ والوں کے ساتھ گزار کر دل میں اس کام کی عظمت پیدا ہوئی۔ ہر سہ راتوں میں تہجد کو اُٹھنا اور نماز پڑھنا نصیب ہوئی۔ غرض واپس آکر دل میں ولولہ پیدا ہوا۔ پھر دوبارہ جماعت آئی ہمارے ہاں مقامی جماعت بنی۔ جس کے امیر حاجی سید بادشاہ مقرر ہوئے۔ اُن دنوں مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ کراچی میں ہر روز بلا ناغہ مکی مسجد جاتا۔ بلکہ اکثر دفعہ مکی مسجد میں رات بسر کرتا۔ ان ایام میں کئی بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔ خصوصاً فریدی صاحب سے کراچی میں شب جمعہ کو جب جماعت کے لئے وقت مانگا گیا۔ تو انہوں نے دس دن دیئے تین دن کراچی میں گزارے ہوں گے کہ اچانک واپسی ہوئی۔ یہاں آکر کوہاٹ میں ایک جماعت سے جو لائل پور سے آئی تھی۔ ملاقات ہوئی جو کوہاٹ کے اجتماع کے لئے کام کرنے آئی تھی۔ اُن کے ساتھ شامل ہو کر بقایا سات دن ان کے ساتھ گزارے۔ اس جماعت میں ایک ہفتہ گزار کر اب مجھ ناچیز پر اس کام کی مزید عظمت ظاہر ہوئی۔ غرض جب ستمبر ۱۹۵۵ء میں کوہاٹ میں اجتماع ہوا۔ تو میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلی کے کہنے پر ایک چلہ کا اعلان کیا۔ حضرت شاہ صاحب کی مجلس میں چند دن رہ کر مجھے اپنے اندر ایک خاص روحانی طاقت محسوس ہونے لگی غرض ہماری ایک جماعت کوئٹہ کے لئے تشکیل کی گئی۔ لیکن افسوس سیلاب کی وجہ سے کوئٹہ کے آمد و رفت کے ذریعے منقطع ہو چکے تھے شاہ صاحب کے حکم سے یہ وقت کراچی کے گرد و نواح میں گزارہ۔ پھر ۱۹۵۹ء میں ایک اور چلے کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ یہ چلہ راولپنڈی کے قریب و جوار میں اور کچھ دن منٹگمری ہڑپہ اور پچا وطنی میں گزارہ۔ غالباً اسی سال حضرت جی صاحب کوہاٹ کو تشریف لائے۔ اُن کی تقریر سنی لیکن اُن کی بلند پایہ تقریر میری سمجھ میں نہ آسکی

بعد ازاں جب حضرت جی صاحب علیہ الرحمت ۶، ۷ جولائی ۱۹۶۴ء کو راولپنڈی تشریف لائے تو ان کی چار تقریریں سنی۔ ہر تقریر میں ایک عجیب کیفیت تھی۔ اس دفعہ کچھ سمجھ آئی۔ خصوصاً دعا کے وقت جو نقشہ سامنے آتا۔ ہزاروں بندگان خدا رو دھو کر جب دعائیں مانگتے تو قیامت کا نقشہ سامنے آتا۔ اس کے بعد جب ۱۶ مارچ ۱۹۶۵ء کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بڑے قافلہ سے موٹر کاروں کے ذریعے ٹل کو تشریف لائے تو ہزاروں لوگ استقبال کو کھڑے تھے۔ جن میں افغانستان وزیرستان، آزاد قبائل خٹک و بنگش کرم ایجنسی کے لوگ جوق در جوق شامل تھے۔ کئی ہزار بندوقوں کے فایر ہوئے۔ حضرت جی سے ہر آدمی مصافحہ کرنے کو آگے بڑھتا۔ جب حضرت جی نور اللہ مرقدہ، بیان کے لئے مسجد گنبد میں تشریف لاتے تو ایک خاص قسم کی خوشبو پھیل جاتی جو کئی احباب نے محسوس کی۔ اور مجھ ناچیز کو توجہ دلائی ۱۸ مارچ ۱۹۶۵ء کی صبح کو حضرت جی نے ٹل میں آخری تقریر فرمائی۔ اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ہزاروں کا مجمع تھا۔ ہر آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی بہہ رہی تھی۔ اور دعا پر آمین کی صدا گونج رہی تھی آخر بار جب جماعتیں رخصت ہونے لگیں تو مجھ ناچیز سے جب مصافحہ کرنے لگے تو زبان مبارک سے ایک خاص دعائیہ الفاظ نکلے جس کا اثر خاص میرے دل پر ہوا۔ یہاں سے چھ لاریوں میں جماعتیں راولپنڈی کی طرف روانہ ہوئیں۔ ۹ بجے رات کو راولپنڈی پہنچے ہم سے پہلے حضرت جی صاحب پہنچ کر بیان شروع کیا تھا غالباً ۱۰ بجے تک بیان کرتے رہے۔ صبح نماز جمعہ سے قبل پھر بیان فرمایا۔ ۲۰ مارچ کو صبح آخری بیان فرما کر دعا فرمائی۔ اور جماعتوں کو رخصت کیا۔ ۹ بجے رات جماعتیں رائے ونڈ پہنچی۔ یہاں تین دن رات حضرت جی نے خطاب فرمایا۔ ۲۲ مارچ کو تقریباً ستر جماعتیں رخصت کیں۔ اس وقت ایک خاص دعا فرمائی۔ ہزاروں بندگان خدا کے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہماری چودہ نفر کی جماعت سرگودھا کے لئے تشکیل ہوئی۔ اور ہدایت ملی کہ تین دن گوجرانوالہ میں گزار کر پھر سرگودھا جانا۔ ہم نے ۳ دن مسجد فاروقیہ میں گزارے۔ جمعہ کی نماز مسجد شیرانوالہ باغ میں ادا کی۔ حضرت جی نارووال سے تشریف لائے۔ حضرت جی صاحب نے آدھ گھنٹہ مختصر تقریر کی۔ ہم نے حضرت جی کی یہ آخری تقریر سنی۔ ۵ بجے ہماری جماعت سرگودھا روانہ ہوئی ۲ اپریل عصر کے وقت حضرت جی نور اللہ مرقدہ' کی وفات کی خبر ملی انّا للہ و انّا الیہ راجعون

آج بھی میرے کانوں میں حضرت جی کا یہ مخصوص بیان گونج رہا ہے۔ کہ "اشیاء کو معبود نہ بناؤ۔ اشیاء پر اعتماد نہ کرو۔ صورتوں پر متوجہ نہ ہو ان سے کچھ نہ ہوگا۔ وسائل کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ ان سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ اعمال سے ہوتا ہے صفات سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے۔ رب الاشیاء اور رب الصّور کرتے ہیں۔ اس کو جانو۔ اسی کو پہچانو۔ اور اسی کو مانو وہی جو نوح علیہ السلام کا رب تھا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل سے محفوظ نکالا تھا۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں سے بچایا تھا۔ وہی اب تمہارا رب ہے۔ تم اس پر اعتماد رکھو۔ اس پر توکل کرو۔ اس پر ایمان لاؤ" حضرت جی کو یہ مرتبہ کیوں ملا۔ ایک بزرگ سے یوں سنا ہے کہ جب حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ نے تبلیغ کا کام بستی نظام الدین میں شروع کیا تو دور دور سے مہمان آنے شروع ہوئے۔ چھوٹی سی بیت الخلا تھی۔ وہ جلد بھر جاتی تھی۔ یہ کہ صبح بھنگی آکر صاف کرتے۔ حضرت جی رات کو اندھیرے میں اُٹھ کر بیت الخلا کا میلا اُٹھا کر دو تین فرلانگ دور لے جا کر پھینک آتے۔ اور پھر نہا دھو کر دو رکعت نفل شکرانہ ادا کرتے کہ اللہ اس کا بڑا احسان ہے کہ مجھے اپنے نیک بندوں کا میلا صاف کرنے کی توفیق دی۔ ایک اور بزرگ سے یوں سنا کہ ۱۹۶۴ء میں جب صبح بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ تو کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے۔ جتنے کہ رونے کی آواز دور دور تک سنائی دی۔ تمام لوگ چلے گئے آخر ایک سپاہی نے آکر حضرت جی سے کہا کہ بس کریں۔ مجھ میں آپ کا رونا سننے کی طاقت اور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو اور آپ کے جملہ معتقدین کو جنت الفردوس نصیب فرما دیں۔ آمین ثم آمین!

محمد الحسنی

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

ماہر چہ خوانده ایم فراموش کرده ایم
الاحدیث دوست کہ تکرار می کنیم

یہ سطریں لکھتے وقت قلم کا جگر شق ہوتا ہے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی تبلیغی تحریک کے رہنما شیخ وقت اور عالم ربانی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تقریباً ربع صدی تک مسلسل سفر مسلسل جدوجہد، مسلسل دعوت اور مسلسل نقل و حرکت کے بعد اب خدا کے جوار رحمت میں آرام کر رہے ہیں ۔

یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

یا ایھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

اللہ کے اس مقبول و برگزیدہ بندے نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی جس امانت کو ان کے دوران علالت میں اپنے سینے سے لگایا تھا اس کو آخر دم تک اس وفاداری سے نبھایا کہ عشاق و محبین اس راہ کے فدائیوں اور وفاداروں اور محبت کا دم بھرنے والوں کو بھی اس پر رشک آئے اور بڑے بڑے اہل عزیمت و اہل محبت اس حالت کی تمنا اور اس سعادت کے حصول کی دعا کریں ۔

مولانا کی زندگی کا سب سے بڑا وصف اور سب سے بڑا کارنامہ نہ تبلیغی کام کی وسعت و عمومیت ہے اور نہ مردم سازی و تربیت، ان کا امتیاز یہ نہیں کہ انہوں نے اس کام کو ہندوستان سے نکال کر ممالک عربیہ، چین، جاپان اور یورپ و امریکہ تک پہنچا دیا اور نقل و حرکت اور دوروں کو اس قدر وسعت دی کہ اگر اس کا مالی حساب لگایا جاتے تو شاید کروڑوں تک پہنچے۔ اس کام کی وسعت و ترقی کی اہمیت اور اس کے زبردست نتائج سے کوئی انکار نہیں، لیکن مولانا کا سب سے بڑا وصف اور ان کا اصل امتیاز دو چیزوں میں مضمر ہے اور یہ وہ چیز ہیں جن میں مبلغین و اہل دعوت و اصلاح کے حلقہ میں ان کا کوئی شریک و ہمسر نظر نہیں آتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ "رتبہ بلند" اس عہد میں انہیں کے ساتھ مخصوص رہا۔ ایک یقین کی طاقت دوسرے تبلیغ و دعوت میں کمل فنائیت۔

ان کا اصل موضوع اور ان کی آواز بھی "یقین" تھا اور یہ یقین ان کے رگ و ریشہ میں اس طرح پیوست ہو گیا تھا کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ یا کوئی گوشہ اس سے خالی نہ تھا۔ ایسا نہ تھا کہ گوشہ تنہائی یا عبادت و ریاضت کے وقت تو یہ یقین ان کو حاصل ہو۔ لیکن اقتدار کی قوت وجاہت و دولت اور علم و فلسفہ کے سامنے یہ یقین ان کا ساتھ چھوڑ دے اپنے مبلغین و محبین کے سامنے یہ یقین پوری قوت کے ساتھ جلوہ ریز ہو اور وزراء اہل حکومت یا اہل دولت کے سامنے اس میں اتنی قوت باقی نہ رہ جائے۔ یہ یقین اس وقت تک تو حاصل ہو جب تک اس کو آزمانے کا موقع نہ آئے اور امتحان و آزمائش کے وقت بے یار و مددگار چھوڑ دے۔

مولانا نے ایک مرتبہ دعوت کے شرائط و آداب پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب دو آدمی ملتے ہیں تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی کسی سے متاثر نہ ہو۔ یا آدمی متاثر کرتا ہے یا متاثر ہوتا ہے۔ درمیان میں کوئی درجہ نہیں ہے اس لئے اگر تم مخاطب کو متاثر نہیں کر سکے تو یہ سمجھو کہ تم غیر ارادی طور پر خود اس سے متاثر ہو چکے ہو۔

یہ بات سب سے پہلے خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر صادق آتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے اسی قوت، اسی یقین، اسی صراحت، اسی دل سوزی اور اسی سطح سے بات کرتے جو کار نبوت کے شایان شان اور منصب علماء کے لائق اور مناسب ہو۔ وہ جس طرح ایک عامی سے بات کرتے تھے اسی طرح ایک وزیر یا سفیر یا ایک کروڑ پتی اور بڑے سے بڑے سیاسی سے بات کرتے تھے۔ بلکہ شاید اس سے زیادہ صراحت اور قوت کے ساتھ۔

پاکستان میں ایک مرتبہ بعض مخلص و اہل تعلق نے جو حکومت کے اعلیٰ مناسب پر فائز تھے، ایک مخصوص اجتماع کیا۔ اور اس میں وزراء حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار اور ممتاز ترین شخصیتوں کو مدعو کیا مولانا تشریف لائے تو ان سب کا تعارف کرایا گیا کہ آپ فلاں وزیر ہیں، آپ اس محکمہ کے سیکرٹری ہیں، آپ فلاں جگہ کے ڈائرکٹر ہیں، جب تعارف کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے بات اس طرح شروع فرمائی۔

بھائیو! ابھی آپ نے معلوم نہیں کن کن عہدیداروں کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد آپ نے چند جانوروں کا نام لے کر فرمایا۔

"ہاں اگر آپ یوں تعارف کراتے تو شاید میں زیادہ سمجھ جاتا" جن حضرات نے ان لوگوں کو مدعو کیا تھا۔ ان کے سر مارے ندامت اور خوف کے جھکے ہوئے تھے۔ کہ اس بات کا کیا اثر ہوتا ہے۔ مولانا نے عجیب موثر اور دلنشین انداز سے فرمانا شروع کیا کہ میرے بھائیو!

حضرت جی کا انتقال

★ ایک ایسے داعی کا انتقال جس کا پوری دنیا میں کوئی ثانی تلاش کرنا مشکل ہے۔

★ ایک ایسے مجاہد کا انتقال ہے جس نے ۲۰ سال میں سینکڑوں سال کا کام انجام دیا۔

★ ایک ایسے مبلغ کا انتقال ہے جس کی ہمت مردانہ سے دنیا کے دور دراز گوشوں میں دینی دعوت و اصلاح کا پیغام پہنچ گیا۔

★ ایک ایسے عالم کا انتقال ہے جس کی زندگی سراپا عمل تھی۔

★ ایک ایسے روحانی پیشوا کا انتقال ہے جو ہر دم میدان میں سرگرم کار رہا۔

★ ایک ایسے بندہ کا انتقال ہے جس نے اس چودھویں صدی میں قرن اول کے اسلام کا نمونہ پیش کیا۔

★ ایک ایسے امتی کا انتقال ہے۔ جس نے دنیا کو ایک بار پھر سنت محمدیؐ کی زندہ جھلکیاں دکھائیں۔

★ ایک ایسے انسان کا انتقال ہے جس کی قوت کارکردگی کے سامنے سینکڑوں افراد کی اجتماعی کارکردگی ہیچ تھی!

★ ایک ایسے صاحب دل بزرگ کا انتقال ہے جس کا دل سوز و تپش کی بھٹی تھا

اور

★ ایک ایسے معلم کا انتقال ہے جس نے لاکھوں انسانوں کو علم دین سکھا دیا۔

آج حضرت جیؒ کے غم میں ایک پورا عالم سوگوار ہے۔ کام ہو گا مگر کام کو فروغ دینے والا نہیں۔ تحریک جاری رہے گی مگر تحریک کو پھیلانے والا نہیں۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

وزیر تو مسلم بھی ہوتا ہے اور غیر مسلم بھی، ڈاکٹر مسلم بھی ہوتا ہے اور غیر مسلم بھی اسی طرح تمام عہدوں کا حال ہے اس میں ہماری اور آپ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہمارے اسلاف کا جب بھی تعارف کرایا جاتا تھا تو یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ اتنی ملوں کا مالک ہے۔ اتنی کوٹھیوں کا مالک ہے اور اتنی موٹروں کا مالک ہے۔ بلکہ یوں تعارف ہوتا تھا کہ یہ بدری ہیں۔ انہوں نے احد میں حصہ لیا تھا۔ انہوں نے فلاں غزوہ میں حصہ لیا تھا۔ اور یہ اتنے غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ اور انہوں نے دین کے لئے یہ قربانیاں دیں" اسی دردمندانہ اور مخلصانہ انداز میں تقریباً ساڑھے تین گھنٹے تقریر کی۔

جن لوگوں نے یہ جلسہ بلایا تھا وہ منتظر تھے کہ دیکھیں مولانا کی اس تقریر کا کیا رد عمل ہوتا ہے اور یہ لوگ کتنے غیظ و غضب کے عالم میں واپس جاتے ہیں۔ لیکن اس کا ردعمل صرف یہ ہوا کہ شام کے عمومی اجتماع میں نہ صرف خود وہ لوگ موجود تھے۔ بلکہ اپنے ساتھ دوسرے عہدہ داروں کو بھی لائے تھے اور اسٹیج پر وزراء کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی جو اس مخصوص اجتماع میں تھی۔

یہ یقین مولانا کے سینے سے چشمہ کی طرح ابلتا اور کسی وقت (کسی دن یا کسی ہفتہ کا ذکر نہیں) اس کا سوتا خشک نہ ہوتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہے ہیں اور یہ ان کا ایسا حال اور واقعہ ہے جس کے لئے کسی تصنع اور تکلف کی ضرورت نہیں۔

یہ یقین ان کے پاس بیٹھنے والوں یا ان کی تقریر سننے والوں کو اس طرح متاثر کرتا کہ بعض وقت ان کے مضامین اور ان کی تقریریں پوری طرح نہ سمجھنے اور ذوق و طرز بیان کے اختلاف کے باوجود وہ اس گرمی اور حرارت کو اپنے سینہ میں منتقل ہوتے ہوئے محسوس کرتے تھے یا کم ازکم اتنا ضرور سمجھ لیتے تھے کہ اس شخص کو یقین کی جو دولت حاصل ہے وہ کم لوگوں کے پاس ہے۔ نجی بات چیت ہو یا عمومی ایک لاکھ کا مجمع ہو یا ایک سو کا مولانا ہمیشہ یکساں طرز اور یکساں قوت کے ساتھ بات کرتے تھے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے موضوع سے نہ ہٹتے تھے وہ باتیں جو اس مادیت کے دور میں نامانوس ہیں اور جن سے اچھے اچھے علماء اور دینی رہنما مصلحت کے خیال سے یا زمانہ کے رجحان سے مجبور ہو کر یا انسان کی مادی ترقی سے مسحور ہو کر پرہیز کرنے لگے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کا ذکر ان کی تحریروں اور تقریروں میں کم سے کم آئے اور زیادہ زور مسلمانوں کے سیاسی و معاشی مسائل اور اسلام کے جمہوری تمدنی مسائل پر دیا جائے اور اس کو محض ایک سیاسی تحریک، ایک معاشرتی نظام، ایک اقتصادی تنظیم اور ایک تمدنی ارتقار کے طور پر پیش کیا جائے وہ باتیں مولانا بلا کسی جھجک کے اور بغیر کسی معذرت کے اپنی پوری قوت کے ساتھ پیش کرتے تھے بلکہ یہی ان کی ہر گفتگو اور تقریر کا محور ہوتا آخرت پر یقین، خدا کے وعدہ پر اعتماد، توکل، جنت کا تذکرہ اہل جہنم کے واقعات غیبی حقائق اور انسان کی روح کی اہمیت، مادیت کا انکار، دنیا اور آخرت کا مقابلہ اور رسولؐ اللہ وصحابہ کرامؓ کی زندگی اور ان کی مثالیں اور نمونے دعوت کی طاقت اور اس کی تاثیر و تسخیر، یقین کی اہمیت اور اس کے محیر العقول واقعات یہ چیزیں تھیں جن پر مولانا کی تقریر مشتمل ہوتی تھی لیکن اس عقل پرست بلکہ ہوس پرست عہد میں اور اس بدلے ہوئے ذوق و رجحان کے باوجود ان کی

آج وہ آبِ حیات جاودانی چھپ گیا

آسمان رشد و حکمت کا درخشاں آفتاب
دورِ حاضر کا وہ یوسفؑ بے مثال ولاجواب
تھا وہاں تشنگان دین کی خاطر جو آب
آج وہ آب حیات جاودانی چھپ گیا
گلستانِ دین وملت کا گلابِ خوشتریں
محفل عشاق دیں کا عشوہ پرور نازنیں
مصلح اہل جہاں و واعظ دین مبیں
گو یا خضر راہ تھا وہ خضر ثانی چھپ گیا

یہ باتیں ہر طبقہ اور ہر حلقہ کو کسی نہ کسی پہلو سے ضرور متاثر کرتی تھیں اور اس کا سب سے بڑا راز مولانا کی قلبی قوت اور یقین کی طاقت کی تھی جو ان کے لفظ لفظ سے ظاہر ہوتی تھی۔ اور پرستاران عقل اور گرفتاران نفس کو متاثر کئے بغیر نہ رہتی تھی۔

اس کے ساتھ دوران گفتگو اور دوران تقریر میں ایسے معانی کا ورود ہوتا جس کو آورد اور تکلف یا نکتہ آفرینی سے کوئی علاقہ نہ تھا بلکہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور طاقت ان سے یہ مضامین اور حقائق و معارف کروا رہی ہے وہ صرف اس کے ناقل ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مولانا کو اس بات کا کامل یقین تھا کہ ایمان و یقین کے بغیر امت محمدیؐ میں کوئی تغیر اور انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کے بغیر کوئی کوشش کی گئی تو وہ اسلام کی روح اور اس امت کے مزاج اور اس کی تاریخ و تجربہ کے خلاف ہو گی۔ جس کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ایمان ہی کے سہارے یہ امت آگے بڑھی اور بحر و بر پر چھا گئی۔ اور ایمان ہی کے کمزور ہونے اور خدا سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد اس کا شیرازہ منتشر ہوا اور اس کو اپنی پناہ گاہوں میں واپس جانا پڑا۔ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی۔

مولانا کی دوسری اہم خصوصیت دعوت میں انہماکِ کامل بلکہ فنائیت تامہ ہے اور یہ دراصل اسی پہلی خصوصیت کا پرتو اور عکس ہے۔ اس یقین نے مولانا کو اس درجہ بے چین مضطرب اور سیماب وش بنا دیا تھا کہ ان کو کسی پہلو قرار نہ آتا تھا اور اس یقین کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت ان کے لئے اتنی ہی ضروری ہو گئی تھی جیسے انسان کے لئے غذا اور ہوا، ان کی پوری زندگی اسی دعوت سے عبارت تھی اور وہ اسی کے سہارے جی رہے تھے۔ رات کے ایک مختصر وقفہ اور مختصر قیلولہ کے سوا ان کا سارا وقت اسی فکر اور اسی تڑپ میں گزرتا تھا۔ جماعتوں کی تشکیل، وفود سے ملاقات، ان کی رخصتی کی دعا۔ دعوت کی حقیقت اور اس کے شرائط و آداب اور ایمان و یقین پر مسلسل تقریریں درس حدیث اور مسلسل گفتگو اور مشورے یہ ان کے شب و روز کا معمول تھا۔ دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ جہاں کچھ نئے لوگ آ جاتے بس بہار آ جاتی، مولانا چاہتے کہ اپنے سینہ کی ساری قوت اور اپنے دل کا سارا درد کھینچ کر ان کے سامنے رکھ دیں۔ کام کی نوعیت کی وجہ سے آنے والوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا اس لئے مولانا کی گفتگو برابر جاری رہتی۔ تقریروں کے بعد مولانا بڑے اہتمام اور درد و سوز سے طویل دعا کرتے اور سننے والوں کی آنکھیں نم اور دل گرم ہو جاتے۔ بعض شدت اثر یا فرطِ ندامت سے بے ساختہ رو پڑتے اور آنکھوں کو غسل صحت دیتے، یہ دعائیں اپنی تاثیر و قوت کے لحاظ سے اور مانگنے والے کے خلوص و یقین، دل شکستگی اور شان بندگی اور بے کسی و بے چارگی ساتھ ناز و اعتماد کی وجہ سے تقریروں سے کسی طرح کم نہ تھیں اور بہت سے لوگ جو بعض وقت مشغولیت کی وجہ سے ان تقریروں سے محروم ہو جاتے اس دعا کو غنیمت اور حاصل تقریر اور اپنی آمد کا سب سے بڑا فائدہ سمجھتے۔

مولانا ان جلسوں کو بالکل لاحاصل سمجھتے تھے جن کے بعد عمل کا کوئی قدم آگے نہ بڑھے۔ تبلیغ کے جلسوں میں بھی جہاں انہیں بلایا جاتا وہ پہلے سے وعدہ لے لیتے کہ تمہیں اتنے

آدمی دینے ہوں گے یا اتنی جماعتیں نکالنی ہونگی شب و روز کے ان معمولات کے علاوہ اسفار اور دوروں کی ایک مسلسل زنجیر تھی جو ختم ہونے کو نہ آتی تھی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت ان ہی سفروں کی بدولت قائم ہے اور اس کی زندگی اور قوت کا راز اسی میں مضمر ہے اس لئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے دوروں کا کیا حال ہوگا۔ جہاں مولانا تشریف لے جاتے وہاں پہلے سے بہت اہتمام کیا جاتا اور ہزاروں لاکھوں افراد ذوق و شوق سے جلسوں میں شریک ہوتے اور مولانا کی طویل تقریریں سنتے سینکڑوں جماعتیں باہر نکلتیں اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی جاتیں۔

مولانا اگر کسی کام کے آدمی کو دیکھ لیتے اور اس کی کوئی صلاحیت ان کے علم میں آتی تو وہ بے چین ہو جاتے کہ کس طرح اس کو تبلیغ کی طرف متوجہ کر لیں۔ اچھی انگریزی جانتا ہوتا تو چاہتے کہ کسی طرح وہ تبلیغ میں لگ جائے اور اس کو یورپ کے کسی ملک یا امریکہ بھیج دیں۔ اچھی عربی جانتا ہوتا تو چاہتے عرب ممالک میں تبلیغ کے لئے بھیج دیں اسی طرح انتظامی صلاحیت اور عقل و فراست جس میں جو بھی خوبی ہوتی مولانا دیکھ کر بے چین ہو جاتے کہ یہ دین کے کام کیوں نہیں آ رہی ہے۔

مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت اور ان کی عظمت کا راز یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول پر دل و جان سے قربان ہونا کس کو کہتے ہیں۔ اس کے راستہ میں اپنے کو مٹانے اور مٹا مٹا کر خوش ہونے میں کیا لذت ہے وہ کیا "بات ہے"، جو جب کسی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔ پھر اس راہ کا گرد و غبار اس کو نسیم سحری سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے۔ راستے کے کانٹے مہکتے ہوئے پھول بن جاتے اور لذت کے تھپیڑے اپنے ساتھ "بوئے دوست" لاتے ہیں۔ پھر آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اور اس کو صرف ایک بات یاد رہتی ہے اور اس میں وہ اس طرح مست و سرشار رہتا ہے کہ پھر کوئی فانی لذت، عارضی دولت اور وقتی منفعت اس کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔

کسی طرح اس کی فکریں ایک فکر میں سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور نگاہیں ہر طرف سے ہٹ کر ایک "رخ زیبا" پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ کس طرح اس کا سینہ حسد سے، عداوت سے تکبر سے، انانیت سے، خود غرضی سے اور تمام رذائل سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اس کو کسی اور طرف رخ کرنے کی فرصت ہی باقی نہیں رہتی، کسی طرح وہ اپنے وجود اپنے جسم اپنے دل، اپنی نگاہ، اپنے وقت، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال سب کے ساتھ پروانہ کی بے تابی لئے ہوئے اور بلا کسی ملامت کی پرواہ کئے ہوئے اپنے محبوب و مطلوب پر نثار ہو جاتا ہے۔

اللہ کے اس بندے پر مرض کا حملہ بھی اس حالت میں ہوا کہ وہ تقریر کر رہا تھا اور انتقال کے بعد یہ شان تھی کہ جنازہ تیار ہے اور جماعتوں کی تشکیل بھی ہو رہی ہے اور ہدایات بھی دی جا رہی ہیں فضا غم سے بوجھل ہے لیکن دین کے قافلے پُرعزم قدموں کے ساتھ اپنے راستے پر رواں دواں ہیں اور وہ کام جس کے راستہ میں اس نے جان دے دی اسی قوت لیکن سکون اور خاموشی کے ساتھ جاری ہے۔ محبت کے دعویداروں اور اس "جنس نایاب"، کے خریداروں کے لئے مولانا کی زندگی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں وہ عشق کی بولتی ہوئی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ اور اپنے "سفر جنوں"، کے لئے سامان نشاط فراہم کر سکتے ہیں۔ ؎

پروانہ کا حال اس محفل میں ہے قابل رشک اے اہل نظر
اک رات میں یہ پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

بقیہ: صفحہ ۲۴ مولانا محمد یوسف رح

بقیہ: صفحہ ۲۴

کو بھی فروغ ہوا۔ اردو ادب کی تاریخ لکھنے والوں کو مولانا کی اُردو خدمات کو سنہری حروف میں لکھنا چاہئے۔

یہ اور دیگر اخلاقی، فقہی، دینی، روحانی اور انسانی خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے مولانا اپنی مختصر سی عمر میں علماء مشائخ کے مرجع اور عامۃ الناس کے حضرت جی ہو گئے اتنی کم عمر میں سوائے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہٗ کے شاید ہی کوئی داعی اور مصلح مقبولیت عامہ حاصل کر سکا ہوگا۔ ۲۸ سال کی عمر میں مولانا اپنے والد گرامی منزلت رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہوئے۔ اس سے قبل ان کو سوائے صاحب زادہ ہونے کی ذرا بھی شہرت حاصل نہ تھی۔ مگر مسلسل محنت، مسلسل مجاہدے اور مسلسل ذکر و فکر کے سبب سے ۳۰ سال کی عمر تک پہنچتے ہی وہ شہرت کے پروں پر اونچے اُڑنے شروع ہو گئے تا آنکہ ان کی پرواز اونچی اور بہت اونچی ہو گئی۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

بقیہ:- زمیں کھا گئی آسماں

۱۔ خدا پر بھروسہ۔ یہی ہر مشکل سے مشکل کام کی کلید ہے

۲۔ حسنِ اخلاق۔ اس سے نہ صرف تبلیغ مؤثر بن سکتی ہے بلکہ عوام کے لئے مبلغ کی شخصیت بھی پرکشش بن جاتی ہے۔ دراصل اخلاقِ حسنہ ہی وہ تلوار ہے جس سے خواص و عوام کے قلوب کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ اسلام بھی ہمیں تبلیغ میں اس اصل کی پابندی کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیات سے مصرح ہے

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

۳۔ بے لوث خدمتِ خلق کا جذبہ۔ عام طور پر مقررین حضرات عوام کے لئے بار ثابت ہوتے ہیں (جیسا کہ علماء سوء کا دستور ہے) اس سے عوام کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مقررین کا ذریعہ معاش ہی تقریریں ہیں۔ وعظ و نصیحت معاشی بحران کو دور کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ فریضۂ تبلیغ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہو۔ یہ زریں اصولِ تبلیغ میں سے چند ایک "مشتے نمونہ از خروارے" ہیں۔ اصول تبلیغ کی پابندی ہی کی وجہ سے تبلیغی جماعت اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک مقبول خاص و عام ہے بخلاف اس کے تنگ ظرفی، سخت دلی، عملی کمزوری، یہ ایسے روگ ہیں کہ ان کی موجودگی میں عوام مبلغ کے ارشادات سے مستفیض نہیں ہو سکتے۔ کما ورد فی القران

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

ترجمہ۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ترش رو سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے غرض مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ نہایت ہی کامیاب طریقہ ہے۔ اس سے بے شمار بھولے بھٹکے انسانوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اور ہزاروں بندگانِ خدا فیض یاب ہو رہے ہیں۔ خدا کرے یہ شجرۂ طیبہ پھیلتا ہی جائے۔ اور حضرت جیؒ کی وفات سے متاثر ہو کر پژمردہ نہ ہو بلکہ پہلے سے زیادہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو اور اطراف عالم میں پھیلتا ہی جائے حتیٰ کہ اُفقِ آسماں سے اس کی شاخیں ٹکرانے لگیں۔

اللہ تعالیٰ اس شجرہ طیبہ کے لگانے بڑھانے والوں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ سقی اللہ ثراھما وجعل الجنۃ مثواھما

آمین ثم آمین۔

مولانا محمد یوسف

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجزاہ عنا وعن سائر الامۃ المحمدیۃ بخیر الجزاء

ع ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

مولانا فضل محمد صاحب مدرسہ اشرف العلوم قصور

بدقسمتی سے اس گنہگار کو حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کی خدمت میں رہنے اور آپ کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا اتفاق بہت کم ہوا ہے۔ مختلف تبلیغی اجتماعات خصوصاً رائے ونڈ کے سالانہ اجتماعات میں ان کے ارشادات سُنے ہیں۔ زیارت کی ہے ـــ مختصر حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حضرت جی کی قابل فخر ہستی اور جاذب و مقتدر شخصیت کے متعلق میری معلومات صفر اور میرا اندازہ بالکل سطحی اور سرسری ہوگا۔ اس کے باوجود میری دلی خواہش ہے کہ اپنے تاثرات حضرت جی کے متعلق عرض کروں کہ ؎

اُحِبُّ الصَّالِحِینَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِی صَلَاحًا

اوقات میں برکت

بچپن میں حضرت حکیم الامت مولٰنا تھانوی رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ حقتعالیٰ اہل اللہ کے اوقات میں برکت عطا فرما دیتے ہیں اور یہ حضرات مختصر اوقات میں اتنے کام سرانجام دے جاتے ہیں کہ عامۃ الناس کی ایک جماعت سے بھی اتنے کاموں کا انجام پذیر ہونا دشوار نظر آتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے نماز عصر اور مغرب کے درمیان پورا قرآن مجید سنایا تھا۔ ہمارے اکابر کی خدمات دینیہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ کہ حق تعالےٰ نے ان کے اوقات میں برکات کثیرہ عطا فرمائی تھیں کہ بہت قلیل وقت میں کثیر اور بیش بہا خدمات انجام دے گئے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید پوری عمر تصنیف و تالیف میں ہی بسر فرما دی ہوگی۔ مطبوعہ وعظ دیکھ کر خیال گذرتا ہے کہ اکثر مواعظ ہی کا شغل ہوگا مگر جن خوش نصیب حضرات کو حضرت حکیم الامت رحمہم اللہ کے معمولات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ نے تصنیف و تالیف کے لئے اپنے اوقات کا ایک قلیل حصّہ مقرر فرما رکھا تھا۔ اور وہ بھی ہمیشہ نہیں۔ مدتوں حضرت نے تعلیم و تدریس کا شغل رکھا ہے۔ فتاویٰ لکھے ہیں۔ متوسلین اور متعلقین کے خطوط کا روزانہ جواب لکھنا۔ ظہر سے عصر تک خواص اور عوام کی مجلس، اپنے اوراد و وظائف خانگی امور کا انتظام غرض سب کچھ کیا ہے۔ اس کے باوجود حضرت کی تصانیف تیرہ چودہ صد ہیں۔ جن میں تفسیر بیان القرآن۔ فتاویٰ امدادیہ۔ بہشتی زیور وغیرہ ضخیم کتابیں ہیں۔

حضرت جی کے اوقات میں برکت

انہی برکات میں سے حق تعالیٰ نے حضرت جی کو بھی وافر حصّہ عطا فرمایا تھا مولینا محمد یوسف رحمہ اللہ کی تبلیغی مصروفیات کو دیکھ کر تصوّر میں بھی نہیں آتا تھا کہ آپ تدریسی اور تعلیمی خدمات بھی انجام دیتے ہوں گے۔ میں حیران رہ گیا تھا جب مجھے معلوم ہوا تھا۔ کہ مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں حضرت جی ہی شیخ الحدیث ہیں اور کتب حدیث کا درس خود ہی دیتے ہیں۔ اور پھر یہ حیرت حد سے گذر گئی تھی جب ہم نے سنا تھا کہ طحاوی شریف کی مبسوط شرح حضرت نے لکھی ہے حیوٰۃ صحابہ کی ضخیم جلدیں حضرت ہی کی تالیف ہیں۔

جس انسان نے محنت و کوشش سے ہزاروں اشخاص کو عبادت و ریاضت کی راہ پر ڈال دیا ہو۔ جس نے ذکر اللہ کی لذت و حلاوت سے لاکھوں انسانوں کو آشنا کر دیا ہو خود اپنے لئے وہ کیا کچھ نہ کرتے ہونگے جس خاندان کی پردہ نشین خواتین کی تلاوت اور درود شریف، استغفار اور تکبیر و تہلیل کی تسبیحات عامل مردوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیں۔ اسی باعظمت خاندان کے ایک ممتاز رکن کے معمولات کا اندازہ کون کرے مختصر سی زندگی میں حضرت کی ان حیرت افزا خدمات دینیہ کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر آ جاتا ہے ؎

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکِرٍ
اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

تقریر

الحمد للہ میں نے اکابر علماء کی تقاریر سنی ہیں۔ حق تعالےٰ ان کی برکات و فیوضات قائم رکھے۔ ایسے ایسے اکابر کے ارشادات گرامی سننے اور ان سے مستفید ہونے کی حق تعالےٰ نے توفیق بخشی ہے جو امت مرحومہ کی محبوب ترین متاع تھے ہزاروں انسان ان کی برکت سے گمراہی کی ذلّت کے گڑھوں سے نکل کر بام عروج ہدایت پر پہنچے۔ حق تعالےٰ انہیں نیک تر جزاؤں سے نوازیں حضرت جی کی تقریر کو اگر من حیث التقریر فن تقریر کے معیار پر پرکھا جائے تو ممکن ہے بہتیرے مقررین کا درجہ فنی حیثیت سے ان سے زائد ہو۔ مگر حضرت جی مرحوم کی تقریر میں بعض روحانی خصوصیات تھیں جنہیں تقریر کی روح کہنا چاہئے۔

بعض خصوصیات

۱۔ علمی مضامین علمی رنگ میں ہی بیان فرماتے تھے۔ مگر بالکل اَن پڑھ اور جاہل حضرات بھی بے تکلّف سمجھتے تھے اور متاثر ہوتے تھے۔ کیا یہ حق تعالےٰ کا خصوصی انعام اور آپ کا روحانی تصرف نہ تھا ہمارے اکثر اکابر میں یہ خصوصیت موجود تھی۔

۲۔ بیان سے ایمان و یقین کی پختگی اور مضبوطی صاف طور پر مترشح ہوتی تھی۔ بلکہ پھوٹ پڑتی تھی۔ اور صاحب بصیرت سامع اس حقیقت کو سمجھنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اور کہا نہیں بلکہ کہلایا جا رہا ہے اور کوئی اور ہی قوت ان کی زبان کو عوام الناس کے وسیع مفادات کے لئے حرکت میں لا رہی ہے

۳۔ مضمون توحید باری عز اسمہ جو آپ کی

تقاریر کا مرکزی نقطہ تھا۔ جب بھی بیان فرماتے نیا انداز ہوتا۔ اور نیا اسلوب بیان۔ مقرر کی زبان سے ہدایت کا آبحیات تھا جو سامعین کے کانوں کی راہ قلوب میں انڈیلا جاتا تھا۔ سامعین کے سامنے اس حقیقت کو قلبی اذعان و یقین کے ساتھ بار بار دہرایا جاتا تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے حق تعالےٰ ہی کے تصرف سے ہوتا ہے۔ اور کسی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور سامعین گویا اپنی قلبی بصیرت سے اس کا مشاہدہ کرتے تھے۔ میرا اپنا احساس حضرت جی کی تقریر سے یہ ہوتا تھا۔ کہ یقیناً اس مردِ باخدا کے نزدیک دنیا بے حقیقت ہے اور ان کے حق آگاہ قلب میں دنیوی جاہ و جلال اور مال و اموال کی ایک ذرہ برابر وقعت نہیں۔ ان کا دل صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور جذبۂ اطاعت سے لبریز ہے اور تقریر کے دوران وہی جذبات چھلک کر کر سامعین کے قلوب کو بھی سیراب کرتے ہیں۔

دینی تڑپ

حق تعالےٰ شانہٗ جب کسی خوش بخت انسان کو اپنی محبت کی دولت سے مالامال فرماتے ہیں تو نہ صرف اسے جذباتِ اطاعت کی فراوانی سے نوازتے ہیں۔ بلکہ اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایسی لگن اور تڑپ عنایت کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے تمام بنی نوع کو اسی جذبہ سے سرشار کرنا چاہتا ہے اور انہیں اپنی اس دولت میں شریک کرنے کا انتہائی خواہش مند ہوتا ہے یہ لگن اسے کسی وقت چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ اسی پاک مقصد کے لئے وہ اپنی تمام سعی و کوشش بروئے کار لاتا ہے۔ رات دن اسی محنت میں لگا رہتا ہے آرام و راحت سے دور بھاگتا ہے نہ اسے اپنی صحت کا خیال رہتا ہے نہ مال کی پروا۔ اسی دھن میں اگر اسے وطن سے بے وطن ہونا پڑے تو دریغ نہیں کرتا۔ اہل و عیال اور متعلقین سے ہی نہیں اسے تمام مخلوق سے بے حد محبت ہوتی ہے۔ وہ ان کی خیرخواہی میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی اسی نہج پر گذری ہے اور تاریخ و سیر کی بے بخل روایات اس کی شاہد عدل ہیں۔ میں نے بارہا اس حقیقت کو قلبی یقین سے محسوس کیا کہ جس مرد مجاہد کو لوگ حضرت جی کے پیارے لقب سے ملقب کرتے ہیں انہیں اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان و یقین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی دینی لگن اور تبلیغی فریفتگی سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ دین نبوی کی اشاعت کے ذوق و شوق میں نہ انہیں اپنی صحت کی پروا تھی نہ آرام و راحت کا دھیان۔ ایک تڑپ تھی ایک سوزش اور جلن تھی جو انہیں ہر لمحہ اور ہر آن بےقرار اور مضطرب رکھتی تھی۔ یہی قلبی جلن اور اضطراب انہیں ایک جگہ بیٹھ کر دینی خدمات دینے کے بجائے شہر بشہر اور دہ بدہ بلکہ ملک بملک لئے پھرتا ہے۔

ایک واقعہ

رائے ونڈ میں اجتماع تھا۔ مولانا عبیداللہ صاحب بھی حضرت کے ہمراہ ہندوستان سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت جی نے نماز فجر کے بعد ایک طویل خطاب سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے بندہ اور بعض احباب مصافحہ کے لئے حاضر ہوئے۔ مصافحہ کے بعد کچھ ارشاد فرماتے رہے۔ اور مولانا عبیداللہ صاحب سے فرمایا۔ کہ آپ علمار کے مجمع میں خطاب فرماویں اور خود حضرت جی میواتی حضرات کے مجمع میں تشریف لے گئے اور ان سے خطاب فرمایا۔

مولانا عبیداللہ صاحب نے علماؑ سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔ آپ انہیں (یعنی حضرت مولانا محمد یوسف کو) دیکھ رہے ہیں۔ رات بھی چار گھنٹے بیان ہوا۔ پھر صبح ایک طویل تقریر فرمائی ہے۔ اس کے بعد بھی آرام نہیں فرمایا۔ آنے والے احباب سے کچھ نہ کچھ فرماتے ہی رہے ہیں۔ اور اب میواتی حضرات سے خطاب فرما رہے ہیں۔ کیا کوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہ شخص جو اس قدر محنت اور مشقت کر رہا ہے اس کے جسم سے بواسیر کے باعث آج ہی کی رات میں سیر سوا سیر خون جا چکا ہے۔ کوئی شخص کتنا بھی تنومند اور قوی ہیکل کیوں نہ ہو مضبوط قویٰ کا مالک، حوصلہ مند اور باہمت بھی ہو۔ اتنی مقدار میں جسم سے خون کا بہ جانا اسے بستر پہ لٹا دیتا ہے نقاہت اور کمزوری اسے خاموشی پر مجبور کر دیتی ہے مگر خدا جانے ان کے دل میں دین کے لئے کتنی تڑپ کتنی بیقراری اور اضطراب بھر دیا گیا ہے کہ وہ اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ میری تکلیف اور مرض لگاتار محنت سے کس قدر بڑھ چکی ہے۔ اپنے نصب العین کی تکمیل میں پوری تندہی سے مصروف ہے۔ حتیٰ کہ اپنی تکلیف کا اظہار بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ وفات سے قبل بھی حضرت جی کو جو تکلیف رہی ہے اس کی شدت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ مگر اسی بیماری میں سفر بھی فرمایا، بیانات بھی فرمائے حتیٰ کہ مرد مجاہد اسی دھن میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ جہاں لاخوف علیھم ولاھم یحزنون اور ابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون وغیرہ بشارات سے سرفراز ہوں گے۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

عاجز اور محتاج انسانوں کا سہارا دعا ہے جو عبادت کا مغز ہے۔ اس کے آداب و طُرق احادیث میں بسط سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ مگر عملی زندگی میں دُعا مانگتے میں حضرت جی کو دیکھا ہے۔ بعض اوقات زبان مبارک سے ایک دو دعائیہ جملے بھی نہیں نکل پاتے تھے کہ آپ کی معیت میں ہاتھ اٹھانے والے کے دل دوز نالے اور چیخیں دور دور تک سنائی دیتی تھیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں۔ ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ

اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

حق تعالےٰ انہیں جنت الفردوس میں بلند مقامات اور اعلیٰ درجات پر فائز فرماوے۔ اور ہم مساکین کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرماوے۔ آمین ثم آمین!

مُغیبات والا موت سے نہیں ڈرتا

مُشاہدات والا موت سے ڈرتا ہے

از: عبید اللہ صاحب مدیر مدرسۃ البنات جناح چوک کراچی ۳

"ایک زندگی آخرت پر اٹھائی جاتی ہے، اور ایک زندگی دنیا پر اٹھائی جاتی ہے
مشاہدات پر محنت بزدلی لاتی ہے، مغیبات پر محنت شجاعت پیدا کرتی ہے
مغیبات والا موت سے نہیں ڈرتا، مشاہدات والا موت سے ڈرتا ہے
اسے نقشہ مٹتا نظر آتا ہے اور دوسرے کو نقشہ بنتا نظر آتا ہے"

راقم الحروف بستی حضرت نظام الدینؒ دہلی میں تھا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ملفوظ ارشاد فرمایا۔ بظاہر یہ الفاظ کی ایک صورت ہے لیکن تاثر کس قدر گہرا ہے؟

کارِ نبوت کے اسرار ان پر اس طرح منکشف ہوئے تھے کہ سسکتی ہوئی انسانیت پر رُشد و ہدایت کے دروازے کھل گئے۔ لوگ عالم کی اصلاح مادیت کی بنیادوں پر تلاش کرتے ہیں۔ لیکن ان کا اعلان یہ تھا دین کی محنت و عبادت سے جب اعمال کے اندر روحانی قدریں پیدا ہوتی ہیں تو امن و عافیت کی فضائیں پیدا ہوتی ہیں۔ عالم کا امن و سکون اُس وقت چھن جاتا ہے جب مادی افکار کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

وراثتِ کاملہ نبوت کا فیضان بھی عجیب فیضان تھا خطہ میوات میں کیا دینی انقلاب آیا۔ کہ ان پر عطایا و بخشش کے دروازے کھل گئے۔ آسمان سے رحمتوں کا نزول ہونے لگا۔ زمین خوف و خون کی جگہ امن و حفظ کا مسکن بن گئی۔ زمین پر انسانوں کی جگہ اب فرشتے چل پھر رہے تھے۔

دنیا والے تہذیب و تمدن کی کئی مثالیں پیش کریں گے، بہتر سے بہتر علوم و فنون کا اظہار ہوگا لیکن دنیا ایسے انسان دکھلانا چاہے تو نہیں دکھلا سکتی۔ یورپ کے عقائد و اعمال سے مادیت کی ترقی یافتہ صورتیں وجود میں آتی رہیں گی۔ لیکن انسانیت کی ترقی یافتہ شکلیں معدوم رہیں گی۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طریقِ دعوت کو تشبیہ بالانبیاء کا مقام عطا ہوا تھا۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام نے انسانوں پر محنت کی تھی۔ اسی طرح ان حضرات نے اپنی محنت کا موضوع انسانوں کو قرار دیا۔ انسانیت پر محنت کرتے ہوئے اور دوسروں کو اس محنت پر ڈالتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جعلنا اللہ الکریم منھم ان کی والدہ ماجدہ کے صبر و استقامت کا کیا مقام تھا جنازہ حضرت نظام الدینؒ دہلی پہنچا۔ آخری بار چہرہ دیکھنے تشریف لائیں سکون و وقار کے ساتھ فرماتی ہیں "بیٹا یوسف! دین کے لئے بہت محنت کی ہے اب آرام سے سو جاؤ۔"

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آواز قوت و نفوذ کے ساتھ اس طرح بلند ہوئی کہ انسانوں کی آبادیاں حرکت میں آ گئیں شک و ظلمت کی جگہ علوم سماویہ و نبویہ کے یقین کا دروازہ نوعِ انسانی پر کھل گیا اب دعوت خطۂ میوات سے اُٹھ کر دور ملکوں میں پہنچنے لگی۔ دنیا ایک مرتبہ پھر سلف صالحین کے نمونے دیکھنے لگی جو امت نے کسی وقت دیکھے تھے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ کی صدا بھی عجیب صدا تھی۔ دین کے لئے جان دینے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اسلام کی ابتدا غربت یعنی پردیس سے ہوئی۔ اور پھر اسی پردیس کی حالت آئے گی فرمایا فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ پردیس اختیار کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔ غربت کے ان ایام میں اس راہ دعوت میں پھرنے والوں کا عجیب حال تھا اعضاء مضمحل، چلنے سے قاصر، کوہستانی علاقہ کی دشوار چڑھائی، بخار تیز، جماعت کہہ رہی ہے کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں۔ کہا۔ مجھے جماعت کی برکات سے محروم نہ کرو، اس راستے کے انوارات حاصل کرنے دو، اُس اجر کا کیا اندازہ جو اس راہ میں ملنے والا ہے۔ یہ میوات کے میاں جی عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا پیدل حج کی جماعت میں بندرگاہ گوادر میں انتقال ہوا۔

اے گوادر کی سرزمین گواہ رہ! کہ صدیاں گذرنے کے بعد آج پھر یہ نعمت تیرے حصہ میں آئی ہے۔ گواہ رہ کہ تیرے جوار میں دین مصطفوی کا ایک مسافر مدفون ہوتا ہے۔

عزیز فرزندؒ کا انتقال اس راہِ دعوت میں بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ دہلی ہوا۔ تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ پر عجیب خط تحریر فرمایا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:-

حق تعالےٰ شانہٗ فاروق مرحوم کی اپنی راہ میں جان دینے کو پوری طرح قبول فرما کر بے انتہا اجور و درجات سے نوازیں اور پورے عالم میں دین کی سرسبزی کا ذریعہ بنائیں اللّٰھم آمین! یہ دنیا تو عارضی جگہ ہے یہاں کی ہر حالت فانی ہے وصل بھی وقتی ہے اور فراق بھی وقتی۔ سو اگر وقتی فراق کو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ رب العزت کے اجور و درجات کا یقین کر کے گذار دیا جائے تو اللہ رب العزت کی رضا و نجات و مغفرت اور عطائے جنت کے ساتھ جانے والا بھی دوبارہ مل جائے پھر اگر اس فراق میں نسبت اُن کے راستے سی آ جائے تو معلوم نہیں اس نسبت پر والدین کے لئے کتنی زیادہ ترقیات اور اجور و درجات کا ذریعہ بنے۔ حق تعالیٰ نے آپ کے گھرانہ کو بہت ہی بڑی دولت سے نوازا۔ کہ دین کی اس غربت و کس مپرسی کے دور میں اس کی حیات و سرسبزی کے لئے جان کھپاتے ہوئے اور ملکوں میں پھرتے ہوئے جان دینے کی نسبت عطا فرما کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ساتھ مشابہت کی ایک جھلک عطا فرما دی جو آپ ہی کے لئے نہیں

بلکہ نہ معلوم کتنے انسانوں کے لئے ہدایت کے دروازے کھلنے، انعاماتِ ابدی کے ملنے کا ذریعہ بنے۔ جانے والے نے رہنے والوں کو اس راہ میں مرمٹنے کا سبق دیا ہے۔ اور انتہائی مسرتوں کے ساتھ وقعت و رغبت و شوق کے ساتھ اپنی جان اللہ کے راستے میں دے دی۔ اور آخر وقت تک دین کی زندگی کے لئے جان کھپانے اور عالم میں پھرنے اور محنت کرنے کے لئے تاکید کی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس وصیت کی تعمیل میں آپ کا گھر اور متعلقین پیش پیش ہوں۔ اور جانے والے کو اس کے اجور و درجات آپ کی طرف سے تحفہ پیش ہوتے رہیں۔"

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

صحابہؓ کی مشابہت میں جان دینے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا کیا مقام عطا ہوا۔ احادیث مبارکہ نے مبشرات کی صورت اختیار کی۔ عزیزؒ کی والدہ نے کیا ہی عجیب خواب دیکھا۔ بیان کیا :۔

"ایک وسیع مکان ہے ہمارے ہاں کچھ مہمان آئے ہیں۔ میں مہمانوں کے لئے چیزیں تیار کر رہی ہوں۔ اور فاروق عزیزؒ وہ چیزیں اس کمرے میں لے جا رہے ہیں۔ جہاں مہمان تشریف فرما ہیں۔ کمرے میں کیا۔ ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کیساتھ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور اس ناکارہ کا نام لیا فارغ ہونے کے بعد کہا کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ایک سمت کو چل دئے۔ میں بڑے ہی شوق سے حضور صلعم کو دیکھتی رہی آپ کے پیچھے پیچھے عزیز فاروقؒ تیزی کے ساتھ جا رہے تھے حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور میرے بیٹے کے درمیان ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ اس کام کے کرنے والوں کے درمیان اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (حدیث شریف) فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضرت مولینا محمد یوسف صاحبؒ باہر تشریف لائے میں پردہ کرکے بیٹھی تھی۔ میری پشت کی جانب کھڑے ہو کر نہایت عمدہ کلمات بیان فرماتے رہے جو یاد نہیں رہے۔"

حضرت جیؒ اپنے گرامی نامے میں اس خواب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :۔

۳۰ رجب ۱۳۸۵ھ بستی حضرت سلطانیؒ دہلی کاشف العلوم

محترم بندہ! بشرنا اللہ وایاکم بما عندہ من النعم وحفظنا عما عندہ من النعم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اپنے بندوں کے دل تھامنے اور تسلّی دینے کے لئے اللہ رب العزّت گاہے گاہے بشارتوں کی صورت اختیار فرماتے ہیں۔ رویا صالحہ مبشرات میں سے ہیں۔ فاروق عزیزؒ کی مغفرت اور درجات کی بشارت پر مشتمل ہیں نیز ادھر بھی اشارہ ہے کہ یہ مبارک عمل جس میں عزیز فاروقؒ کی جان قبول ہوئی، وہ نبیوں والا عمل ہے۔ اس میں آپ جیسوں کا انہماک اور بھرپور اشتغال، عالمگیر اثرات اور اقوام میں تغیّر پیدا کرکے بے انتہا برکات کا موجب ہوگا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف لائے اور اپنا سب کچھ اس کام پر لگا دیا۔ بیوی، بچہ، مکان، وطن، قوم، برادری، معبد سب ہی کو حیاتِ طیبہ، نجاتِ آخرت، شیوعِ راہِ حق کے لئے فدا فرمایا۔ اس کام میں انہماک اور اصحاب مشاغل کو اس طرف توجہ دلانے کی جتنی محنت بڑھے گی نمعلوم کتنی مبشرات، مذکرات و ترقیات نصیب ہوں گی رجال میں رجال اور نساء میں نساء کی محنت و مشقت اٹھانے کی بے انتہا ضرورت ہے۔

لان یھدی اللہ بک رجلاً واحدًا۔ الخ

مشاہدات پر زندگی اٹھانے والے کدھر جا رہے ہیں کیا ان بازاروں اور مکانوں میں غفلت کی نیند سونے والوں نے پچھلے بازاروں اور مکانوں کی تحقیق کر لی ہے کہ کہیں کہیں کھنڈر باقی ہیں۔

بقیہ : حضرت جیؒ کے اوصاف

اللہ ربّ العزّت اپنے لطف وکرم سے نصیب فرما دیں تو پھر اس کا وہی علاج ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و رضاہٗ نے کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ دیا۔

بہرحال جو شخص جتنے مقام و منصب کا ہوتا ہے اس کی جدائی اسی کے درجہ کے مطابق مصیبت بنتی ہے اور حق تعالیٰ جلّ وعلا مجدہٗ کی طرف سے اس مصیبت کا استقبال اُس کی شان کے مطابق ذمّہ داریوں کی صورت میں امّت کے ذمّہ عائد ہوتا ہے سو اگر امّت میں عموماً خواص میں خصوصاً ان ذمّہ داریوں کا احساس پیدا ہو جائے جو اس مصیبت کے موقع پر جانے والے کی نیابت میں رہنے والوں پر عائد ہو رہی ہیں اور مرغوبات و مالوفات کی قربانیاں پیش کرکے ظواہر و رواج پر سے نگاہیں ہٹا کر باطنی کیفیات کی مشق کے ساتھ حق کی حمایت اور رواج دینے میں، اور باطل کی تخریب اور مٹانے میں جانے والے کے مجاہدات و ریاضات کی تھوڑی سی جھلک کے ساتھ اُس کی محبوبانہ اداؤں کی مشق کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت کی نصرت کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اپنے آپ کو لگا دیں پھر حق تعالےٰ شانہٗ اپنے کرم و فضل سے ان کمالات اور خوبیوں کی تقسیم اپنے کام میں لگ جانے والوں میں فرما دیتے ہیں۔ ان کمالات کو اس عالم سے واپس نہیں لیتے اور اُن رحمت و انعامات و برکات و نصرت کے دروازوں کو اہل عالم کے لئے کھلا رکھتے ہیں جو اس جانے والے کی ریاضات و مجاہدات پر کھلے تھے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی آخری تقریر

مرتبہ: پروفیسر محمد حسین گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج جڑانوالہ

مسجد بلال پارک لاہور، یکم اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعرات بعد از مغرب ۸ بجے شام

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

میرے بھائیو اور دوستو! اللہ رب العزت جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اس زمین و آسمان میں جو کچھ بنایا ہے اور جاہے کے لیے اس زمین و آسمان کو بنایا ہے اُس میں انسان کی وقتی کامیابیاں رکھی ہیں۔ وقتی عیش، وقتی بھوک، وقتی پیٹ بھرنا، وقتی حیات، وقتی موت رکھی ہے۔ یہاں تھوڑی سی دیر کے لیے لذت و عیش ملتے ہیں پھر تکلیف آ جاتی ہے۔

اور جاہے کے لیے (یعنی جن اعمال کے لیے) انسان کو بنایا ہے اس میں خدا نے سب کچھ ابدی بھی رکھا ہے اور وقتی بھی۔ اس میں ابدی کامیابیاں بھی اور وقتی کامیابیاں بھی ملتی ہیں۔ وقتی راحت اور ابدی راحت بھی ملتی ہے۔ وقتی صحتیں بھی ملتی ہیں اور ابدی صحتیں بھی ملتی ہیں۔ انسان میں جو دولتیں (اعمال صالحہ) رکھی ہیں۔ وہ ایک طرف وقتی طور پر دنیا میں دوسری طرف آخرت میں ابدی طور پر زندگی بناتی ہیں۔ اسی لیے انسان کی یہ دولتیں ساتوں زمین و آسمان سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اگر ایک انسان کی یہ دولت بنتی ہے اور اس کے اندر کی مایہ اُبھرتی ہے تو اس سے ساتوں زمین و آسمان سے زیادہ آبادی بنتی ہے، ساتوں زمین و آسمان سے زیادہ کامیابی ملتی ہے۔ وہ دولت تو بڑی قیمتی چیز ہے اُس کی جو خشت اوّل ہے، یعنی اللہ کہنا خالی اللہ کہنا۔ اور کچھ نہ کہے اور نہ کوئی اور دولت بنائے پھر بھی فرمایا کہ جب تک ایک بھی اللہ کہنے والا دنیا میں باقی رہے گا زمین و آسمان باقی رہے گا۔ قیامت نہیں آئے گی۔ جب ایک بھی اللہ کہنے والا نہ رہے گا، ساتوں زمین و آسمان کو توڑ دیا جائے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ جن دوستوں کے لیے خدا نے انسان کو بنایا ہے وہ کتنی قیمتی ہیں۔ جبکہ ایک لفظ اللہ کہنے پر زمین و آسمان کھڑے ہیں۔ نماز نہیں، اخلاق نہیں، حج نہیں صرف اتنی دولت ہے۔ اگر انسان کی یہ آخری دولت بھی جاتی رہے تو پھر ڈیڑھ ارب سات ارب جتنے بھی انسان دنیا میں اُس زمانے میں ہوں گے سب مریں گے۔ سب مخلوق ختم کی جائے گی۔ تو میرے عزیزا اس سے معلوم ہو گیا کہ زبان سے خالی اللہ کہنا اتنی بڑی دولت ہے کہ ساتوں زمین و آسمان اس پر قائم ہیں۔ جب ایک شخص کہتا ہے کہ میں کھیتی سے پلتا ہوں تو یہ خالی کہنا نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک لمبی چوڑی محنت ہے۔ وہ زمین خریدتا ہے، ہل چلاتا ہے، بیج ڈالتا ہے۔ چار چھ مہینے کے بعد کٹائی کر کے غلہ بیچ کر پیسے لاتا ہے۔

اسی طرح جب ہم کہیں کہ ہمارے رب اللہ ہیں تو یہ خالی کہنا بلکہ اس کے پیچھے ایک لمبی چوڑی محنت شروع ہو گی۔ اگر کہتے ہو کہ ہمارے رب اللہ ہیں تو پھر دکان کھیتی، سیاست، ملازمت سے پلنے کا یقین نکالو، اس بول پر محنت کر کے اس کو دل کا یقین بناؤ۔ اور دل کا یقین بنانے کے واسطے کہنا پڑے گا محمد رسول اللہ۔ اس بول کو دل کی حقیقت بنانے کے واسطے نہ تجارت نہ ملازمت نہ حکومت کی محنت ہے بلکہ اس کے لیے ایک محنت ہو گی جو محنت کی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ وہ محنت کر کے اس لفظ کو دل کی گہرائیوں تک اتارو۔ اور اس حقیقت تک پہنچ کر اللہ سے براہ راست پلنے کا فیصلہ لو۔ پھر تو وہ تمہیں اتنی اچھی طرح پال کر دکھائے گا۔ عزت دے کر، غلہ دے کر حفاظت دے کر دکھائے گا کہ امریکہ و روس بھی تمہاری جوتیوں میں ہوں گے۔ اسی پر تمہارے ایمان کا خاتمہ ہوگا۔ اسی پر لاکھوں حسین عورتیں ہمیشہ کی جوانی، لاکھوں غلمان، ہمیشہ کا سکون اسی پر ملے گا کہ تم اس کو دل میں فٹ کر کے دکھا دو پھر ملے گا۔ اسی کے لیے ہے محمد رسول اللہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ محدود و فانی ہے تمہاری پرورش کا یقین پلٹ جائے لامحدود و غیر فانی کی طرف اس کے لیے ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کہ خدا پالتا ہے محمدؐ کی عبادت پر۔ تم محمدؐ جیسی عبادت کی محنت کرو گے تو خدا تمہیں پالے گا۔ سونے چاندی موٹروں کے استعمال کا نام نماز (محمدؐ جیسی عبادت) نہیں ہے۔ تمہارے دل و دماغ، انگلیوں، ہاتھوں گھٹنوں سب کا محمدؐ کی شکل کے مطابق استعمال نماز ہے۔ زمینداری کیا ہے؟ آپ زمین سے پلنے کے واسطے زمین کے مطابق استعمال ہوتے ہیں۔ دکان کیا ہے؟ دکان کے پلنے کے واسطے دکان کے طریقے کے اعتبار سے تمہارا استعمال۔ اسی طرح نماز کیا ہے خدا کی ذات میں جو کچھ لامحدود و غیر فانی ہے اُس سے پلنے کے واسطے ہمارے طریقۂ استعمال کا نام نماز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح پلے تھے۔ مکہ کی گلیوں میں دشمن کے نرغے سے کس طرح بچے تھے۔ بدر میں کیسے بچے اور فتح کی اور خندق میں روٹی کیسے ملی، قبائل میں گھر گئے تو کیسے بچے؟ ان سب کا جواب یہ ملے گا کہ آپؐ نے نماز پڑھ کر خدا سے مانگا تھا خدا نے کر دیا۔ اسی واسطے جتنی عبادت آپؐ نے کی ہے کسی نبی، کسی ولی نے اتنی عبادت نہیں کی نماز پڑھتے پڑھتے آپؐ سوکھی ہوئی مشک کی طرح ہو گئے تھے۔ نماز پڑھتے پڑھتے آپؐ کی رانوں تک ورم آ گیا تھا۔ اچھے اچھے تندرست صحابیؓ بھی اگر آپؐ کے کہیں پیچھے کھڑے ہوتے (رات کو نوافل میں) تو کمر میں سارا دن درد رہا۔ چھ پارے کا قیام پھر رکوع و سجدہ قیام کے برابر ایسی چار رکعتیں پڑھیں آج امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی وجہ سے ہی چل رہی ہے۔ آپؐ نے نماز پڑھ کر خدا سے امت کا قیامت کے لیے بقاء مانگا۔ آپؐ نے مانگا کہ کوئی دشمن امت پر ایسا تسلط نہ ہو جو پوری امت کو ختم کر دے۔ اللہ نے دُعا قبول فرمائی اور فیصلہ فرما دیا آپؐ نے امت کی مغفرت کی دعا مانگی کہ چاہے یہ کتنے ہی گناہ کرے معاف کر دیا جائے۔ اللہ نے یہ بھی فیصلہ فرما دیا۔ آپؐ نے دُعا مانگی کہ پوری امت قحط سے ہلاک نہ ہو۔ اللہ نے فیصلہ فرما دیا۔ پھر آپؐ نے مانگا کہ آپس میں نہ لڑیں۔ اللہ نے نامنظور فرمایا کہ یہ جو بدعملیاں کریں گے تو کوئی تو سزا باقی رہنی چاہیے۔ حضورؐ نے ایسی نماز پڑھی کہ اللہ کو ترس آ گیا۔ جب نماز پڑھ کر آپؐ اس امت کے لیے آنسوؤں سے روتے تھے تو زمین آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ آپؐ رو رہے تھے اللہ نے جبریلؑ کو بھیجا کہ اللہ پوچھتے ہیں کہ حبیبؐ کیوں رو رہے ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ امت کے لیے رو رہا ہوں کہ امت کا کیا ہوگا خدا نے کہا کہ ہم آپؐ کو امت کے بارے میں خوش کر دیں گے۔ نہ روئیے۔ ایک دن آپؐ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ صحابہ سمجھے کہ انتقال ہو گیا، فرمایا کہ آج امت کی مغفرت کی بشارت ملی تھی تو شکریہ میں اتنا لمبا سجدہ کیا۔

آپؐ کو تین دن کا فاقہ ہے کیا کیا آپؐ نے؟

نہ کمائی کی نہ کسی رشتہ دار اور دوست سے مانگا۔ مسجد میں نماز پڑھ کر خدا سے مانگا، واپس تشریف لائے عائشہؓ سے پوچھا اللہ نے روٹی بھیجی؟ کہا نہیں۔ پھر مانگا۔ پھر مانگا اسی طرح کئی مرتبہ کیا، آخری مرتبہ حضرت عائشہؓ نے کہا، عثمانؓ آئے تھے کچا پکا لائے ہیں، ہمیں بھی کہہ دیا کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو۔ اب رب ہونے کی جو حقیقت ہے وہ نماز کے ذریعے مسئلوں کو حل کرانے سے دل میں اُترے گی۔ ورنہ یہ زبان کا بول ہی رہے گا۔ امن کی روٹی کا مسئلہ نماز سے حل ہوگا۔ شخصی مسائل کا حل ایک شخص کی نماز سے ملکی مسائل کا حل ملک والوں کی نماز سے، عالمی مسائل کا حل عالم والوں کی نماز سے ہوگا۔ حضورؐ نے سارے صحابہؓ کو نماز پر ڈالا اس پر خدا نے قیصر و کسریٰ کے ہلاک ان کے ہاتھ میں پکڑا دیئے۔ اب حضرت عمرؓ کے زمانے میں خوب فتوحات ہوئیں اُس کے بعد ایک زبردست قحط آیا۔ چاروں طرف سے بھوکے پیاسے بدحال اُٹھ اُٹھ کر مدینہ منورہ آنا شروع ہوئے اور اُدھر حضرت عمرؓ نے ایک دُعا شروع کی کہ قحط سے یہ مر نہ جائیں۔ دوسرے عمرو ابن العاص کو لکھا کہ تیرے ساتھی خوب پراٹھے کھا رہے ہیں۔ حضورؐ کی امت مدینہ میں بھوکی مر رہی ہے کھانے کا سامان بھیجو۔ عمرو ابن العاص نے لکھا کہ میں سامان خوراک سے لدا ہوا ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا اوّل مدینہ میں اور آخر مصر میں ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے دسترخوان پر روزانہ چالیس پچاس ہزار آدمی کھانا کھاتے۔ دیہات میں بھی کھانا بھیجا جاتا۔ اُسی زمانے میں گاؤں کے رہنے والے ایک صحابیؓ نے بکری ذبح کی تو سوائے ہڈی خون کھال کے بوٹی نہ نکلی۔ تو اُن کی چیخ نکل گئی کہا یا محمدا! ہائے حضورؐ، آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہچکی بندھ گئی حضورؐ ہوتے تو ہمارا حال یہ نہ ہوتا۔ اسی طرح سو گئے، خواب میں حضورؐ تشریف لائے۔ فرمایا کہ ہمارا پیغام عمرؓ کو پہنچا دو کہ تُو تو بہت عقلمند تھا تیری عقل کو کیا ہو گیا۔ یہ صبح ہوتے ہی حضرت عمرؓ کے گھر پہنچے اور کہا کہ حضورؐ کے قاصد کی پکار کو سنو۔ ایک دفعہ تو حضرت عمرؓ بھی بھول گئے جیسے کہ حضورؐ کا ہی زمانہ ہو۔ پیغام سن کر لرز گئے۔ وہ سمجھے کہ میری زندگی میں کوئی فرق آ گیا ہے۔ سارے مدینہ والوں کو بلا کر کہا کیا میری زندگی بدل گئی ہے۔ سب نے کہا نہیں بدلی۔ فرمایا پھر یہ (دیہاتی صحابیؓ) کیا کہتا ہے؟ خواب کا مطلب سوائے حضرت عمرؓ کے سارا مدینہ سمجھ گیا۔ انہوں نے کہا کہ خواب کا مطلب یہ ہے جب تمہاری نمازیں خدا کے ہاں مقبول ہیں پھر قحط کے خاتمہ کی دُعا کیوں نہیں مانگتے۔ اب حضرت عمرؓ نے دُعا مانگی اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَ نَسْتَغِیْثُكَ ہم معافی مانگتے ہیں اور بارش مانگتے ہیں۔ ابھی مجمع بکھرا بھی نہیں تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ جانوروں میں جان آنی شروع ہوئی۔ دیہاتیوں نے آکر یہ بتایا کہ جب چاروں طرف سے بادل ایک دوسرے پر چڑھ کر آ رہے تھے۔ تو بادلوں میں سے آواز آ رہی تھی اَتَاكَ الْغَوْثُ یَا اَبَا حَفْصٍ

اے عمرؓ تو نے دُعا مانگی تھی بادل آ گئے۔ اس کے لیے نماز بنانی پڑے گی وضو، استنجا، امامت کی ذمہ داری زندہ کرنے کی بھی محنت کرنی پڑے گی جو نماز میں نہیں آئیں گے انہیں لانے کی بھی محنت کرنی پڑے گی۔ اب ایک لمبا چوڑا نماز کی محنت کا میدان بن گیا۔ اب نمازیں صورت اور سیرت دونوں ٹھیک بناؤ۔ جو نہیں آتے انہیں لاؤ۔ مسجدوں میں جو آ گئے انہیں سکھاؤ، مسجد میں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز محنت سے بنی تھی۔ درندوں کا ختم ہو جانا، لٹیروں، زناکاروں کا ختم ہو جانا، انصاف والوں کا اوپر آکر لوگوں کی زندگی بنانا یہ ساری ترتیب خود بدلے گی جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز کی محنت کا میدان بناؤ گے۔ تمہیں کھیتوں، دکانوں سے پلنے کے منصوبوں کی بجائے نماز پر محنت کر کے نماز کو پلنے کا منصوبہ بنانا پڑے گا تم ویسی نماز کر لو کہ جس سے کم از کم تم دوزخی نہ رہو قبر میں عذاب نہ ہو تمہیں۔ ویسی نماز بنا لو جس سے تمہارے چہرے کی روشنی حشر میں لاکھوں میلوں تک پڑے۔ اپنی کمائیوں سے جن کی وجہ سے تمہارا پلنے کا یقین غلط ہو گیا وقت نکالو یہاں مسجد میں آکر (اللہ کی) ذات کی عظمت اس کی قدرت کو اتنا سنو کہ بن دیکھے وہ ذات تمہارے سامنے آ جائے اسی لیے فرمایا ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ کہ خدا کی عبادت ایسے کر گویا تو خدا کو دیکھتا ہے۔ خدا کو دیکھنا کب آئے گا جب عبادت کے لیے خدا کی ذات کے اور اُس کی قدرت کے تذکروں کے لیے محنت ہو۔

دنیا و آخرت کے مسئلے اُس سے (یعنی اُن عملوں سے) حل ہوں گے جس کو حضورؐ نے مسجد میں چلایا تھا۔ خون و خرابہ، اغوا، ڈکیتی، چوریاں، دشمنوں کی یورش تبھی رُکے گی، جب تم وہ پروگرام چلاؤ جو حضورؐ نے مسجد میں نماز کے لیے چلایا تھا۔ وہ ساری چیزیں چلاؤ۔ حضورؐ نے مسجد کی چیزیں بہت چلائی تھیں۔ مسجد میں بھوکے پیاسے ننگے ہیں ناف سے گھٹنے تک صرف کپڑا ہے پھر بھی ایک آدمی کا قرآن سن رہے ہیں۔ اوڑھنے کے لیے کپڑے نہیں کھانے کے لیے دانے نہیں، تعلیم کے حلقے پھر بھی چل رہے ہیں۔ ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ اس حلقہ میں تشریف لائے اور فرمایا اے فقرائے مہاجرین خوش ہو جاؤ تم اغنیاء سے پانسو برس پہلے جنت میں داخل ہو گے نماز کے لیے خشوع و خضوع کی محنت کی جائے گی امام کے پیچھے رہنا پڑے گا۔ جس نماز میں لفنگوں کو زانیوں کو خدا پلٹیں گے وہ نماز بنانی پڑے گی۔ اگر اللہ کو رب مانتے ہو تو پھر یہ محنت کر لو۔ جب نماز پر محنت کرتے کرتے تمہارے دل و دماغ پر خدا چھا جائیں۔ اللہ رب ہیں وہ نماز کی تعلیم پر پالیں گے مقدمے ختم کریں گے مصیبتیں دُور کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ساری باتوں پر جو فرمائیں وہ سنو۔ جب آپ فضائل کی مجلس میں بیٹھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا جتنے لوگ باہر محنتیں چلا رہے ہیں اُن کا بچاؤ اس مسجد کے اندر بیٹھنے والوں سے ہو رہا ہے۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا یہ حدیث ہے حدیث۔ پھر مخبر صادقؐ کی باتیں آپ کے دل و دماغ میں اُتریں گی کہ عزت یہاں ہے پرورش یہاں ہے یہاں محنت کرو۔ ذکر کرنے، تلاوت کرنے تعلیم کرنے پر اور فضائل و مسائل سیکھنے کی محنت پر یقین ہو کہ اس سے زندگی بنے گی۔ پھر نماز دھیان سے پڑھو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سب کی تربیت کرنے والے اللہ ہیں اور عبادت پر وہ تربیت کرتے ہیں اور میرا قیام عبادت ہے اگر حضورؐ کے طریقے پر میرا قیام آ گیا تو اس قیام کی وجہ سے اللہ دنیا و آخرت میں پالے گا قیام میں بیت اللہ کا رُخ ہو۔ قرآن کا خدا کے دھیان اور اخلاص سے پڑھنا ہو اس پر یقین جماؤ کہ خدا اِس پر پالے گا پھر چلو رکوع کے اندر کیا کہو گے؟ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ پاک ہے وہ ذات جو عظمت والی ہے وہ میرا رب ہے۔ اب رکوع عبادت ہے اگر میرا رکوع حضورؐ کے طریقے پر ہو گیا خدا کی قدرت پر یقین کرنے میں صورت کے اعتبار سے اور نیت کے اخلاص کے اعتبار سے تو اس رکوع پر اللہ پالیں گے۔ پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ قومہ درست ہو گیا تو خدا اس پر پالیں گے۔ پھر سجدہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو گیا تو اللہ اس پر پالیں گے۔ یہی محنت نماز کے اندر کرنی ہوگی۔ یہی باہر کہ جس سے نماز درست ہو جائے۔ جو چیزیں نماز کو درست کریں گی اُن پر یقین بناؤ کہ اللہ ان میں لگنے پر پالیں گے۔ دعوت تعلیم ذکر پر پالیں گے انہیں اپنے اندر بناؤ۔ اب جاؤ محلّوں کے اندر گشت کرو کہ شہر کا کوئی آدمی بے نماز نہ رہے۔ مہینے میں تین دن دیہات میں جاؤ اور کوشش کرو کہ کوئی بے نمازی نہ رہے۔ سال میں چلہ میں کوشش کرو کہ پورے ملک میں کوئی بے نماز نہ رہے۔ تین چلے میں پوری دنیا میں کوشش کرو کہ کوئی بے نماز نہ رہے۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد جو کچھ لیا ہے وہ نماز پر لیا ہے۔ حضورؐ نے اکیلے اپنی ہی نماز ہی نہیں بنائی بلکہ مکّہ والوں مدینہ والوں طائف والوں نجد والوں سب کی نماز بنائی کیسے؟ جو کلمہ پڑھتے انہیں نماز کی محنت میں لگا دیا۔

جب یہ یقین آ جائے کہ اللہ رب ہیں نماز پر پالیں گے تو خدا پوری دنیا کی ترتیب بدل دیں گے۔اب نماز والے کی نماز کب قبول ہوگی۔ پہلے مسجد میں نماز کو بناؤ پھر نماز کی بنیاد پر کمائی، گھر کی زندگی، معاشرت تینوں لائنوں کو دین بناؤ یعنی انہیں حضورؐ کے اُن طریقوں پر لاؤ جو چلنے کے واسطے دے گئے ہیں۔ تجارت، ملازمت حکومت میں بھی کمائی کی جاتی ہے۔آپؐ جو رستہ لائے ہیں اس میں بھی کمائی ہے۔گھر کی زندگی دوا دارو انسانوں کے رستے میں بھی ہے۔حضورؐ کے رستے میں بھی ہے سب کچھ۔

نماز کی بنیاد پر کمائی کیا ہے؟ کہ کمانے پر نہیں خدا راضی ہو کر دے گا۔حضورؐ کے طریقے پر کمانے سے دے گا۔لیکن یہ نماز درست جب ہوگی کہ یا تو نہ کماؤں یا حضورؐ کے طریقے پر کماؤں۔

نہ کمانے والے کا اللہ سے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ نہ کمانے کی حالت میں مخلوق کا پیسہ نہیں دبانا ہوگا، اظہار حال نہیں کرنا ہوگا، سوال نہیں کرنا ہوگا، اسراف (دل کی دوسری جانب جھانک) نہیں کرنا ہوگا۔ بھوک آ جائے تو بھوک کی حالت میں جزع فزع نہیں کرنی ہوگی۔اس کی مثال کے لیے سارے حضرات چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ، خود حضورؐ، حضرت عیسیٰؑ، اصحاب صفہؓ سب۔یہ سب لاکھوں مثالیں ہیں تیرے لیے نہ کمانے والوں کی۔

اگر تو کمانا ہی چاہے تو کما ضرور یہاں بھی پابندیاں ہیں خدا سے لینے کے لیے۔کماتے ہو تو اس بنیاد پر چلو کہ کمائی سے نہیں ملے گا۔ خدا دے گا۔حضورؐ کے طریقے پر کماؤں گا تو اللہ دے گا۔میں پیسے کے لیے نہیں کماتا، حضورؐ کا طریقہ کمانے میں چالو کرنے کے لیے کماتا ہوں۔ کمانا ہے یہ ثابت کرنے کے واسطے کہ ہم دکان کرتے ہیں دکان پر یقین نہیں کرتے، حکومت پر یقین نہیں کرتے۔ خدا پر کرتے ہیں۔ یہاں دکان کرنے میں دیکھنا ہوگا کہ کیا بیچتا ہے کیا نہیں بیچتا۔تصویریں فحاشی کی کتابیں، مخرب اخلاق چیزیں نہیں بیچنی۔ جیسے ایک تو سؤر اور کتے حرام ہیں ان کا کھانا حرام ہے آگے حلال جانور بکری وغیرہ کا آپ نے گلا گھونٹ دیا یا بکری کے دو ٹکڑے کر دیئے، خواہ آپ نے بسم اللہ اللہ اکبر بھی کہا حلال جانور بھی حرام ہو گیا۔اسی طرح کمائی میں پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ جس طریقے سے حلال کمائی حلال بنتی ہے وہ طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔کمائی میں گھسے تو حضورؐ کا طریقہ چالو کرنے کے واسطے گھسے۔ اور کیا کہا کہ خدا کو راضی کرنے کے لیے کماتا ہوں۔حضورؐ کے بتائے ہوئے فضائل کے شوق سے کماتا ہوں خدا اس پر پالے گا۔آپ کی یہ کمائی چاہے تجارت ہو چاہے مزدوری آپ کا رابطہ خدا کی ذات سے قائم ہو گیا۔اس پر آپ کو دنیا میں بھی آخرت میں بھی وہ ملے گا جو خدا کی ذات کے خزانوں میں ہے۔ دوسروں پر گولے پڑیں گے۔تمہاری دکان پر نہیں پڑے گا۔ اگر پڑے گا نقصان نہیں کرے گا کیونکہ تمہاری دُکان میں حضورؐ کا طریقہ ہے وہ دُکان راکٹ سے زیادہ مضبوط ہوگی۔

اب گھر کی زندگی بھی نماز کی بنیاد پر چلانی ہوگی اس میں بھی کچھ لباس حلال ہیں کچھ حرام ہیں۔کچھ گھر بنانے حلال ہیں کچھ حرام ہیں۔ پھر حلال میں بھی کچھ طریقے حلال ہیں کچھ طریقے حرام ہیں حضورؐ کے طریقے سے بیوی بچوں کے ساتھ ہماری ترتیب ہوگی تو خدا پالے گا۔حضور کے طریقے کا جھونپڑا کسریٰ کے محلوں، یہود و نصاریٰ کے طریقے کی کوٹھیوں سے قیمتی ہے۔جو پچاس روپے کے حضورؐ کے طریقے کے جھونپڑے میں مزہ ہے وہ خدا کی قسم یہود و نصاریٰ کی پچاس لاکھ روپے کی کوٹھیوں میں حلاوت نہیں۔ حضورؐ کے طریقے کے سوا روپے کے کرتے میں جو مزہ ہے وہ یہود و نصاریٰ کے پانچ لاکھ کے لباس میں نہیں۔پالنے والے اللہ ہیں۔حضورؐ کے طریقے پر پالیں گے۔خدا پرورش اُس وقت لگائیں گے جب ہم گھر کے نقشے میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے طریقے پر چلیں گے۔رب کی بنیاد پر گھر کا نقشہ بھی دیا گیا ہے اس میں دوا دارو ولادت و موت کے طریقے بھی آئیں گے۔مسجدوں میں بیٹھ کر صحابہؓ اولیاءؒ کے طریقے سیکھو۔اگر تم نے کوٹھیوں کو یہود و نصاریٰ کے طریقے پر رکھا تو زمین کا ایک جھٹکا انہیں توڑ سکتا ہے۔اگر حضورؐ کے طریقے پر جھونپڑا بنایا تو خدا کی قسم اُس پر راکٹ بھی گرے گا تو راکٹ ٹوٹ جائے گا۔ یہ اینٹ پتھر جو بے قیمت ہیں تو قیمتی بنیں گے نہیں۔ قیمتی تو حضورؐ کے طریقے ہیں جو ذاتِ اقدس سے نکلے ہیں محمدؐ کی۔جن کا حکم چلا ہے اللہ کی ذات سے۔اگر ساتوں زمین و آسمان کے برابر ایک کوٹھی ہو جس میں سارے ہیرے جواہرات لگا دیئے جائیں تو خدا کی قسم حضورؐ کی پاخانہ پھرنے کی ایک سنت کے مقابلے میں اُس کی کوئی قیمت نہیں۔

اسی بنیاد پر معاشرت لے تو اس پر خدا تمہیں خوب دیں گے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے فجر کی دو رکعت کی قیمت کے برابر نہیں۔اب کہ پانچ ہزار لے کر تم افریقہ گئے (اللہ کے دین کی محنت کے لیے) تو پانچ لاکھ نماز پڑھنے والے بن گئے۔

تم میں کمائی کی ہوس عثمانؓ، عمرؓ اور امام حسنؓ بننے کے لیے نہیں ہے تم میں کمائی کی ہوس ہے۔قارون و شداد کے نقشے پر اور یورپ کے زانیوں کے نقشے پر آنے کے لیے۔ اگر تم حضورؐ کو امام بنا لو۔یہود و نصاریٰ کی بجائے تو تمہارے پاس خوب وقت اور پیسہ بچے گا اور پھر تم کالے گورے کو نماز کی بنیاد پر لا کر جوڑ دو۔تو تمہارا دنیائے انسانیت پر بہت بڑا احسان ہوگا۔دُنیا آپ کو اس کا بدلہ نہ دے گی خدا دے گا۔ ایک ایک نماز پر خدا تمہیں ساتوں زمین و آسمان سے بڑی جنتیں دے گا۔

ایک معاشرت بنانی پڑے گی، انصاف کی بنیاد پر۔ یہ انصاف نہیں اپنی لاکھوں کی کوٹھی ہو اور دوسرے لاکھوں فاقے مر رہے ہوں۔ اگر آپ اس پر نہیں آ سکتے۔ کچھ تو اپنا معیار کم کیجئے اور اپنے نبیؐ کی نقل اُتاریئے۔جنہوں نے تین تین دن فاقے کیے ہیں تمہارے بننے کے لیے آپؐ نے خون کے بہت قطرے بہائے ہیں حالانکہ آپؐ کے خون کے ایک قطرے کی زمین و آسمان قیمت نہیں بن سکتے۔یہ نہیں تھا کہ حضورؐ پر نہ ملنے کی وجہ سے فاقہ آتا تھا بلکہ عشاق دیتے ہیں۔ ہدیے تو امت پر لگا دیتے ہیں۔ خود فاقے کرتے ہیں۔ فاطمہؓ سے اتنی محبت ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے جب اُن کے ہوتے ہوئے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ابوجہل کی بیٹی سے میں نکاح حرام نہیں کرتا لیکن میری فاطمہ کو جو دُکھ پہنچائے اس کا مجھ سے تعلق نہیں۔اُسی فاطمہؓ کا جب نکاح کیا تھا تو سب غریب علیؓ سے کیا تھا۔ایک دفعہ غلام باندی آئے تو فاطمہؓ حضرت علیؓ کے بھیجنے پر گئیں۔شرم سے واپس آ گئیں حضورؐ تشریف لائے۔ علیؓ نے مدعا بیان کیا تو فرمایا امت مجھ کو پیاری ہے اور تمہیں باندی غلام دوں حضورؐ کی امت آج بگڑ رہی ہے تم تھوڑی سی قربانی کر کے اُس کو اوپر نہیں لا سکتے۔

معاشرت میں انصاف کو سامنے رکھو۔صاحب یہ مہاجر و مقامی کا مسئلہ ہے۔یہ نہیں کہنا ہوگا۔پٹھان غیر پٹھان کا مسئلہ کہنا یہ ظلم کے نعرے ہیں۔ جب آدمی ظلم کرتا ہے جاہلیت و عصبیت پر عمل کرتا ہے تو خدا نماز و روزہ اُس کے منہ پر مار دیتے ہیں یہاں تک کہ مسلم عیسائی ہندو مسلم بھی کوئی مسئلہ نہیں کہ تم مسلم کی مسلم ہونے کی وجہ سے حمایت کرو۔اگر اس طرح مدد کرو گے تو تم ظالم ہو گے اور ظالم کو خدا کبھی نہیں چمکاتے۔تم تحقیق کرو کہ واقعہ کیا ہے پتہ چلا کہ اس پنجابی نے سندھی کے پیسے چھین لیے ہیں تو آپ پنجابی ہونے کے باوجود سندھی کی مدد کیجیے۔اور پنجابی سے حق دلوائیے۔

جو قوم انصاف کرے گی سروں پر آئے گی جو ظلم کرے گی پیروں میں آئے گی۔اب ہماری مدد نہ قومیت نہ لسانیت نہ وطنیت نہ رشتہ داری نہ پارٹی کی بنا پر ہوگی حتیٰ کہ مسلمان ہونے کی بناء پر بھی نہ ہوگی بلکہ ظلم و انصاف کی بنا پر ہوگی۔پھر تمہارے سامنے نہ راکٹ نہ بمبار جہاز کوئی چیز ہے۔ چاہے تمہارے پاس کھانے کے لیے جَو کی روٹی چٹنی ہو تو خدا تمہیں ساری دنیا میں چمکائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ ....

اے ملک کے مالک جسے چاہتا ہے تو ملک

باقی صفحہ ۴۶ پر

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

دین کے احیاء کی وہ تحریک جسے تبلیغی کام سے موسوم کیا جاتا ہے جو شخص بھی اس کی جس قدر افادیت کا قائل ہے اسی قدر رنج والم کے ساتھ اُس نے یہ خبر سُنی ہو گی کہ اس کام کے سربراہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اچانک وفات پائی اور احیاء دین کی اس جد و جہد کی وہ مثالی شخصیت جس کے جذبہ و عمل کے مشاہدے اور جس کے انفاس گرم کی تاثیر سے کتنوں ہی کو ہمہ سوز و ہمہ عمل ہو جانے کی توفیق ملی وہ آج راہِ خدا کے ان دیوانوں کے درمیان موجود نہیں ہے۔

بے شک بقاء و دوام اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کی اس دنیا میں کسی کو موت سے رستگاری نہیں لیکن یہ بھی حق ہے کہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولانا نے جس راہ پر دیوانہ وار چلتے ہوئے جان دی ہے یہ اسی عشق کی راہ ہے جس میں مر کر بھی آدمی مرتا نہیں۔ اُس کی صرف یاد زندہ نہیں رہتی بلکہ اس یاد کے اثرات سے دلوں کو زندگی ملتی ہے اور یہی حیات دوام ہے جو صرف عشاق کے نصیب میں آتی ہے۔

ہندوستان اور پاکستان میں دین سے معمولی تعلق رکھنے والا بھی کون مسلمان ہوگا جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) کے نامِ نامی سے آشنا نہ ہو آپ کے عظیم المرتبت والدِ ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آج سے ۴۰ برس پہلے دین کی عمومی دعوت اور اُس کے احیاء کی جو عظیم مگر سادہ جد و جہد اپنی مؤمنانہ بصیرت اور ایک والہانہ سوز و تڑپ کے اثر سے شروع کی تھی، مولانا کے انتقال پر (یعنی اب سے ۲۰ برس قبل) اس کی گراں بار ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر آئیں جبکہ آپ کا سن ۳۰ برس کے اندر تھا۔ مگر آپ کی خدا دادا صلاحیتوں نے اس بیس برس کے اندر اس دینی تحریک کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ پہلے جس کام کا دائرۂ عمل غیر منقسم ہندوستان کے اندر محدود تھا اب اس کی جڑیں روئے زمین کے ہر ہر خطہ میں جا پہونچیں اور خود ہندوستان و پاکستان کے اندر وہ مناظر اس کام کی وسعت و مقبولیت کے آج آئے دن نظر آتے ہیں۔ جو کل صرف آرزوؤں اور تمناؤں کا درجہ رکھتے تھے — غرض وہ پودا جو تھوڑی سی ہی نشوونما حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی میں پاسکا تھا مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی مجاہدانہ کوششوں اور دینی صلاحیتوں سے ایک تن آور درخت کی شکل میں دنیا کے سامنے ہے —

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا

افسوس اس ہستی کا چراغِ حیات ۲/ اپریل (۲۹/ ذی قعدہ) یوم جمعہ کی سہ پہر کو لاہور کی سرزمین پر آناً فاناً گل ہو گیا۔ ایک ہستی کا چراغ نہیں بجھا دین کا ایک روشن چراغ بجھ گیا روشنی کا ایک بلند مینار گر گیا۔ دین کے لئے سوز و تڑپ کی ایک تصویر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی جسے دیکھ دیکھ کر ہر دن اور ہر رات نہ معلوم کتنے دلوں میں اسی تڑپ کی بجلیاں کوندنے لگتی تھیں — خدا اپنی رحمت بے پایاں کی بارشیں ان کی رُوح پر فرمائے اور اس عظیم خلا کو اپنی قدرتِ خاص سے پُر فرمائے جو ان کی اچانک وفات سے پیدا ہو گیا ہے —

مولانا کا لاہور میں قیام اسی دینی دعوت کے سلسلے میں تھا جس کے لئے ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ وقف تھا۔ شوال کے پہلے (اور فروری کے دوسرے) ہفتے میں آپ اپنے رفقاء کے ساتھ پاکستانی احباب کی دعوت پر مشرقی اور مغربی پاکستان کے ایک لمبے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ لاہور اس سفر کی آخری منزل تھی اور ۲/ اپریل ۲۹/ ذی قعدہ ہی کی تاریخ دہلی واپس ہونے کے لئے مقرر تھی۔

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

— واپسی ٹھیک اسی تاریخ کو ہوئی مگر کس طرح کہ وہ لاہور رہی میں جمعہ و عصر کے مابین ابدی نیند سو چکے تھے اور اسی کے عالم میں شب کو تین بجے ایک ہوائی جہاز انھیں دہلی کے ہوائی اڈہ پر لے کر اُترا اور وہ تبلیغی مرکز و مسجد جہاں دوسرے دن صبح کو ان کے ارشادات سننے اور ان کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے دور دور سے سمٹ کر مشتاقوں کا مجمع ہوتا تھا اُن کے اشکبار سوگواروں سے بھری ہوئی تھی۔ اور مسجد کیا بھری ہوئی تھی۔ دہلی بھری ہوئی تھی۔ ——

افسوس یہ کیسی بجلی ملّت کے شکستہ ایوان پر گری اور کیسی نعمت چشم زدن میں ہاتھوں سے نکل گئی۔ ابھی مولانا کی عمر پچاس سال کی بھی نہ تھی۔ قویٰ مضبوط اور جسم تنو مند تھا۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ دل سے جتنا کام لیتے تھے اور اعصاب پر جتنی شدید محنت کا بوجھ انھوں نے ڈال رکھا تھا اُس میں ظاہری قوت و صحت کے باوجود دل کا جواب دے جانا کوئی بہت حیرت انگیز واقعہ نہیں۔ دن و رات میں کئی کئی بار طویل طویل خطابات، پھر ان خطابات میں ایک جذبہ و حال دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے کام کی فکر و نگہداشت آرام سے بے نیازی، صحت و مرض کی تفریق سے لاپروائی، ہر لمحہ محویت کا عالم، یہ ایسی چیزیں نہیں جنھیں قلب و اعصاب بڑی مدت تک برداشت کر سکیں۔ بے شک یہ بڑا ہی عظیم خسارہ ہے کہ دین کے احیاء کی جد وجہد کے لحاظ سے ایک نادرۂ روزگار ہستی یوں آن کی آن میں دنیا سے اُٹھ گئی۔ مگر انھوں نے ایک نمونہ دیا ہے کہ آدمی کمر باندھے تو دین کے لئے کیا کچھ کر سکتا ہے۔ ایسے زندۂ جاوید نمونے جب اٹھتے ہیں تو اپنے پیچھے میدان خالی چھوڑ کر نہیں جاتے ان کی موت سے زندگی کے چشمے اُبلتے ہیں، وہ ایک روح ایک کی جگہ کتنوں ہی میں سرایت کرتی ہے اور جو جذبہ ایک ذات محدود تھا وہ موت کے بعد کتنوں ہی کی میراث بن جاتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس حادثہ کا صرف صدمہ ہی ملّت کے حصے میں نہیں آئے گا بلکہ اس کا یہ صلہ بھی خدا کی رحمت سے بھرپور عطا ہو گا۔

بقیہ :- حضرت جی کی آخری تقریر

دے دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جسے چاہے ملک دے کر ذلّت دے دے جسے چاہے ملک چھین کر عزّت دے دے تو سب کچھ اپنی قدرت سے کرتا ہے۔

جو اپنی عبادت، کمائی، گھر کی زندگی، معاشرت میں اللہ کے رب ہونے اور حضورؐ کے طریقے پر نماز کی بنیاد پر چلنے کے اعتبار سے چلتا ہے تو مسلمان ہے آج تم پہاڑ سمجھتے ہو کہ کوٹھی والا جھونپڑے میں کیسے رہے گا۔

جس دن حضورؐ تمہارے محبوب بنیں گے۔ پھر کہو گے محبوب جاہے میں رہے اُسی میں رہنا ٹھیک ہے۔ جب نماز پڑھ کر خدا سے پلنے کا یقین آجائے گا تو پھر کمائی، گھر کی زندگی، معاشرت تینوں لائنیں حضورؐ کے طریقے پر آجائیں گی۔

باقی صفحہ ۵۳ پر

حضرت جی ——— اور آپ کی

زندہ تحریک

——— دینی جرائد کی نظر میں

از:- عبدالکریم مہتمم مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا - امابعد

خدام الدین میں حضرت جی نمبر کا اعلان پڑھا تو اس میں شرف شرکت کا خیال پیدا ہوا کوچۂ تحریر سے ناآشنائی اور عنوان بالا کے ہر دو اجزاء سے متعلق معلومات ندارد کی حد تک قلیل ہونے کے باوجود یہ شوق اس لئے دامنگیر ہوا کہ بعض اہل اللہ کو بارگاہ صمدیت میں اس درجہ مقبولیت حاصل ہوتی ہے کہ ان کا ذکر خیر اور ان کے لئے دعا ترقی درجات اور استغفار کرنا بھی ذریعہ اصلاح فی الدنیا و نجات فی الاخرہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالےٰ نے شرح الصدور ص۱۵۰ میں سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل فرمایا ہے:-

کفن چور کا عجیب واقعہ

کہ ایک کفن چور اس غرض سے ایک صالحہ کے جنازہ میں شریک ہوا کہ قبر کا پتہ لگا لے تاکہ کفن کشی میں اسے سہولت رہے۔ غرض بُری تھی لیکن بعض اوقات نیکی کی شکل اور صورت بھی کام کر جاتی ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ جب وہ کفن چھیننے گیا اور کفن کو کھینچنے لگا تو کفن پوش صالحہ نے فرمایا:-

سُبْحَانَ اللّٰهِ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَسْلُبُ مِنْ اِمْرَاَةٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ

یعنی عجیب بات ہے ایک جنتی مرد جنتی عورت کا کفن اتار رہا ہے۔ چور کو تعجب ہوا کہ مجھ سا بدعمل کس طرح جنتی ہوا۔ مگر خود صالحہ نے اس کا یہ شبہ بھی دور کر دیا۔ اور فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّكَ صَلَّيْتَ عَلَيَّ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ غَفَرَ لِمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ

تو میری نماز جنازہ میں شریک رہا اور اللہ تبارک و تعالےٰ نے ان سب کی مغفرت فرما دی ہے جنھوں نے میری نماز جنازہ ادا کی ہے۔

سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اسی قسم کا دوسرا واقعہ بھی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۸ پر تحریر فرمایا ہے آپ لکھتے ہیں:-

ایک شخص سری السقطیؒ کے جنازہ میں شریک رہا۔ رات کو اس نے خواب میں آپ کی زیارت کی پوچھا مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ یعنی رب کریم نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا جوابًا فرمایا:-

غَفَرَ لِيْ وَلِمَنْ حَضَرَ جَنَازَتِيْ وَصَلّٰى عَلَيَّ۔

اللہ تعالےٰ نے میری مغفرت فرما دی۔ اور ان سب کی بھی جو میرے جنازہ پر حاضر ہوئے اور نماز جنازہ ادا کی۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی حیوٰۃ طیبہ ایمان و یقین سے معمور زندگی اور وجعلنا لہٗ نورًا یمشی بہٖ فی الناس کی آئینہ دار جد و جہد کو دیکھ کر بے اختیار یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ آپ بھی اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ان محبوبین حق کے سرخیل معلوم ہوتے ہیں جن سے ادنیٰ صحیح تعلق بھی انشاء اللہ اصلاح و نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ع

با چوں توئی معاملہ برخویش منت است

اور بظاہر یہی جذبہ ان سطور کے تحریر کا باعث بنا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ پر کیا لکھوں واقعہ یہ ہے کہ آپ کے علمی اور عملی کمالات پر کچھ　　　آپ کے عارفانہ مراتب میری سمجھ سے باہر ہیں۔ مجاہدانہ مساعی میں شرکت کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ ارشادات اور ملفوظات سے محرومی رہی اب محفل رنداں میں شرکت کی جائے تو کس منہ سے۔ ع

تو بیرون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

غور کرنے پر جو کچھ سمجھ میں آیا وہ یہ ہے کہ آپ کے صرف تین ملفوظ " جن میں ایک ملفوظ بلاواسطہ سننے کا شرف حاصل ہوا اور دو کا بالواسطہ " قارئین تک پہنچائے جاویں۔ ان معنی خیز ملفوظات سے اگر بعض اہل دل محظوظ ہو جاتے ہیں تو انشاء اللہ اس ناکارہ کی نجات کا بہانہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ ع

رحمتِ حق بہانہ می جوید

ساتھ ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی محبوب اور زندہ بلکہ زندہ جاوید تحریک پر اپنے محدود ترین معلومات کے مطابق بعض دینی جرائد کے تاثرات کو یک جا کر کے پیش کر دیا جائے۔ اس شہادت حقہ سے اگر ایک طرف انتم شھداء اللہ فی الارض کے ماتحت حضرت کے درجات بلند ہونے کی پوری توقع ہے تو دوسری جانب تعلیمی اور سیاسی طرز پر اسلام کی خدمت کرنے والے اداروں کا آپ کی چلائی ہوئی تبلیغ پر اعتماد اس کی ضرورت اور عمومیت نفع کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

الہامی تحریک

ملک کی مقتدر اور اسلامی سیاست کی واحد حامل جماعت جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کے ہفت روزہ آرگن ترجمان اسلام نے حضرت جیؒ کی وفات کو " اسلامی دنیا کا عظیم نقصان قرار دیا ہے۔ فاضل مدیر نے لکھا ہے:-

" تبلیغی جماعت کی بنیاد اور اس کا طریقۂ کار حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خاص القاء و اشارات پر شروع ہوا تھا اور یہ ایسا بے ضرر اور مفید طریقۂ تبلیغ تھا کہ اس نے چند سالوں میں سارے عالمِ اسلام کی جھولیاں اسلامی تڑپ کے موتیوں سے بھر دیں۔ یہ طریقہ بظاہر بڑا آسان اور بے ضرر ہے مگر نفس کشی اور ریاضت میں اس کو اعلیٰ مقام حاصل ہے "۔

ہر امیر و غریب، نیک و بد، نرم و درشت

انسان کو خطاب کر کے اس کو مسجد لے جانا یہ بنیادی طور سے مسلمان بنا کر اسلاف کے ماحول سے خوگر بنا دینا معمولی کام نہیں ہے بڑے بڑے سرکاری افسر اور عہدہ دار، اہل دفاتر اور اونچے اونچے دنیادار بسترے اٹھائے تبلیغ دین کے نام سے گھر سے نکل کر سنت اسلاف کو زندہ کرتے ہیں۔ حضرت مولٰنا محمد یوسف صاحبؒ کی تقاریر اکثر الہامی طرز کی ہوتی تھیں۔ ہر وقت اللہ تعالٰے کی مدد ان کے شامل حال رہتی تھی۔ ان کے متبعین کو خارق عادات حالات پیش آتے رہتے ہیں یہ سب باتیں ان کی حقانیت اور خلوص کی دلیل ہیں۔

ملک کے مشہور مذہبی اور اسلامی سیاست کے قائد حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مدظلہ کا تبلیغ کے الیاسی یوسفی طرز پر تبصرہ اس کے بہترین اثرات کا اعتراف محتاج توضیح نہیں خصوصاً مخطط جملے اس نیک تحریک سے متعلق آپ کے گہرے اعتماد اور اس کے متعلق جذبات کے مظہر ہیں۔

انقلاب انگیز نظام

ملک میں مذہبی دینی عربی مدارس کے وسیع حلقہ میں مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کو علامہ محمد یوسف صاحب البنّوری کی سرپرستی اہتمام اور شیخ الحدیث ہونے کی وجہ سے جو مقام حاصل ہے اور اس حلقہ میں جس امتیازی شان کا وہ حامل ہے وہ ارباب علم وتقوٰی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مدرسہ مذکورہ کا ذمہ دار ماہنامہ بیّنات آپ کی محبوب تحریک کو انقلاب انگیز نظام قرار دیتے ہوئے لکھا ہے :۔

"بیّنات کی کتابت ہو چکی تھی اور پریس میں کاپی جانے والی تھی کہ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی۔

اس حادثہ فاجعہ سے کلیجہ منہ کو آگیا۔ مدرسہ میں فوراً تعطیل کر کے ختم قران کریم کا اہتمام کیا گیا اور ایک جلسہ تعزیت منعقد کیا گیا۔ جلسہ کی قرارداد اور حضرت ممدوح کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں آئندہ ماہ کچھ لکھا جاویگا اس وقت تو جناب باری میں عرض ہے کہ اللہ تعالٰے آپ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور درجات و مراتب بلند فرمائے! اور کسی باصلاحیت شخص کو توفیق عطا فرمائے کہ جو تبلیغ کے اس مفید اور انقلاب انگیز نظام کو جاری رکھ سکے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

(بینات بابت ذیقعد ۸۴ھ)

ایک بے نظیر اور عالمگیر نظام

مذہبی رسائل، اخبارات اور جرائد میں سب سے کثیر الاشاعت اور محبوب ترین بین المسالک والمشارب ہفت روزہ "خدام الدین لاہور" نے آپ کی وفات پر بھرپور صدمہ محسوس کیا۔ اس نے عنوان قائم کیا۔

"آسمان اصلاح وتبلیغ کا آفتاب غروب ہوگیا"

وہ اپنے غم بھرے اداریہ میں لکھتا ہے :۔

"آپ کی موت دنیائے اسلام کا ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کی بظاہر کوئی شکل نظر نہیں آتی ..... آپ نے اسے (الیاسی طرز تبلیغ کو) آفاقی بنانے میں تن من کی بازی لگا دی اور اتنے جوش و ولولہ کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا کہ دور حاضر میں اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے اتنے بڑے نظام کی سربراہی کے باوجود کہ جس کے ڈانڈے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے کسی کے سامنے امداد کے لئے ہاتھ نہ پھیلائے۔ نہ اشتہار بازی کی نہ پروپیگنڈا کے موجودہ طریقے اختیار کئے نہ بیانات اور انٹرویو سے دلچسپی لی..... ہمیں اللہ رب العزت سے امید ہے کہ وہ حضرت مولٰنا الیاسؒ اور حضرت جی مرحوم کے مشن اور صدقہ جاریہ کو جاری رکھے گا۔ اور وہ تمام راستے کھلے رہیں گے جو ان کے ناخن تدبیر نے کھولے اور جن پر چل کر لاکھوں انسان ذکر اللہ میں مگن اور فکر آخرت میں مست ہیں۔"

خدام الدین ۱۲/۸۴ ۱۳

حضرت جیؒ کے کمالات آپ کی تحریک کے خصوصیات اور اس کی عام افادیت پر خدام الدین جیسے ذمہ دار مذہبی ہفت نامہ کے مندرجہ بالا مخطط جملے محتاج تبصرہ و توضیح نہیں ہیں۔ اور اس کی صداقت حقانیت اور اہمیت پر کھلی شہادت ہے۔

ایمان کی تخم ریزی کرنے والی جماعت

لائلپور کا "المنبر" جو اپنے مدیر شہیر مولانا عبدالرحیم صاحب اشرف کے اعجاز قلمی کے باعث اسلامی سیاست سے دلچسپی رکھنے والے پاکستانیوں میں محتاج تعارف نہیں، حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو عظیم داعی الی اللہ قرار دیتا ہے۔ اس کا مدیر آپ کی وفات کے غم میں نڈھال ہے اور اس کی جماعت کو درج ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے :۔

"ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اس عظیم شخصیت کے بلاوے پر ہزاروں لاکھوں انسان گھربار چھوڑ کر اپنے بھائیوں کے قلوب میں ایمان کی تخم ریزی اور اعمال صالحہ کی آبیاری کے لئے دیوانہ وار پھر گھوم رہے ہیں۔ جس شخص کے ایمان کی حرارت نے شرق و غرب اور عجم و عرب میں ایک حرکت پیدا کر دی ہے اس شخص کا موجود رہنا از بس ضروری ہے۔"

عالمی تنظیم

لائلپور کا خورد سال مگر تیز گام "لولاک" آپ کی تحریک کو عالمی تنظیم سمجھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے :۔

"آپ کا اور آپ کی جماعت کا مرکز دہلی میں نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں تھا۔ وہیں سے آپ تبلیغ کی عالمی تنظیم کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

تبلیغی جماعت اگرچہ ہماری روایتی، مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی طرح دفاتر اور عہدے داروں وغیرہ کی مرہون منت نہیں۔ تاہم وہ ایک جماعت کی حیثیت سے متعارف ہے جو نہ صرف برصغیر ہی میں بلکہ دنیا کے دوسرے اکثر ممالک میں بھی متعارف ہو چکی ہے اس کے وفود امریکہ، برطانیہ، جاپان اور دوسرے یورپی اور افریشیائی ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے نہایت کامیاب طریقہ سے تبلیغ کرنے جاتے رہتے ہیں اور اس طرح یہ ایک غیر سیاسی خالص مذہبی عالمی تنظیم بن چکی ہے۔"

یہ صرف چند ایک اُن دینی اور ملک و ملّت کے اسلامی طرز پر خدمت کرنے والے اداروں کے تاثرات ہیں جو آپس میں عملی اختلاف اور طریق کار میں متفاوت ہونے کے باوجود اس پر متفق ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کے جانشین حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کا جو

ڈھنگ اختیار فرمایا تھا۔ وہ اتفاقی ہے الہامی ہے۔ عالم اسلام کی جھولیاں اسلامی تڑپ کی موتیوں سے بھر دینے والا ہے انقلاب انگیز نظام ہے۔ یہ اپنے نتیجہ کے لحاظ لاکھوں انسانوں کو ذکراللہ کی لگن اور فکر آخرت میں مست کرنے والا ہے۔

اس سے شرق و غرب اور عرب و عجم میں حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ ایمان کی تخم ریزی اور اعمال صالحہ کی آبیاری کرتا ہے۔ برصغیر کے علاوہ یورپی ممالک امریکہ، برطانیہ اور جاپان میں بھی اس کے ذریعہ اسلام کی کامیاب تبلیغ ہو رہی ہے۔

یہ رسائل اور ہفت نامے اتفاقی طور پر نظر سے گذرے۔ ان کے علاوہ بیسوں اور مذہبی اور دینی طرز پر سوچنے والے اداروں کی ترجمانی کرنے والے رسالوں نے بھی یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت جیؒ اور آپ کے طریق کار کو بلند الفاظ سے سراہا ہو گا — عالم اسلام کی مستند دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور نے کیا کچھ خراج تحسین نہیں پیش کیا ہوگا۔ بہرحال ان ذمہ دار شخصیتوں کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ الیاسی تبلیغ جیسا کہ ظاہری طور پر سمجھا جاتا ہے صرف الفاظ کلمہ اور الفاظ نماز سکھانے تک محدود نہیں۔ اس کے نتائج نہایت دُور رس اور نفع عام و تام ہے اور جس کی اہمیت اور ضرورت سے صرف نظر کرنا قومی نقصان کے مترادف ہے۔ باطل کے ہر مورچہ پر اسلام کی جانب سے اپنے طور پر مدافعت کرتے ہوئے بھی تمام اسلام پسند بزرگوں اور رضاکاروں کا فریضہ ہے کہ وہ اس دینی حرکت کی سرپرستی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں — یہی ہر دو حضرات مرحومین کو اسلامی خدمات کو صحیح خراج تحسین پیش کرنا ہے۔ اور اس سے ہر دو بزرگوں کی روح کو مسرور کیا جا سکتا ہے۔ صرف لفظی اور رسمی یادگاروں سے تو بہت ممکن ہے ان اکابر کی روح اور بھی متاثر ہو اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نجست اسرار من

بعض دوستوں کا کھٹکا

بعض بزرگوں اور کچھ احباب سے سنا گیا ہے کہ اس طرز پر کام کرنے والے حضرات حق اسی طرز تبلیغ میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اسلامی تعلیمی مدارس اور اداروں کی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتے دوسرے طریق کار سے ملک و ملت کی اسلامی طرز پر خدمت کرنے والے اداروں اور جماعتوں کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں اور اس طرح گویا وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے تمام مورچوں کو خالی چھوڑ دیا جائے اور صرف اسی ایک مورچہ پر تن من دھن سے کام ہی ملت اسلامیہ کی مشکلات کے لئے کافی ہے۔

احقر کا خیال ہے کہ اوّلاً تو جماعت کے بیسیوں سرکردہ ارکان اور بزرگوں کو اس وہم کے خلاف کھلے طور پر عمل کرنے والا پایا گیا ہے۔ مختلف طرز پر دین کی خدمت کرنے والوں کے ساتھ وہ دلی ہمدردیوں کے ساتھ تعاون بلکہ شرکت کرتے رہتے ہیں ثانیاً چونکہ یہ تحریک بہت عام ہو چکی ہے اور اتنی طویل الذیل کہ بفضلہ تعالےٰ اب اس کے حدود اربعہ وسعت زمین کے ساتھ وسیع ہوتے جا رہے ہیں۔ ادھر ہر ذہن و فکر کا آدمی، ہر ماحول میں پلنے والا شخص چونکہ بحمداللہ اس سے متاثر ہو رہا ہے اور پھر وہ اس صداقت کی جانب دعوت دینا بھی اپنے ضمیر کی آواز سمجھتا ہے ان میں بہت سے نو آموز بھی ہوتے ہیں۔ بعض کا ذہن خاص ماحول سے متاثر بھی ہوتا ہے اس لئے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کام کی طرف جب وہ دعوت دینے لگتا ہے۔ اور پوری قوت سے اس کی طرف ہر مسلمان کو بلاتا ہے تو بسا اوقات الفاظ کی تنگ دامانی سے یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ شاید وہ تمام دوسرے دینی کام بھی چھڑانا چاہتا ہے۔ ممکن ہے بعض خصوصی عوامل اور حوامل کے باعث کچھ ذہنوں میں غلط فہمی بھی موجود ہو۔ لیکن ان کے بنیادی اصول احترام مسلم، اکرام علماء کے ہوتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ مظاہر العلوم کی سرپرستی اور مختلف العمل دینی اداروں کے ذمہ داروں کی تصریحات بالا کی موجودگی میں یقین کر لینا چاہئے کہ جماعت کے اکابر اور ذمہ دار ہر وقت اس فکر میں ہوں گے کہ کسی وقت بھی کوئی کارکن غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے اور ہمہ تن اپنی اصلاح کی طرف متوجہ رہیں۔ ہمارے اس خیال کی تائید مولانا عبدالرحیم صاحب اشرف کے اس بیان سے بھی ہوتی جو المنبر ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ زیر عنوان "مجاہد کبیر" کے پڑھا جا سکتا ہے — مولانا رقمطراز ہیں — اور ایک نہایت ضروری تمہید کے بعد جو افسوس ہے یہاں بخوف طوالت ترک کر دی جاتی ہے —

مولانا محمد یوسف علیہ الرحمۃ ان تمام نفسیاتی امراض سے کماحقہ، آگاہ تھے جو تبلیغی جماعت کی طرح پھیلنے والی جماعتوں اور داعی و مبلغ کی حیثیت سے دوسروں کو نصیحت اور تبلیغ کرنے والے افراد میں پیدا ہو جاتی ہیں میں نے دیکھا کہ رائے ونڈ میں مولانا خصوصیت سے دنیا کی محبت، شہرت کی ہوس، آپس میں مسابقت منافست اور بالآخر مشاجرت و نفاق اور اسی طرح نمازوں کا اہتمام کرنے والوں میں غرور نفس بے جا زعم اپنے کام پر فخر اور اسی قسم کے دوسرے عنوانات بڑی وضاحت سے بیان فرماتے۔ حق یہ ہے کہ مولانا یہ باتیں ایک ایسے قائد کی حیثیت سے بیان فرماتے جو ایک جانب تو کام کی توسیع کے لئے اپنی توانائیوں کو داؤں پر لگانے کا فیصلہ کر چکا ہو اور دوسری طرف وہ اس غم میں پگھلا جا رہا ہو کہ جو قافلہ وہ تیار کر رہا ہے کہیں وہ ان بیماریوں کا شکار نہ ہو جائے جو اس سے پہلے اس قسم کے قافلوں کو ناکام و نامراد بنانے کا باعث بن چکی ہیں — انتہی

حاصل یہ کہ بعض افراد میں کسی وجہ سے بعض خامیوں یا غلط فہمیوں کے موجود ہونے کا انکار نہیں۔ بات اصل تحریک اور اس طریق کار کے نفع بخش ہونے میں ہے اور یہ کہ اکابرین سلسلہ ان مشکلات سے بیخبر نہیں ہیں اور یہ کہ وہ ہر وقت ان کو قابو میں لانے کی فکر میں بھی ہیں ہاں حضرت جیسے محقق قائد کے رخصت ہونے کے بعد موجودہ ذمہ داران تحریک کی ذمہ داریوں میں یقیناً اضافہ ہو جاتا ہے امید ہے جناب قریشی صاحب امیر مغربی پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتان، مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور، مولانا محمد جان صاحب عزنی خیل، حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائل پور جیسے بزرگ اس جانب خصوصی توجہ مبذول فرمائیں گے۔ تاکہ اس مفید ترین طریق اصلاح و تبلیغ کی محبوبیت میں کوئی کمی راہ نہ پائے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

ملفوظاتِ ثلاثہ

اب حضرتؒ کے وہ تین ملفوظات لکھتا ہوں جن کا ابتدائی مضمون میں ذکر گذر چکا ہے۔

ملفوظ اوّل

رائے ونڈ میں ایک بار حاضری کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔ حضرتؒ نے سب سے توڑنے اور اللہ کی جوڑنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا:-

"اگر ایک شخص ایسے مکان میں ہو جس میں سو شیشے لگے ہوئے ہوں اس میں ایک چڑیا اُڑ رہی ہو تو وہ بلاشبہ سو جگہ اڑتی نظر آئے گی۔ لیکن اس ایک اصلی چڑیا کے سوا سب کے سب اس کے ظل اور شیشوں میں اُتری ہوئی تصویریں ہیں۔ جو شخص اس ایک اصلی چڑیا کو پکڑلے گا سب کے سب اس کے ہاتھ میں آجاویں گی اور جو اسے چھوڑ کر دوسروں کو پکڑنے کی کوشش کرے گا عمر بھر محنت کرتا رہے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئیگا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی اسی ایک ذاتِ حقیقی کو حاصل کرلے گا تو تمام ضروریات خود بخود اس کے قبضہ میں آجاوینگی اور اسے چھوڑ کر جتنی بھی محنت کرد سب رائیگاں اور فضول۔ او کما قال رحمہ اللہ تعالےٰ۔

ملفوظ ثانی

سرگودھا ایک تبلیغی اجتماع میں تشریف لائے تھے بعد العصر علماء سے خصوصی خطاب فرمایا۔ مخدومی و مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ راوی ہیں کہ اس مجلس میں حضرت نے کلمات اذان کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"انسان عناصر اربعہ کا مجموعہ ہے۔ ہر عنصر میں خاص اثر ہے ان کے نامناسب اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے ابتداءً اذان میں چار بار تکبیر کہلوائی گئی۔

(باقی تشریح محفوظ نہیں رہی)

ملفوظ ثالث

اسلام میں معاشی مشکلات کے حل پر حسب روایت مولانا عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر المنبر ارشاد فرمایا:

"جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جن چند افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معاشی مسئلے کے بارے میں جو رویہ اختیار فرمایا وہ یہ تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب سے پہلے یہ بات فرمائی کہ تم نے جتنے اوقات معاش کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ ان کا بیشتر حصہ اسلام کے لئے فارغ کردو دوسرا ارشاد یہ ہوا کہ فلاں ذریعہ ترک کر دو یہ ناجائز ہے فلاں معیشت سے دست کش ہو جاؤ یہ تمہارے رب کو ناپسند ہے۔ معیشت پر ان دو حملوں کے بعد تیسرا وار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ جو کچھ تم کمانے ہو یہ صرف تمہارا حق ہی نہیں ہے۔ اس میں تمہارے ان بھائیوں کا بھی حق ہے جو وسائل معیشت سے تہی دامن ہیں چوتھی بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو کچھ تم کماؤ۔ اس میں سے بہت سا دین کی خدمت کلمۃ الحق کی سربلندی اور بنی نوع انسان تک اپنی دعوت پہنچانے اور راہ خدا میں جہاد کرنے میں صرف کرو۔

یہ آپ کے ملفوظات کا ایک نمونہ ہے ع:-

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مولانا غلام غوث صاحب نے سچ کہا ہے کہ آپ کی اکثر تقاریر الہامی طرز کی ہوتی تھیں۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو دین کے لئے محنت کرنے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔ و صلی اللہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ محمدٍ و آلہٖ و اصحابہٖ و بارک وسلم۔

بقیہ: حضرت جی کی ایک یادگار تقریر

اور اس کے لئے نہ مال لگے نہ جان تو خدا کی قسم! یہود اور نصاریٰ کی طرف زیادہ قریب ہو جاؤ گے۔ اور حضورؐ سے دور ہو جاؤ گے۔ اور خون چوسنے والوں کے اور قریب ہو جاؤ گے۔ جس نے (یعنی حضورؐ نے) ہماری حفاظت کے لئے خون دیا تھا۔ اس سے دور ہو جاؤ گے اور جو اپنی حفاظت کے لئے ہمارا خون کرتا ہے اس کے اور قریب ہو جاؤ گے تو گویا خون دینے والے سے دور ہوئے۔ اور خون لینے والے سے قریب ہوئے۔ حالانکہ حضورؐ سے قریب ہونے میں ہمارا فائدہ ہے۔ اور حضورؐ سے دور ہونے میں ہمارا نقصان ہے۔ اس لئے کہیں کہ اس ماحول کو بدلو۔ یہ ماحول نہایت زہریلا ہے اس کی تو ہر چیز غلط۔ اس کی ایک چیز بھی صحیح ہو تو کہیں کہ کچھ صحیح ہے مجھے بتا دو کہ اس کی کون سی چیز صحیح ہے۔ اب ایک بات ہماری مان لو۔ سو ڈیڑھ سو دو سو روپیہ ساتھ لے کے ہمارے ساتھ لاہور چلو تین دن تو سنتے رہو۔ پھر جتنا وقت خدا تمہارے دل میں ڈال دے اتنا دے دیجیو۔ پیسے لے کے تین دن لے لئے چلو اور یہ نیت کر کے چلو کہ اللہ میرے جی میں ڈال دے اور یوں دعا کرو کہ اللہ تو اس کو میرے جی میں ڈال دے۔ اگر جی میں نہ آوے تو واپس چلے آئیو۔ اور اگر اللہ جی میں ڈال دے تو جتنا وقت اللہ جی میں ڈال دے۔ اتنا دے آئیو۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بقیہ:- وعظ یحیوی

جوانی کے ساتھ دین کی خدمت کرنا اور پھر ایک ایک رکن جماعت کو جوانی، جذبات جوانی اخلاص جوانی، شوق جوانی، شوکت جوانی اور رعب جوانی دے کر راہ حق، میدان حق اور شہادت حق کی مرگ شہادت نصیب فرما اور حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو شہیدان فردوس کی آسودہ جماعتوں کی قیادت بھی اسی طرح نصیب فرما جس طرح اس دنیا میں انہیں نصیب فرمائی تھی۔

اے اللہ جس طرح حضرت جی زمین پر ہزاروں ساتھیوں کو تبلیغ کے راستوں میں لئے لئے پھرتے تھے۔ اسی طرح آسمان پر بھی لاکھوں شہیدان حق کو لئے ہوئے باغ فردوس کی روشوں پر سیر و سیاحت کرتے رہیں!

اور ہم ماندگان زمین کے لئے عرش الٰہی کا پایہ پکڑ پکڑ کر اسی الحاح وزاری اور سوز و گداز کے ساتھ دعا کرتے رہیں۔ جس طرح رائے ونڈ کے بتیرے دن خیموں کی طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر کیا کرتے تھے۔

میدانِ عرفات میں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح کا خطاب

یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۶۴ء بروز شنبہ

از :- اسرار الحق۔ ڈھری حسن آباد۔ راولپنڈی

بزرگوار دوستو! اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہم کو باوجود ہماری نااہلی کے اور اس بات کے کہ اس پاک میدان میں آنے کے قابل نہیں تھے۔ کیونکہ ہم میں بہت زیادہ گندگیاں بھری ہیں اس پاک میدان میں بلایا۔ جہاں آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرمؐ تک تمام انبیاء کو بلا کر حج نصیب کرایا۔ جس جگہ ہزاروں، لاکھوں انبیاء و رسل کا پسینہ گرا اور آنسو گرے اور ان کے انوار اب تک اس سرزمین میں موجود ہیں اس کی ذات سے امید ہے کہ ہمیں ایسی جگہ بلا کر ان کے آنسوؤں ذکر و استغفار، تلبیہ، چیخ و پکار کی نسبت سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مغفرت نصیب فرمائے گا۔ یہیں حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ رکھنی چاہیئے کہ ضرور ہماری مغفرت ہو گی یہیں حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی توجہ قبول فرمائی اور ملاقات بھی اسی میدان میں کرائی اسی وجہ سے اس میدان کا نام عرفات ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی معرفت سے ایک قطرہ عطا فرمائیں۔ (آمین)

حضور اکرمؐ نے اس میدان میں خطبہ دیا اور آخر میں فرمایا کہ فلیبلغ الشاھد الغائب یعنی ہر شخص یہاں سے مبلغ بن کر جائے۔ اس سے پہلے فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ کون سے مقام ہے؟ کیا یہ فلاں دن نہیں؟ فلاں مہینہ نہیں؟ فلاں مقام نہیں؟ صحابہ نے عرض کیا بے شک ہے پھر فرمایا کہ جس طرح یہ سب قابل احترام ہیں۔ متنبہ ہو جاؤ کہ اسی طرح تمہاری جان کا ایک ایک قطرہ، ایک ایک بال اور مال کا ایک ایک پیسہ ایک دوسرے کے اوپر حرام ہے۔ خواہ دنیا کے کسی حصہ کا مسلمان ہو ساری دنیا کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کی جان اور مال کی حفاظت کریں۔

بھائیو! یہ زمین جس پر اللہ نے ہمیں اور آپ کو محض اپنے کرم سے بلا استحقاق پہنچایا یا سارے انبیاء کے دعا مانگنے کی جگہ ہے اور قیامت تک سارے انسانوں کی دعاؤں کا مرکز ہے۔ جیسا جس کو اللہ کی ذات پر یقین ہو گا اسی قدر اس کی دعا میں قوت ہو گی۔ پہلے سب انبیاءؑ سے یقینوں کے بدلنے کی اور اللہ جیسے ہیں ان کی ذات کو پہچاننے کے لئے اور اللہ سے لینے کے لئے عبادات پر محنت کروائی پھر ان کی دعاؤں کی طاقت ان کے علاقے میں دکھلائی نوحؑ کی دعا پر پوری قوم کو غرق کر دیا۔ اسی طرح سارے نبیوں سے محنت کرا کے ان کی دعاؤں کی طاقت کو ان کے علاقہ میں ظاہر کیا اپنے اپنے علاقہ میں محنت کر کے علاقہ کی ترتیب کو بدلوا کر سارے انبیاء کرام بیت اللہ پر پہنچا کرتے تھے جس طرح ایک غلام اپنے آقا کے کام کو محنت سے کر کے اس کے پاس آتا ہے۔ وہ بہت ڈرتے ہوئے، ہچکیوں سے روتے پیٹتے بھکاری بن کر اللہ کے در پر آتے تھے پھر میدان عرفات میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

سارے انبیاء علیہ السلام کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک محنت کا میدان قائم کیا اور سارے صحابہ کو انبیاء کے طریقہ پر ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر اٹھایا اور ظاہر کے خلاف محنت کر کے خدا کے یقین کی بنیاد پر دعا مانگ کر اللہ سے اپنی حاجتوں کو پورا کرا لینا سکھایا۔ صحابہ نے اللہ کی اطاعت میں ظاہر کے خلاف کیا اور پھر دعا مانگی تو اللہ نے اپنی قدرت سے ظاہر کے خلاف کر کے دکھایا۔ ایک مرتبہ حضرموت کے علاقہ میں صحابہؓ کو پانی نہ ملنے کی وجہ سے موت نظر آ رہی تھی۔ صحابہؓ پڑاؤ کرنے کے لئے ایک میدان میں رکے ہی تھے کہ سارے جانور بھاگ گئے۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے موت پہلے ہی سامنے تھی۔ اب جانور بھی بھاگ گئے۔ پہلے ایک ہی موت تھی۔ اب دو موتیں نظر آنے لگیں ان کے امیر حضرت علی حضرمیؓ نے کہا کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ کیا اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے نہیں ہو؟ کیا اللہ کی مدد میں حق نہیں ہیں؟ سب نے کہا ہیں۔ انہوں نے کہا پھر تیمم کرو اور اللہ سے دعا مانگو۔ چنانچہ فجر کی نماز تیمم کر کے پڑھی اور پھر دعا مانگی اور اس وقت تک دعا کے ہاتھ نہیں چھوڑے جب تک زمین سے پھٹ کر پانی نہیں نکل آیا۔ فرطِ خوشی سے ان کی زبان پر تھا کہ یہ ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ خوشی میں پانی میں کود پڑے اور پھر دیکھا کہ جانور بھی چلے آ رہے ہیں۔ اس طرح کہ جیسے کوئی ان کو پکڑ کر لا رہا ہے۔

حضور اپنے صحابہ کو ظاہر کے خلاف عمل کر کے دعا مانگ کر اللہ کی قدرت کے ذریعہ اپنے سارے مسائل کو حل کرانا سکھا گئے تھے اللہ کی قدرت سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے یقین اور اللہ کی عبادت اور بندگان خدا سے ہمدردی، خدمت خلق اور اخلاص عمل کے ذریعہ ان کو دعا کی قوت حاصل ہو گئی تھی۔ دعا ایک ایسی بنیاد ہے۔ کہ مال سے تو تم ناکام ہو سکتے ہو لیکن تم مالدار ہو یا مفلس، امیر ہو یا فقیر، حاکم ہو یا محکوم، بیمار ہو یا تندرست ہر صورت میں دعا کے ذریعہ سے اللہ تم کو ضرور کامیاب کرے گا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دعا کے راستے سے اپنی حاجتوں کا اللہ سے پورا کرانا خوب سکھایا۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں مسائل میں ان کی دعائیں خوب چلا کرتی تھیں۔

ظاہر تو محض خدا کے ہاتھ میں ہے اسے جیسا چاہے بدل دے۔ تیرہ سال کی مسلسل محنت پر تفصیلی دعا کا طریقہ آیا اور اس کے بعد جب آپ یہاں پہنچے تو آپؐ نے اور آپ کے صحابہ نے امت کے لئے دعائیں مانگیں۔ ہر نبی کو ایک دعا ایسی دی جاتی تھی کہ جس وقت وہ دعا مانگیں گے۔ اللہ وہ کر دیں گے یہ دعا اس نبی کی محنت کے بدلے میں دی جاتی تھی۔ سارے نبیوں نے اپنی قوم یا امت کے متعلق دعائیں یا بد دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کو قبول فرمایا۔ نبی کے ماننے والوں کو ان کی دعا نے چمکا دیا اور نہ ماننے والوں کو برباد کر دیا۔ کہیں آسمان سے کھانے اتار دیئے اس طرح ان کی محنتوں والی دعائیں دنیا ہی میں نمٹ گئیں اور ختم ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دوسرے انبیاء کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دعا محنت والی عطا فرمائی لیکن حضورؐ نے وہ دعا دنیا میں نہیں مانگی بلکہ اس کو پوری امت کے آخرت کے مسائل حل کرنے کے لئے محفوظ رکھا۔ فرمایا کہ سب نبی آ کر اپنی اپنی دعا کر گئے لیکن میں اپنی محنت والی دعا کو آخرت میں لے کر جا رہا ہوں۔ وہی "شفاعت" ہے۔ وہ میری محنت والی دعا ہے اور اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ تم کو راضی کر دوں گا اور جب تک میری ساری امت جنت میں داخل نہیں ہو جائے گی میں راضی نہیں ہونگا

عام مسلمان تو کہتے تھے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ شفاعت والی آیت ہے لیکن اہل بیت کہتے تھے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ شفاعت والی آیت ہے۔

ایک دعا نبی کی محنت پر قبول ہوتی ہے ایک دعا نبی کی نماز پر روزہ پر حج پر قبول ہوتی ہے۔ ایک امتی کی دعا بھی اسی طرح قبول ہوتی ہے۔ جس ذات نے حج کو صحیح کیا اور قیامت تک کے لئے اس کو چالو کیا اور ایسا بڑھیا حج کیا کہ آدمؑ سے لے کر آج تک نہ ایسا بڑھیا حج ہوا اور نہ آئندہ قیامت تک ہو گا تو اس ذات کی حج والی دعا کس قدر اونچی اور قبولیت والی ہو گی۔ آپ نے اپنی محنت والی دعا کو بھی آخرت میں امت کی ابدی زندگی کے لئے محفوظ فرما دیا نہ اپنے لئے کچھ مانگا نہ اپنے خاندان یا صحابہ کے لئے اسی طرح حج کی دعائیں بھی سوائے امت کے کسی اور کے لئے کچھ نہ مانگا۔ یہ نہ مانگا کہ حسینؑ قتل نہ کئے جائیں۔ حضرت عثمانؓ شہید نہ کئے جائیں اور چین کی زندگی گذاریں بلکہ ان دونوں کو تو اس کی خبر دے گئے ساری امت کے لئے قربانی دیتے رہے۔ حضرت امام حسینؑ جس کے ہاتھوں قتل ہوئے، علیؓ قتل ہوئے، حضرت عثمانؓ قتل ہوئے اس کو تو بھی گئے اور ساری امت میں ان قاتلوں کو بھی شامل کر کے پوری امت کی دعا مانگ گئے۔ خواہ کتنی تکالیف پہنچ جائیں ان کو برداشت کر لیا جائے تو اللہ اپنا پیارا بنا لیتے ہیں۔ اپنے اور اپنے خاندان والوں کے بارے میں آپ نے ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے حج والی دعا مانگی تو وہ بھی ساری امت ہی کے لئے مانگی۔ آپ کو اپنی امت سے بہت زیادہ محبت اور تعلق تھا۔ آج دین کے دشمن بے انتہا مال خرچ کر کے امت کو اسلام سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں امت اعمال تو چھوڑ رہی ہے۔ لیکن اب بھی دین چھوڑنے پر تیار نہیں یہ برکت اور صدقہ ہے ان دعاؤں کا جو آپ امت کے لئے کر گئے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا دی حضرت عائشہ اس دعا کو سن کر خوشی میں لوٹ پوٹ ہو گئیں اور کہا کہ یہ دعا مجھ کو بہت پسند آئی۔ حضور نے فرمایا اے عائشہؓ میں یہ دعا ہر نماز کے بعد اپنی امت کے لئے روزانہ کرتا ہوں۔ یہ حضرت عائشہؓ کون ہیں حضور سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہؓ۔ ایسی عائشہؓ کو تو وہ دعا عمر میں ایک مرتبہ دی اور امت کے لئے وہ دعا ہو روزانہ ہر نماز کے بعد، حج پر اپنے یا اپنے رشتہ داروں کے لئے دعا مانگنے کے بجائے آپ نے امت ہی کے لئے دعا مانگی آپ اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ عرض کیا کہ پہلے نبی آئے تھے وہ گرتی ہوئی امتوں کو سنبھال لیا کرتے تھے۔ اب کوئی نبی آنے والا نہیں شیطان بہکانے کے لئے موجود ہے۔ امت گرے گی تو گرتی چلی جائے گی۔ اب آپ یہ طے فرما دیجئے کہ یہ ساری امت جنت میں جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بہت رونے اور گڑگڑانے پر امت کی مغفرت فرما دی سوائے ظالم کے کہ اس کو نہیں بخشوں گا۔ اب مزدلفہ تشریف لا کر ان ظالموں کے لئے بھی آپ روئے جو مسلمانوں کو ستائیں اور پریشان کریں اور اللہ سے دعا کی۔ آپ کو امت سے کس قدر تعلق تھا ہم تو اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ آپ کے سامنے ایک چور لایا گیا آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ جس وقت اس کا ہاتھ کاٹا جا رہا تھا۔ آپ کا چہرہ زرد ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو تو اس کے ہاتھ کٹنے کا بہت رنج ہوا۔ اگر ایسا تھا تو آپ اس کا حکم نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بدترین امیر ہے جو حد کو جاری نہ کرے۔ تم اپنے بھائی کو میرے پاس تک لائے کیوں نہیں سمجھا بجھا کر توبہ کرا دیتے۔ تم نے تو شیطان کا ساتھ دیا۔ اب میرے ایک امتی کا ہاتھ تم سب کے سامنے کاٹا جا رہا ہے۔ اس پر مجھے کیوں رنج نہ ہو آپ اپنی امت کے چور تک کے لئے اس قدر شفیق ہیں اور تو یوں کہیں کہ کم بخت چور تھا اچھا ہوا ہاتھ کٹ گیا اور سزا ملی لیکن آپ کے آنسو اس کے لئے جاری ہو گئے آج امت کے ہزاروں بے گناہ افراد، عورتوں اور بچوں کے گلے کاٹے جا رہے ہیں۔ لیکن ان پر ہمارا ایک ایسا آنسو بھی نہیں نکلتا جیسے حضورؐ کے بے شمار آنسو ایک امتی چور کے ہاتھ کٹنے پر نکلے تھے۔ اس امت پر آپؐ کو زبردست شفقت تھی۔ اس امت پر آپؐ نے اپنا عیش قربان کیا، لذتیں قربان کیں۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی حضور کے پاس آیا اور اس زور سے آپ کی چادر کھینچی کہ گلا گھٹ گیا اور رنگ بدل گیا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا حضور آپ کے پاس ایسے جاہل لوگ آتے ہیں کوئی چادر کھینچتا ہے کوئی ہاتھ پکڑتا ہے۔ آپ کے لئے کوئی اونچی جگہ بنا دیں جہاں آپ تشریف رکھا کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو چھوڑ دو انہیں دیہاتیوں کے ساتھ۔ آپ کو جیسی شفقت امت کے ساتھ تھی کسی دوست کو دوست کے ساتھ نہیں ہو سکتی تھی۔ آپ نے رو رو کر مزدلفہ میں ان کی بخشش کرائی عرض کیا کہ یا اللہ آپ کے خزانوں میں کمی نہیں۔ مظلوم کو اپنے خزانہ سے بدلہ دیدیجئے اور ظالم کو معاف فرما کر جنت میں پہنچا دیجئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول فرما لیا۔ یہ دعا بھی مانگی کہ کوئی دشمن ایسا نہ ہو کہ سو فیصد ان کو ختم کر دے یہ بھی قبول ہو گئی پھر دعا مانگی کہ یہ آپس میں نہ لڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بداعمالیوں کی کوئی سزا بھی تو ہو۔ اب یہ ہو گا کہ مسلمان اللہ کے دین سے اللہ کے حکم سے اعراض کریں گے تو اللہ ان کے دل پھاڑ دیں گے اور اس سے ان کا ضعف ہو گا اور ان کے دشمن ان کو کمزور پا کر ان پر دست درازی کریں گے اور ان کا خون ہو گا اور اسی میں ان کے عصیان کا کفارہ ہو جاتے گا۔

خوارج کا قتل ہو رہا تھا۔ وہ پکڑ کر لائے جا رہے تھے اور مارے جا رہے تھے جب کسی خارجی کا سر کٹتا تو ایک صحابی کے صاحبزادے "فی النار" کہتے تھے۔ باپ نے ڈانٹا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہ حضور کا امتی ہے۔ حضور نے فرمایا ہے کہ میرے امتی کو نافرمانیوں کی سزا دنیا میں دے کر آخرت میں جنت دیدیتے ہیں۔ حضور نے اپنا سب کچھ امت پر لٹایا ہے اور اس پر اللہ نے جتنا زیادہ دیا وہ سب بھی امت پر لٹا دیا۔ انتقال کے وقت بیویوں یا رشتہ داروں کو بلا کر دیکھنے کا جذبہ نہ ہوا جذبہ ہوا تو یہ ہوا کہ جاتے وقت میں اپنی امت کو دیکھتا جاؤں۔ فجر کی نماز ہو رہی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ گریہ وزاری سے نماز بھری ہوئی تھی۔ امت کو دیکھنے کے لئے آپ نے پردہ اٹھوایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ عنقریب تھا کہ ہم فتنے میں پڑ جاتے اور اللہ کی طرف سے ہٹ کر حضور کی طرف ہو جاتے۔ امت کو نماز پڑھتا دیکھا اور پھر آپ نے پردہ گرا دیا۔ آخری وقت میں آپ کی توجہ بجائے گھر والوں کے امت کی طرف تھی۔ حضرت اسامہ کو بلا کر کہا کہ اللہ کے رستے میں چلے جاؤ اور آخر وقت میں یہ الفاظ تھے۔

"الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" اور اس کے بعد صرف "الصلوٰۃ الصلوٰۃ"

کے الفاظ تھے۔ انتقال کے بعد سینے پر کان لگائے تو بھی "الصلوۃ الصلوۃ" کے الفاظ تھے۔ مجمع پر جو اپنے کو قربان کرتا ہے انتہائی پیارا ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے امت پر انتہائی قربانی دی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن مقام محمود اتارا جائے گا آواز آئے گی کہ نبی امی اس پر بیٹھیں۔ فرمایا مجھے ڈر ہو گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اس پر بٹھا کر جنت میں پہنچا دیں اور بعد میں میری امت کو دوزخ میں بھیج دیں تو میں زمین پر کھڑے ہو کر اور اس پر ہاتھ رکھ کر عرض کروں گا کہ اے اللہ پہلے میری امت کو جنت میں بھیجا جائے افسوس آج اس امت پر مر مٹنے والے ختم ہو گئے۔ اس امت پر رونے والے ختم ہو گئے۔ اس امت پر محنت کرنے والے ختم ہو گئے۔ اگرچہ اپنے گھر پر محنت کرنے والے بہت ہیں۔ اپنے گھر والوں پر رونے والے بہت ہیں باوجود مال ملک عمارات کے بھی یہ امت گھٹتی اور گرتی جا رہی ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ اس پر محنت کرنے والے قربانی دینے والے آج ختم ہو گئے اللہ نے تم کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ امت کی محنت کے لئے تم کھڑے ہوئے۔ تمہاری تھوڑی تھوڑی محنت سے نمازیں قائم ہوتیں۔ حج کے صحیح ہونے کی شکلیں پیدا ہوئیں اس کا شکر ادا کرو اور امت کا درد اپنے دل میں پیدا کرو۔ امت کے لئے آنسو بہاؤ، روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

امت پر محنت کرنے والا ہر سطح پر اپنے کو قصور وار قرار دے اور آئندہ کے لئے اور زیادہ کرنے کے فیصلے کرے۔ پچھلی پر روئے اور آگے کو صحیح چلنے کا پورا عزم کرے تو اگر بالکل بھی کرنے والا نہیں تو اسی طرح دعا قبول ہو گی۔ جیسے کرنے والوں کی۔ جو محنت کرنے والے ہیں وہ اپنی محنت کی کوتاہیوں کی معافی مانگیں کہ ہم نے چل پھر کر جتنی محنت کرنی چاہیئے تھی نہ کی کہ امت کے اندر یقین اعمال، علم اور معاشرت درست ہو جائیں چاہیئے تو یہ تھا کہ اس راہ میں ہم اپنا پورا مال لٹا دیتے، جانیں جھونک دیتے جس طرح حضورؐ نے اپنا مال لٹایا اور اپنی جان جھونکی۔ حضور کے پاس بہت مال آیا لیکن سب امت پر لٹا دیا اور خود فاقے برداشت کئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آخر وقت میں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ حضرت کے پاس بہت مال آئے لیکن ہم پر لگا دیئے، کھانے آئے تو ہم کو کھلا دیئے۔ پھر ہم آپؐ کے دیئے ہوئے مال اور کپڑوں اور کھانوں میں سے جا کر آپ کو دیتے۔ حضورؐ کا فقر اختیاری تھا۔ اضطراری نہیں تھا۔ جو کچھ آتا امت پر لگا دیتے نہ اپنا مکان بنایا نہ کھانے پینے پر لگایا۔ حضورؐ کی محنت ہمیں قصور وار قرار دے گی کہ ہم اس طرح محنت نہ کر سکے۔ ہم یہ نہ سمجھیں کہ دوسروں نے محنت نہیں کی اور وہ قصور وار نہیں۔

بلکہ ہم زیادہ قصور وار ہیں کہ ہم نے اس محنت کو کچھ کیا اور پھر سمجھا بھی، اس طرح نہ کر سکے جیسا اس کا حق تھا۔ ہم زیادہ قصوروار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں کر رہے۔ کرنے والے پہلے کر گئے اس پر بہت استغفار اور رونا دھونا ہو کہ ہم اس کام کی شرائط پر بہت خام ہیں اور آئندہ کے لئے اللہ سے پوری توفیق مانگی جائے کہ ہم اس قابل نہیں کہ حق ادا کر سکیں۔ ہمارا استحقاق نہیں مگر آپ اپنے کرم سے پچھلا قبول فرما لیں اور آگے کو زیادہ کرنے اور حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما دیں......

پھر دعا مانگی جائے کہ حضور اور ان کے ساتھیوں کی طرح اللہ ہم کو محنت کی توفیق عطا فرمائے کہیں یہ ہماری محنتیں ملک و مال پڑ پڑ جائیں بلکہ ہم دنیا میں سے اس کا کچھ بھی بدلہ نہ لینے والے بنیں اور سارے انعامات آخرت میں چاہیں۔ جنہوں نے سب سے زیادہ کیا وہ مال آنے پر بھی ویسے رہے۔ جیسے پہلے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک بیوہ عورت کی بکری کا جا کر دودھ روزانہ نکالا کرتے تھے۔ آپ جب خلیفہ بنے تو عورت کی لڑکی نے کہا کہ اب آپ دودھ نہیں نکالا کریں گے حضرت ابوبکرؓ روئے اور فرمایا کہ امید ہے میں ایسا ہی رہوں گا جیسے پہلے تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک اپاہج بڑھیا چھانٹی جس کا کوئی خبرگیر نہیں تھا۔ اس کے گھر آئے تو سب کام ہوا ہوا ملا۔ پھر آئے پھر کام ہوا ہوا تھا تیسرے دن بہت سویرے آئے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اس کا پاخانہ صاف کیا، اس کو کھانا دیا، اس کا گھر صاف کیا۔ حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلا اے ابوبکر خدا کی قسم میں تم سے آگے نہیں بڑھ سکتا جیسے حضور کی زندگی میں تھے ویسے ہی دنیا سے گئے اور وہ کیا ایک پوری قوم ایسی تھی جس سے یہ مجاہدہ کرایا تھا کہ دنیا میں کچھ لینا نہیں صرف آخرت میں ملے گا۔ آج امت کو ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو یہ کہے کہ ہم نہ ملک لیں نہ مال لیں نہ عزت چاہیں بس حضور کی امت کو مصیبت میں سے نکلوانے کے لئے محنت کریں، قربانی دیں اور قیامت کے دن حضورؐ سے جا کر کہیں...

اگر ایسے لوگ پیدا ہو جائیں تو امت کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے اور امت چمک جائے جو تمہارے پاس ہے وہ لگا دو۔ کمائیاں چھڑانا مقصود نہیں کمائیاں کرتے رہو اور جو زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے اپنی جان اور مال امت کے اوپر لگاتے رہے۔

پہلے اپنے قصوروں کی معافی مانگو۔ پھر آئندہ کی توفیق اور امت کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانی دینے کو امت کی ہدایت کو اللہ سے مانگو۔ گرد و غبار نے امت کی محبت کی چنگاریوں کو دبا رکھا ہے۔ اللہ سے مانگو کہ وہ اس غبار کو ہٹائے اور اس چنگاری کو بڑھائے۔ کفار بھی امت دعوت ہیں۔ ان کے لئے بھی دعائیں کرنی ہیں اگر اپنے مسلمان بھائیوں کی بے دینی کی وجہ سے ہم ان میں اب تک دعوت کا کام شروع نہیں کر سکے لیکن ہم پر ان کا بھی حق ہے ان کی ہدایت کی بھی دعا کرو۔ ساتھ ساتھ وہ کفار جو شریر ہیں اور شرارت کے نالے ہیں۔ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ ان کی تباہی کی دعائیں بھی مانگو۔

بقیہ: حضرت جی کی آخری تقریر

اس کے لیے حضورؐ نے مدنی صحابہؓ کی ایک ترتیب قائم فرمائی تھی جس کی وجہ سے تمہارا ہمارا وجود ہوا ہے۔ وہ ترتیب تھی سال میں چار ماہ عبادت کی محنت میں باہر نکل کر لگنا۔ باقی کا آدھا دن آدھی رات عبادت کی محنت میں مقام پر اور باقی آدھا وقت کھانے کمانے میں۔ ایک طبقہ جتنا کہ مدنی صحابہؓ کا تھا اس ترتیب پر آجائے گا

اس سے ادنیٰ ایک دفعہ انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخلے کی صورت یہ ہے کہ ایک دفعہ چار ماہ لگا لو پھر ہر سال چلہ لگاتے رہو۔ ہفتہ میں ایک رات اور دو گشت اور مہینہ میں تین یوم لگاتے رہو۔

انشاء اللہ یہ ترتیب محنت کسی نہ کسی دن اللہ کے رب ہونے کو دل میں اتار دے گی۔ نماز سے پلنے کا یقین پیدا کر دے گی۔ اور اس محنت پر دنیا میں تمہاری نسلیں چلینگی۔ صدیوں تک کے لیے۔ بس آج فیصلہ کر لو۔ ایک تم نے ہمارا چلہ لیا ہے کہ (ہندوستان سے آتے ہوئے) باونواں (۵۲) دن ہے آج۔ ایک تم چلہ دیتے ہو کہ رائے ونڈ میں انتالیس دن لگا کر ہی آ جاتے ہو۔

حیاتِ ناپائیدار کے آخری لمحات

دعوت و تبلیغ کے قائد و راہنما مولانا محمد یوسف برد اللہ مضجعہ، کی وفات ایسا المناک سانحہ ہے جس کی یاد مدتوں تازہ رہے گی اور ہزاروں دل اس المیہ سے ٹیس محسوس کرتے رہیں گے۔ یہ سانحہ یوں تو کوئی انوکھا سانحہ نہیں۔ اس دارالفنا میں ہر آنے والے کو بالآخر جانا ہے۔ لیکن بوجوہ اس واقعہ فاجعہ کی الم انگیزی زیادہ ہے ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس تیزی سے وقوع پذیر ہوا کہ سامنے دیکھنے کے باوجود اس کا یقین نہیں آرہا تھا۔ مولانا رحمۃ الرحمۃ کی علالت بھی اچانک ظاہر ہوئی اور انتقال بھی دفعۃً ہی ہوا۔ اس واقعہ کی جو جزئیات مشفق مکرم مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی گفتگوؤں اور ان کی عطا فرمودہ ڈائری سے مل سکیں، اور جو گفتگوئیں چند دوسرے احباب سے ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

جی چاہتا ہے ہم مدینہ طیبہ میں رہیں

آخری ایام میں مولانا علیہ الرحمۃ ۷ ر ذوالقعدہ (۱۳ر مارچ) آپ رائے ونڈ میں تھے۔ دوپہر کے وقت خاص احباب کے حلقے میں بیٹھے تھے فرمانے لگے "جی چاہتا ہے یہاں (پاکستان میں) بھی تبلیغی کام چل جاتا اور ہندوستان میں بھی اور ہم مدینہ طیبہ میں رہتے" رفقاء نے اس اظہار آرزو کو کوئی اہمیت نہ دی سفر جاری رہا، لاہور تشریف لے آئے اور حسب پروگرام اپنی مساعی میں مصروف ہوگئے۔

اب تو منزل طے ہو چکی

۲۸ر ذوالقعدہ (یکم اپریل جمعرات) کو کوئی سوا آٹھ بجے کا وقت ہے۔ بعض مخلص کارکن اصرار کر رہے تھے کہ مولانا اس وقت خطاب فرمائیں۔ حضرت مولانا مرحوم بہت تھکے ہوئے تھے اور طبیعت بھی متاثر تھی۔ خصوصی احباب مولانا انعام الحسن اور مولانا مفتی زین العابدین بھی ہم نشین تھے۔ مولانا مرحوم نے طبیعت کی خرابی کا ذکر فرمایا، محترم مفتی زین العابدین سے فرمانے لگے۔ مفتی صاحب! یہ سینے کا درد ایک عرصہ سے چل رہا ہے، یہ معالج حضرات اس کا علاج نہیں کر پا رہے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا حضرت! اس سے پہلے تو آپ نے کبھی اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ پھر مفتی صاحب قریب بیٹھے ہوئے حکیم صاحب سے فرمانے لگے حکیم صاحب! اس درد کے بارے میں کیا رائے ہے؟ حکیم صاحب نے فرمایا تبخیر کی وجہ سے درد ہے ابھی کھانے کے بعد دوا دے دی جائے گی یہ شکایت انشاء اللہ العزیز دور ہو جائیگی مولانا رحمۃ الرحمۃ فرمانے لگے۔

مفتی صاحب! میری تشخیص بھی سنیئے۔ مفتی صاحب اور دوسرے احباب متوجہ ہوئے مولانا نے فرمایا، جب مجھے یہ درد پریشان کرتا ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ میں سپاری بکثرت کھاتا ہوں، سپاری کے کچھ ٹکڑے اوپر آگئے ہیں تو میں پانی کا ایک گلاس پی لیتا ہوں۔ اس سے افاقہ نہیں ہوتا تو میں ایک گلاس اور پی لیتا ہوں، درد موقوف ہو جاتا ہے تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ اوپر چڑھے سپاری کے ٹکڑے نیچے چلے گئے ہیں۔ مولانا یہ سب کچھ ازراہ تفنن فرما رہے تھے اور احباب بھی گفتگو میں اس اعتبار سے شریک تھے۔

اس مرحلے پر مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا حضرت! اب عمر پچاس کو پہنچ چلی۔ اب آپ کو محتاط رہنا چاہیئے بے وقت کھانا، طویل ترین تقاریر اور بے وقت سونا۔ اب اس امور میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا۔ "اب تو منزل طے ہو چکی"

مولانا انعام الحسن:۔ ابھی تو مشرقی طاقتوں میں جنگ کرانا ہے۔ اس کے بعد اسلام کے چمکنے کا زمانہ آئے گا۔ ابھی تو صرف بات سمجھائی جا رہی ہے۔

مولانا محمد یوسف رح:۔ پالیسی طے ہو چکی۔ اب تو دوسرے عمل کریں۔

مولانا انعام الحسن:۔ عمر اگر مشورے سے طے کرنا ہو تو کر لیجئے۔

مولانا محمد یوسف رح:۔ حضرت والد علیہ الرحمۃ کی عمر کتنی تھی۔

مولانا انعام الحسن:۔ ۶۲ برس

مولانا محمد یوسف رح:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رض کی عمر؟

مولانا انعام الحسن:۔ ۶۳ سال

اس پر مولانا علیہ الرحمۃ فرمانے لگے، اچھا چلیں، لوگ انتظار کر رہے ہیں کچھ کہہ دیں۔ یہ فرمایا اور مسجد کی جانب چل دیئے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطاب شروع فرما دیا۔

اس خطاب میں معمول سے زیادہ وضاحت تھی اور باتیں ایسی فرما رہے تھے جو آج ہی نہیں، اس دعوت کے راہنماؤں کے لیے طویل مدت تک کام آنے والی ہیں۔

آپ نے آغاز میں "صفات الٰہیہ" پر یقین اور عبادت میں حالت احسان پیدا کرنے پر زور دیا اور فرمایا کہ اگر نماز وہ نماز ہو جو اللہ کو سامنے دیکھتے ہوئے ادا کی جائے تو اس نماز سے وہ سب کچھ ملتا ہے جس کے لیے انسان نہ جانے کیا کچھ کرتا ہے آپ نے یہ واقعہ اسی ضمن میں ارشاد فرمایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا۔ حضرت عمر رض نے عمرو بن العاص کو لکھا، انہوں نے جواب میں لکھا کہ غلے سے لدے ہوئے اونٹوں کا ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا پہلا اونٹ مدینہ طیبہ میں اور آخری اونٹ مصر میں ہوگا۔ اس غلے سے اعلیٰ ترین انتظام کیا، ایک وقت میں دس ہزار افراد کو کھانا کھلایا جا رہا تھا، اسی دوران ایک شخص نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے اس صحابی سے فرمایا۔ عمر سے کہو تمہیں کیا ہو گیا؟ تم تو بہت عقل مند تھے۔

یہ خواب حضرت عمر فاروق کو سنایا گیا۔ تعبیر سمجھ میں نہ آئی لوگوں سے پوچھتے رہے کہ بتاؤ مجھ میں کون سی تبدیلی واقع ہوئی ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے! ایک شخص نے کہا۔ بات صرف اتنی ہے کہ عمر کی نماز حقیقی اور بنی ہوئی نماز تھی، دعا قبول ہوتی ہے تو اسے چھوڑ کر انتظام کے چکر میں کیوں پڑے ہوئے ہو۔

حضرت عمر فاروق نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے دعا کی تو بادلوں کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ دعا جاری رہی بادل اٹھے اور انہیں میں سے آواز آئی الغوث یا ابا حفص (ابو حفص! عمر! تم نے جو مدد طلب کی تھی" یہ مدد آگئی ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرما رہے تھے۔

اگر تم نے اپنی دکان میں، اپنے کاروبار اور اپنے طور طریقوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقوں کو داخل کر لیا اور سب کچھ حضور کے طریقے پر کیا تو اس طریقے سے بنایا ہوا جھونپڑا۔ مشرکین و کفار کی ڈھائی لاکھ سے بنی ہوئی کوٹھی سے زیادہ قیمتی ہے اور اگر تم نے اپنے گھر کا نقشہ میں حضور کے طریقے پر عمل کیا تو تمہارے جھونپڑے کو راکٹ نہیں توڑ سکے گا۔ حضور کے طور طریقوں کی وجہ سے تمہارا یہ جھونپڑا قیمتی ہے" جو تم نے بے قیمت مٹی سے بنایا، یہ قیمتی کیسے بنی اس مٹی کی تو کوئی قیمت نہیں۔ یہ تو بے قیمت ہی ہے۔ قیمت تو حضور کے طریقوں کی ہے۔ اگر ساتوں آسمان و زمین کوٹھی ہو اور سب کو سونے سے بھر دیا جائے تو حضور کے طریقے پر بنائی ہوئی پاؤں دھرنے اور پاخانہ کرنے کی جگہ کے برابر نہیں اور یقین کرو کہ حضور کی معاشرت سے خدا تعالیٰ ملے گا۔ حالات درست ہوں گے اور اگر یہود و نصاریٰ کے راستے پر معاشرت اٹھاؤ گے

تو حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جائیں گے۔

اس قسم کے مؤثر و دلنشین ہونے والے جملوں سے بھرپور تقریر ختم کی، حسب معمول، جماعت کی تشکیل کی۔ اس کے بعد عبدالمجید پوری صاحب کے صاحبزادے کا نکاح ہوا اور خلاف معمول آپ نے مختصر دعا فرمائی اور مسجد بلال پارک سے متصل رہائشگاہ کی جانب چل دیئے۔

دل کا حملہ

احاطہ مکان میں داخل ہوئے تو غش کھاکر گر پڑے، احباب نے اٹھایا اور چارپائی پر لٹا دیا محترم احسان صاحب بھاگے ہوئے مسجد میں آئے اور مفتی زین العابدین سے کہا کہ حضرت جی کو غشی ہوگئی ہے۔ کسی کو لائیے۔ مفتی صاحب حکیم احمد حسن صاحب کو لے کر فوراً پہنچے۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی تو انتہائی کمزور ہو چکی تھی، انہوں نے فوراً جیب سے جواہر مہرہ کی شیشی نکالی۔ مفتی صاحب دودھ لائے تو اس میں جواہر مہرہ حل کر کے حضرت کے منہ میں چمچ ڈالا۔ آپ نے لے لیا تو تین چمچ دودھ اور ڈالا۔ اس سے تھوڑی دیر بعد نبض بحال ہو گئی۔ مگر تقریباً ½ گھنٹے بعد پسینہ آنے لگا۔ حکیم صاحب نے پھر نبض دیکھی اور محترم قریشی صاحب (امیر جماعت تبلیغ مغربی پاکستان) نے کہا کہ وٹامن بی کا انجکشن لگانا چاہیئے۔ قریشی صاحب نے کہا کہ اگر یہ علاج کرنا ہے تو ہم ڈاکٹر صاحب کو بلاتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب اور حاجی محمد افضل صاحب (سلطان فونڈری لاہور) گئے اور کچھ عرصہ کے بعد ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کو لے آئے، انہوں نے معائنہ کیا انجکشن اور کچھ دوسری دوائیں تجویز کیں۔

عشاء کی نماز ادا کی گئی

ان دواؤں کے استعمال کے بعد دیکھا کہ اجابت کپڑوں میں ہی ہو گئی ہے۔ طہارت اور تیمم کے بعد عشاء کی نماز پڑھوائی گئی۔ نماز کے بعد جملہ احباب آپ کے پاس ہی رہے تقریباً پونے تین بجے نیند آ گئی تو اکثر خدام کمرے سے باہر چلے گئے۔

صبح سوا پانچ بجے آنکھ کھلی تو فرمایا کہ نماز کا وقت ہو گیا! مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا، حضرت ہاں! آپ نے فرمایا کیا وضو کرائیں گے؟ مفتی صاحب نے فرمایا، نہیں تیمم! مولانا علیہ الرحمۃ نے پوچھا، کیا نماز بیٹھ کر ادا کروں؟ مفتی صاحب نے کہا۔ نہیں حضـ[رت] صرف اشارے سے! چنانچہ یہ نماز اشارے سے ادا [کی]۔ نماز کے بعد مولانا صاحبؒ نے فرمایا "چائے پلاؤ گے۔"

مفتی صاحب نے عرض کیا "حضرت جی چاہتا ہے کہ تھوڑی دیر اور سو جائیں پھر چائے پئیں گے" تو فرمایا "میرا بھی جی سونے کو چاہتا ہے" چنانچہ آپ سو گئے۔

مفتی صاحب سات بجے آئے تو حضرت مرحوم گہری نیند سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے وہ باہر بیٹھ گئے حکیم احمد حسن صاحب اور قریشی صاحب بھی تشریف لائے اور باہر ہی بیٹھ گئے سوا سات بجے بیدار ہوئے۔ یہ تینوں حضرات، آپؒ کے پاس بیٹھ گئے۔

مولانا علیہ الرحمۃ:۔ "(مفتی زین العابدین سے مخاطب ہو کر) رات کیا ہوا تھا"

مفتی صاحب:۔ "حضرت چکر آ گیا تھا!"

مولاناؒ:۔ (حکیم احمد حسن سے مخاطب ہو کر) "میری نبض دیکھیئے!" انہوں نے نبض دیکھی اور کہا۔ الحمد للہ اب تو ٹھیک ہے!" مولاناؒ نے حکیم صاحب سے پوچھا "رات کیا ہوا تھا؟"

حکیم احمد حسن صاحب:۔ "دل کا دورہ تھا!"

مولانا نے مفتی صاحب کی طرف دیکھا تو مفتی صاحب آگے بڑھے۔

میرے تو دل ہی نہیں ہے

مفتی صاحب:۔ (مفتی صاحب نے حضرت کے ہاتھ پر اپنا منہ رکھا اور عرض کیا) "حضرت، ان حکیموں، ڈاکٹروں کو دل کے حال کا کیا پتہ؟ دل کا حال تو دل بنانے والا جانے، یا دل والا جانے!"

مولانا علیہ الرحمۃ:۔ (اس پر ہنسے اور فرمایا) "ٹھیک ہے اور میرے تو دل ہی نہیں۔ فکر کی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟"

قریشی صاحب:۔ "حضرت! ڈاکٹر صاحب کو [بل]ایا ہے وہ آ کر تفصیلی معائنہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ رات کیا ہوا تھا"

مولانا علیہ الرحمۃ:۔ آپ یہ اس لئے کہہ رہے ہوں گے کہ مجھے فکر نہ لگ جائے، جہاں اور سب دورے پڑتے رہے ایک دورہ یہ بھی پڑ گیا، یہ کوئی فکر کی بات نہیں، فکر کی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟"

"ہر طرف جماعتیں بھیج دو!"

اس کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف علیہ الرحمۃ نے رفقا سے پوچھا کہ "کیا جماعتیں رخصت کر دی ہیں؟"

آپؒ کو بتایا گیا کہ "ہاں تمام جماعتیں رخصت کر دی گئی ہیں" مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا "ہر طرف جماعتیں بھیج دو! حضرت عمرؓ نے یہی فرمایا تھا"

مولانا مفتی زین العابدین کے [illegible] یہ ہے:۔

"اس وقت حضرت مرحوم ہشاش بشاش تھے۔ نہ چہرے پر بیماری کے آثار اور نہ آواز میں نقاہت تھی۔ میں نے عرض کیا حضرت چائے لائیں؟ فرمایا ہاں! چنانچہ چائے کی دو پیالیاں لیٹے لیٹے، ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق، چھوٹی چائے دانی سے پلائی گئیں چائے کے بعد حضرت فرمانے لگے کیا پان کھلاؤ گے؟

میں نے عرض کیا۔ ضرور کھلائیں گے، میں نے مولانا انعام الحسن صاحب سے پان مانگا، انہوں نے فرمایا۔ آج چھالیہ اور تمباکو معمول سے کم دینا ہے اور دونوں چیزیں کم ڈالیں، قاری عبدالرشید صاحب نے مجھ سے پان لیا۔ کہ میں توڑ تاڑ کے منہ میں رکھوں گا، جب یہ پان لے کر حاضر ہوئے تو فرمایا، دکھلاؤ اور فرمایا تمباکو کم کرو، انہوں نے کم کیا پھر فرمایا اور کم کرو، تو اور کم کیا، اس کے بعد پان کھالیا اور غالب خیال یہی ہے کہ یہ آخری پان تھا"

مولوی الیاس صاحب کا بیان بتوسط مفتی صاحب یوں پہنچا ہے کہ۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا۔ حضرت آرام فرما لیں چلہ بھر کی سندیں جمع ہیں، کچھ تلافی ہو جائے، اور ہم کھڑے ہو گئے، اس وقت قریشی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا آج جانا بھی ہے تو میں نے عرض کیا۔ حضرت انشاء اللہ جائیں گے اور اپنے گھر جانا ہے، جب جی چاہے گا چلے جائیں گے، اس پر قاری عبدالرشید صاحب سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت جانا ہے، مگر آج نہیں، تو فرمایا، دونوں طرف والے پریشان ہوں گے (مراد سہارنپور اور دہلی تھی) قریشی صاحب نے عرض کی۔ کہ حضرت فون سے اطلاع کر دیتے ہیں فرمایا۔ بہت اچھا (اور ہم دونوں جگہ صبح ہی تار سے اطلاع دے چکے تھے) اور احسان سے کہا۔ تیل لگا دو۔ وہ تیل لگانے لگے، ہم باہر چلے گئے، ساڑھے آٹھ بجے، ڈاکٹر اسلم کا فون آیا کہ کرنل صاحب ایک گھنٹہ تک آ سکیں گے۔ مگر وہ تقریباً گیارہ بجے آئے اور آکر تفصیلی معائنہ کیا اور حضرت سے پوچھا، حضرت آپ کیا کھائیں گے؟ تو حضرت نے فرمایا۔ جو آپ فرمائیں گے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ جی بہت خوش ہوا۔ یہ ہمارا کام ہے اور مریض اگر ہماری رائے پر چلے تو ہمیں علاج میں سہولت ہوتی ہے، اچھا یہ ہے کہ پیشاب بھی لیٹے ہوئے کریں۔ ورنہ کوئی اٹھا دے اور چارپائی پر پیشاب کیا جائے۔ کروٹ خود نہ لیں، یہاں تک کہ اگر چادر اوپر سرکانی ہو تو کوئی اور سرکائے۔ خود نہ ہلیں اور غذا کم کھائیں۔ مگر بار بار کھائیں تاکہ غذائیت پوری ہو اور معدہ پر بوجھ نہ ہو، جو کچھ کھانا ہے وہ ان ساتھیوں کو بتا دوں گا۔

ڈاکٹر صاحب باہر آ گئے، باہر آ کر انہوں نے ہمیں کھانے نہ کھانے کی چیزیں بتا دیں۔ اسی وقت قریشی صاحب نے پوچھا کہ "حضرت پور جانے کا بھی تقاضا ہے، کب تک اندازہ ہے، تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ پندرہ دن سے پہلے سفر جیسے لکھے پڑھے میں نہیں ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب مکان سے باہر آ گئے۔ میں نے عرض کیا، کیا اندازہ ہے، مرض اور صحت کے متعلق

تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ اس سے بچ جانا میرے لکھے پڑھے میں نہیں ہے اور اس کی ریپیئر بھی اتنی ہی عجیب ہے اور یہ ریپیئر یونہی چلی تو انشاء اللہ پھر یہ دورہ کبھی نہ ہوگا۔ مگر تین دن انتہائی احتیاط کے ہیں، ڈاکٹر صاحب روانہ ہو گئے، ہم اندر آ گئے تو حضرت نے پوچھا، کیا کہتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا الحمد اللہ، بہت مطمئن ہیں اور توس ہلکا سا مکھن، چائے زیادہ دودھ کی، کنو سنگترہ، کیلا، شوربہ یخنی، سبزی وغیرہ کھانے کو تبلایا ہے، انڈہ، گوشت چند دن منع ہے۔ اس پر فرمایا چائے پلا دو، قریشی صاحب نے توس پر ہلکا سا مکھن لگا کر کھلایا، چائے پلائی۔ اس کے بعد عرض کیا کہ حضرت آرام فرمائیں، اور ہم اٹھ کر چلے گئے۔

زکوٰۃ ادا کر دیجئے

اس حملے کے ہونے کے معاً بعد، حضرت علیہ الرحمۃ نے مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا کہ "امانی الاحبار" (مولانا مرحوم کی تصنیف) پر جو رقم لگی ہوئی ہے اس کی زکوٰۃ ادا کر دیجئے۔" مولانا انعام الحسن نے کہا "حضرت بہت اچھا" ساتھ ہی کہا "حضرت میں آپ کے ساتھ رہا ہوں معاف فرما دیجئے۔" آپ نے فرمایا "معاف کیا"

مرض کا آخری اور جان لیوا حملہ

ناشتہ کے بعد حضرت مرحوم و مغفور آرام فرمانے لگے۔ نیند آ گئی ۱۲½ بجے مفتی زین العابدین صاحب اندر تشریف لے گئے تو آپ آرام رہے تھے، مفتی صاحب ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کی رائے سننے کے بعد شدید تشویش محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خطبہ جمعہ سے پہلے احباب کو اس جانب متوجہ کیا کہ یہ علاج معالجہ تو ظاہری تدابیر ہیں، مومن کی حقیقی تدبیر تو زندگی بخشنے والے اور صحت عطا فرمانے والے رب سے دعا ہے حضرت کی حالت تشویش سے خالی نہیں، خوب خوب دعائیں کی جائیں، جو وسیلہ دعا منظور کرانے کا ہے وہ اختیار کیا جائے، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ذرائع کو قبولیت دعا کے لئے مؤثر فرمایا ہے وہ سب اختیار کئے جائیں، صدقات کئے جائیں، روزے رکھے جائیں، رو رو کر دعائیں کی جائیں۔

اس تلقین کے بعد مفتی صاحب نے خطبہ جمعہ شروع کیا، دوسرے خطبہ کے آخر میں آواز آئی کہ مفتی صاحب اور قاضی (عبدالقادر) صاحب کو حضرت بلا رہے ہیں قاضی صاحب تو اٹھ کر چلے گئے، مفتی صاحب نے خطبہ ختم کیا اور نماز پڑھائی، ابھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہی تھے، کہ پھر آواز آئی، کہ مفتی صاحب جلدی آئیں، چنانچہ مفتی صاحب فوراً بھاگے کمرے میں پہنچے تو حالت خطرناک تھی۔

مفتی صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب حضرت کو ہسپتال جانے پر مشورہ کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت نے ان حضرات کی جانب دیکھا اور قدرے بلند آواز سے کہا:۔

لا الٰہ الا اللہ، الحمد للہ الذی انجز وعدہٗ

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رسول اللّٰه، اللّٰه اَكْبَرْ، اللّٰهُ اَكْبَر، الحمد للّٰه الذی انجز وعدہٗ و نصر عبدہٗ و هزم الاحزاب وحدہٗ لا شی قبلہ ولا بعدہ لا شی قبلہ ولا بعد لا شی قبلہ ولا بعدہٗ"

ہسپتال میں تو عورتیں ہونگی

مفتی صاحب نے حضرت صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا۔ سانس ٹھیک نہیں آ رہی، اس پر مفتی صاحب نے مولانا انعام الحسن صاحب سے کہا کہ حضرت اگر اس وقت آپ کو ہسپتال لے چلتے تو اچھا تھا۔ حضرت مرحوم نے اس پر فرمایا کہ وہاں تو عورتیں ہوں گی۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت! وہاں عورتیں بالکل نہیں ہوں گی، ہمارے کمرے میں کوئی عورت نہیں آئے گی۔ حضرت مرحوم اس پر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور منکرات و فواحش سے حقیقی نفرت سے بھرپور جذبے کے ساتھ فرمایا:۔

"کیا اس کا انتظام ہو جائے گا؟"

مفتی صاحب نے کہا کہ حضرت اس کا انتظام انشاء اللہ یقیناً ہو جائے گا۔ جب اللہ کے اس مخلص اور اطاعت شعار بندے کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کا کمرہ نرسوں سے پاک ہوگا اور وہ اس شدید مجبوری کے عالم میں، محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس منکر سے محفوظ رہیں گے تو آپ ہسپتال تشریف لے جانے پر راضی ہو گئے اور فرمایا۔ کہ لنگی کی جگہ پاجامہ پہنا دو۔ چنانچہ پاجامہ پہنا دیا گیا۔

ہم تو چلے

بعجلت تمام، اس داعی الی اللہ کو کار پر لٹا کر ہسپتال پہنچانے کے لئے لے چلے مفتی صاحب ہسپتال میں انتظامات کی خاطر دوسری گاڑی میں روانہ ہو گئے، حضرت مرحوم کے ساتھ قریشی صاحب، مولوی الیاس صاحب اور چند دوسرے حضرات تھے۔

کہ حضرت مرحومؒ پہلے تو صبح شام کی مسنون دعائیں اونچی آواز سے پڑھتے رہے پھر آواز دھیمی ہوئی اور آخرکار صرف ہونٹ ہل رہے تھے آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اسی اثنا میں آپ نے دریافت فرمایا کہ "تمہارا ہسپتال کتنی دور ہے؟ قریشی صاحب نے جواب دیا، حضرت! تقریباً دو فرلانگ!" اس پر آپؒ نے فرمایا "اچھا پھر ہم تو چلے" یہ آخری جملہ تھا۔ جو احباب نے سنا، اس کے بعد ہونٹ ہلتے رہے اور محسوس ہو رہا تھا کہ آپؒ دعائیں پڑھ رہے ہیں۔

بطل جلیل اللہ کے حضور

محترم زین العابدین اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:۔

"ہسپتال پہنچنے پر میں نے دیکھا، منہ اور ناک سے ایک جھاگ نکلی ہوئی تھی اور غور سے دیکھا تو ناک کے سانس سے جھاگ ہل رہی تھی، اس کے علاوہ چہرہ آنکھ اور نبض پر آثارِ وفات ظاہر تھے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) دنیا بھر کو سفر کرانے والے نے آج چلتے چلتے جان جہانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اس وقت تین بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ چار بجے نعشِ مبارک کو لے کر واپس بلال پارک آئے۔ دفن کے متعلق مشورہ ہوا، طے پایا کہ حضرت شیخ سے پوچھا جائے۔ ساڑھے چار بجے سہارنپور بات ہوئی، صابری صاحب خود نہ تھے، ان کے آدمی کو پیغام دیا کہ حضرت شیخ سے عرض کریں۔ حضرت جیؒ کا وقتِ موعود آ چکا۔ دفن کہاں کیا جائے؟ اور اس سے "تاکیداً" کہا کہ ہم ساڑھے پانچ بجے پوچھیں گے، تم جواب لے کر فون پر رہنا۔ چنانچہ ساڑھے پانچ بجے جواب ملا۔ کہ نظام الدین لانا ہے، آپ کی سعی کی ہر مرحلہ امید نے آسان کیا اور ۷½ بجے چارٹر جہاز نظام الدین روانہ ہوا۔ اور زندگی بھر کے اس مسافر نے ایک سفر موت کے بعد بھی کر ڈالا اور پوری دنیا کے انسان اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو گئے، ہسپتال میں وفات کے وقت یہ دو جملے بار بار میرے ذہن و زبان پر آتے تھے "موت العالِم موت العالَم" اور ھو تو اعلیٰ مامات علیہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

دلی سے آمدہ اطلاعات کے مطابق، حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ کا جنازہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب متع اللہ المسلمین بطول حیاۃ نے پڑھا اور آپ کو بروز ہفتہ، ۳ ذی القعدہ ۱۳۸۴ھ (۳ اپریل ۱۹۶۵ء) ساڑھے نو بجے صبح، آپ کے جلیل القدر والد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ برد اللہ مضجعہ و نور مرقدہٗ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ

(بشکریہ المنبر)

بقیہ خطبہ

مسلمانوں کی اکثریت گمراہ ہو چکی ہے،

مندرجہ بالا شواہد پر غور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی، پستی اور ذلت و خواری کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے نبیوں والا راستہ ترک کر دیا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین والی لائن سے بھٹک گئے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ عالم اسلام پر نکبت و ادبار کی گھٹائیں ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ اور قرآن کریم کی تعلیمات سے غفلت کا بدیہی ثمرہ ہیں۔

برادران اسلام

کس قدر شرم و غیرت کا مقام ہے کہ مسلمان دین سے قطعی بے بہرہ ہو چکا ہے۔ اور نبیوں والا طریق چھوڑ چکا ہے آج کا نوجوان علماء پر تو اعتراض کرتا ہے۔ عالم غیب کے واقعات سن کر اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، مذہبی خیالات و اعتقادات کو وہ دقیانوسی قرار دیتا ہے۔ مگر اللہ کے بندوں کی باتوں میں اسے کوئی معقولیت نظر نہیں آتی اور وہ ان کا ٹھٹھا مذاق اڑانے میں ہی اپنی کامیابی خیال کرتا ہے۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ وہ اس دور کی بے حیائیوں اور خرافات کا قلع قمع کرتا اور مخلوق کے بنائے ہوئے تمام راستوں سے ہٹ کر خالق کے بتائے راستے پر چلتا لیکن

وائے ناکامی متاع کارروان جاتا رہا
کارروان کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اب معاملہ ہی الٹا ہے۔ مذہب قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔ اس دور میں مذہبی باتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ مگر شراب عام طور سے فروخت ہو سکتی ہے۔ بازاری عورتیں اپنی عصمت کا بھاؤ علی الاعلان کر سکتی ہیں۔ نہتے انسانوں پر بمباری جائز ہے؟ نسل انسانی کو تباہ کرنے والے آلات، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، میزائلیں اور راکٹ تیار کئے جا سکتے ہیں۔ کروڑوں انسانوں پر ان کی مرضی کے خلاف حکومت کی جا سکتی ہے، ہر قسم کی بے ایمانی، بدتہذیبی اور سخت گیری جائز ہے۔ لیکن خدا کے مقدس بندوں کی تعلیم کے لئے، نبیوں والے طریقے کے لئے یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ ایک اجنبی مرد ایک اجنبی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈال کر ناچ سکتا ہے مگر خدائی تہذیب کے لئے تمام دروازے بند ہیں۔

اٹل قانون

لیکن یہ یاد رکھو کہ خدا کا قانون اٹل ہے۔ خدائی تہذیب ہمیشہ باقی رہے گی۔ جس طرح ماضی میں خدا کے قانون نے اپنی انقلاب آفریں تعلیمات سے دنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ اسی طرح آج بھی یہ دنیا کی کایا پلٹ سکتا ہے اور ذہنی و فکری انقلاب برپا کرکے دل و دماغ کی دنیا بدلنے پر قدرت رکھتا ہے۔

مگر

اس کے لئے محنت اور قربانی کی ضرورت ہے۔ اگر قربانی اور محنت نہ ہو تو یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے اور دعوت الی الحق کے پروگرام کو عالمگیر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقے پر چلے اور اس قربان گاہ پر اپنی جان کی بھینٹ دینے کے لئے تیار ہو جائے۔ کیونکہ اس راہ میں سنگلاخ منزلیں طے کرنا پڑیں گی، مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ امتحان دینا ہوں گے۔ مال و اولاد کی محبت سے مقابلہ ہوگا۔ اپنوں بیگانوں کی باتیں سہنا پڑیں گی۔ اور ہر قدم پر اس شعر کی تفسیر بننا پڑے گا۔

ترک مال و ترک جان و ترک سر
در طریق عشق اوّل منزل است

اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت الی الحق کے ہتھیاروں سے لیس فرمائے اور اس تحریک سے عالمگیر انقلاب برپا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

بقیہ: اداریہ

۷۲ صفحات پر مشتمل یہ نمبر صرف ۱۲ آنے میں محض تبلیغی مقاصد کے لئے ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر اسے کتابی صورت میں شائع کیا جاتا تو یہ تقریباً تین سو صفحے کی کتاب بنتی جس کی قیمت کم از کم ۵ روپے ضرور ہوتی۔ ظاہر ہے اس میں بھی خدام الدین نے کوئی دنیوی منفعت پیش نظر نہیں رکھی۔ مزید براں موجودہ دور کے تقاضوں کو سامنے رکھا جائے تو تقریر پر تحریر کی فوقیت مسلّم ہے۔ تقریر وقتی فائدے کی چیز ہے اور تحریر کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی گوناگوں اور بے حد و حساب تبلیغی مصروفیات کے باوجود حیات الصحابہ اور امانی الاحبار جیسی ضخیم کتب تصنیف کر کے عصر حاضر کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا فرما دیا اور ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ ان کا یہ فیضان رہتی دنیا تک جاری و ساری رہے گا۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی تصانیف اور تبلیغی نصاب اس حقیقت کا واضح اعلان ہیں کہ دین پر محنت کے ساتھ ساتھ وہ سوتے بھی خشک نہ ہونے چاہئیں جن کے راستے علم آیا اور عمل کی راہیں پیدا ہوئیں اور ظاہر ہے کہ اگر علم نہ ہو تو عمل کیونکر ہو سکتا ہے بہر حال ہمارا موقف یہ ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کی افادیت کے قائل تھے اور تحریر کو تبلیغ کا ایک جزو خیال کرتے تھے۔

خود راقم الحروف سے آخری ملاقات کے دوران جو ان کے وصال سے صرف دو دن پہلے بلال پارک میں ہوئی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبیداللہ ملتانی کی موجودگی میں راقم الحروف سے پرجوش اور محبت بھرا معانقہ فرمایا اور خدام الدین کی دینی خدمت اور افادیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے لئے دعائیہ الفاظ کہے۔ جس سے اُن کے دل کی گہرائیوں میں خدام الدین سے محبت اور حضرت امام الاولیاء لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا جذبہ صاف طور پر نمایاں تھا۔

آخر میں ہم حضرات قارئین سے یہ گذارش کریں گے کہ خدام الدین تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے سلسلے میں ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اکابر کی راہ پر چلتے ہوئے اس کی سرپرستی فرمائیں۔ اور یہ جان لیں کہ اس کی آواز آپ ہی کی آواز ہے۔

ادارہ خدام الدین دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے درجاتِ عالیہ کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین یا الہ العالمین

بقیہ: مجاہدِ کبیر

بڑی حد تک کم کیا ایک تو محب مکرّم مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی شخصیت اور اس عنوان پر ان کے احساسات سے اور دوسرا سہارا اس پریشانی کو مغلوب کرنے کے لئے بیسر آیا۔ مولانا محمد یوسف (یرحمہ اللہ مغفیہ) کی چند مختصر صحبتوں اور چند مفصل خطابات کے سننے سے مولانا علیہ الرحمۃ ان تمام نفسیاتی امراض سے کما حقہٗ آگاہ تھے جو تبلیغی جماعت کی طرح پھیلنے والی جماعتوں اور داعی و مبلغ کی حیثیت سے دوسروں کو نصیحت اور تبلیغ کرنے والے افراد میں پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ میں نے دیکھا کہ مولینا رائے ونڈ کے اجتماعات میں خصوصیت سے، دنیا کی محبت، شہرت کی ہوس دین کے نام پر کام کرنے والوں کی طمع و حرص اور آپس میں مسابقت منافست اور بالآخر مشاجرت و نفاق اور اسی طرح نمازوں کا اہتمام کرنے والوں میں، غرور نفس بے جا زعم، اپنے کام پر فخر اور اسی قسم کے دوسرے عنوانات بڑی وضاحت سے بیان فرماتے، بڑے موثر اور مدلل انداز میں فرماتے اور حق یہ ہے کہ ایک ایسے قائد کی حیثیت سے فرماتے جو ایک جانب تو کام کی توسیع کے لئے اپنی توانائیوں کو داؤں پر لگانے کا فیصلہ کر چکا ہو اور دوسری طرف وہ اس غم سے پگھلا جا رہا ہو کہ جو قافلہ وہ تیار کر رہا ہے کہیں وہ ان بیماریوں کا شکار نہ ہو جائے جو اس سے پہلے اس قسم کے قافلوں کو ناکام و نامراد بنانے کا باعث بن چکی ہیں۔

اللہ کی راہ میں بے پناہ محبت، اپنی دنیا سے یکسر غافل ہو کر، ہر وقت دین کا فکر اور امت کی بہی خواہی کا کرب رکھنے والا یہ انسان، اس دنیا میں بلاشبہ اللہ کی ایک حجت تھا اور اللہ وہاب حقیقی نے اپنے اس بندے کو بیک وقت، قول، عمل، قلبی نور، ایمان و یقین اور جہاد و اجتہاد ہر قسم کی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ وہ سفر و حضر میں یکساں رہتا تھا، نوافل ذکر، دعا، خطاب، گفتگو، غرض ہر کام میں وہ دوسروں پر فائق رہتا تھا اور بیسیوں اہل علم و اصحاب رشد گواہ ہیں کہ جس غیرت و جوش ایمانی سے ہزاروں انسانوں کو اپنے رب کی جانب، دین کی عظمت رفتہ کو واپس لانے اور امت کی اصلاح و بہبود کے لئے جد و جہد کرنے کی دعوت دیتا تھا، وہ جب خلوت میں اپنے رب سے مناجات کرتا اور جب اسے اپنے رب کے گھر میں حاضری کا موقع ملتا، تو وہ غلافِ کعبہ کو ہاتھ میں تھامے، بچوں کی طرح بلبلاتا، روتا، "یا رب البیت یا رب البیت" کہہ کر، ڈھاہیں مار مار کر روتا اور اس انداز سے کرتا کہ سننے دیکھنے والوں کو اس کی آہ و زاری پر ترس آنے لگتا۔

آہ: ہم اس عظیم المرتبت، داعی اور رفیع المنزلت مجاہد سے، اس کی معرفت بھری تقریروں سے اور اس آہ سحرگاہی اور بیت اللہ کے دروازے پر رو رو کر اس کے دعا کرنے کی برکت و رحمت سے محروم ہو گئے، یقیناً آج، مولانا محمد یوسف علیہ الرحمۃ کی والدہ ماجدہ مستحق ہیں، کہ ملت کے کروڑوں افراد ان سے اظہار ہمدردی کریں کہ اس پیرانہ سالی میں انھیں یہ عظیم صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ آج حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نفعنا اللہ بطول حیوتہ لائق تعزیت ہیں کہ ان کا قابلِ فخر داماد اس دنیا سے... رخصت ہو گیا اور آپ کو اس ضعیفی کے عالم میں ان کی جدائیگی کا زخم سہنا پڑا۔ آج، مولانا محمد ہارون، بلاشبہ مستحق ہیں کہ ان کے بلند مرتبہ باپ کی رحلت پر ان سے تعزیت کی جائے۔ اور ان سے قلبی ہمدردی کا اظہار کیا جائے، لیکن حق یہ بھی ہے کہ آج ہر وہ شخص ان تینوں شخصیتوں کی طرح تعزیت کا مستحق ہے جس نے مرحوم کو پہچانا، ان سے محض اللہ کے لئے لگاؤ پیدا ہوا اور اس دورِ زوال میں اس نے مرحوم و مغفور مولانا محمد یوسف کو اسلام کی خدمت کے لئے قابلِ اعتماد پایا۔

مولانا کی رحلت اگر صدمہ ہے تو سب مسلمانوں کے لئے اگر نقصان ہے تو پوری امت کا۔
(اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ)

بقیہ: ایک سراپا داعی

معتقدین اردگرد کے دیہاتوں سے شہر کے دفتروں اور بازاروں سے صرف زیارت کے لیے صبح سے اسٹیشن پر جمع ہونے لگے۔ بارہ بجے تک ہزاروں آدمیوں کا مجمع پلیٹ فارم پر جمع ہو گیا۔ حضرت کی تربیت کا ایک پہلو بڑا نمایاں تھا کہ نہ کسی کے ہاتھ میں پھول تھے نہ ہار نہ گوٹے نہ پٹاخے نہ کوئی استقبالیہ کمیٹی نہ کوئی سپاسنامہ۔ نہ نعرے نہ زندہ باد کا شور۔ یہ سب چیزیں تو نہ تھیں لیکن آنے والوں میں سے ہر ایک کا دل حضرت کی عقیدت سے مخمور تھا۔ یہ منظر دیکھ کر اسٹیشن کے عملے کو بھی اشتیاق ہوا کہ اللہ کے اس نیک بندے کی زیارت کی جائے جس کی کشش کا عالم وہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ گاڑی آئی اور پلیٹ فارم پر کھڑی ہو گئی۔ حضرت جی کا سیدھا سادا لباس گرد سے اٹا پڑا تھا۔ داڑھی کے بال پریشان تھے۔ چہرہ غبار آلود تھا۔ اور تھرڈ کلاس کے ڈبے میں جماعت والوں کے درمیان بے تکلفی سے تشریف فرما تھے۔ میں نے ریلوے کے کئی صاحبان کو جو اپنے لباس شخصیت اور وقار سے بڑے افسر معلوم ہوتے تھے لوگوں سے پوچھتے سنا کہ وہ پیر صاحب کون سے ہیں جن کی خاطر یہ مجمع آیا ہوا ہے۔ جب اشارے سے بتایا گیا تو وہ حضرت کی سادگی اور بے نفسی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان کی دلی کیفیت کے جو اثرات میں نے ان کے چہروں پر دیکھے وہ ایسے تھے کہ اگر ہزار سجاوٹوں کے ساتھ استقبال ہوتا اور ہزاروں کے قیمتی لباس میں حضرت فسٹ کلاس میں سفر کرتے تو ان پڑھے لکھے لوگوں پر شاید وہ اثر نہ ہوتا۔ خدا کرے حاملین دین میں یہ سادگی عام ہو جائے ::

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

گوجرانوالہ :- صوفی محمد علی صاحب متعلم مدرسہ امینیہ جامع مسجد۔
جھنگ :- میں شیخ محمد حسین صاحب بک سیلر جھنگ صدر۔
موتی مردان :- عبدالمالک صاحب رسالہ فروش۔
کوئٹہ :- (۱) ڈاکٹر عبداللطیف صاحب ایم بی بی ایس مسجد روڈ۔
(۲) مولوی عبدالرحمٰن صاحب شہوانی مدرسہ مطلع العلوم بروری روڈ۔
سے حاصل کریں

یا آسفاً علیٰ یوسفؒ

جناب ماسٹر غلام سرور خاں سرور میواتی دواہگہ، ہیڈ ماسٹر واہگہ مڈل سکول

ہر طرف چھائی ہوئی ہے بیکسی میوات پر — غم ہے طاری ارضِ پاک و ہند کے ذرّات پر

ظلمتیں سی ہیں ہویدا اوجِ انوارات پر — ہے عجب رقت سی طاری ساری موجودات پر

عالمِ اسلام کو تھا ناز جس کی ذات پر

جا رہی ہے اس کی میّت دوشِ مخلوقات پر

رنجِ فرقت میں بہاتی اشکِ خلقت رہ گئی — کُنجِ غم میں سر بہ زانو ہو کے قسمت رہ گئی

ہو گئی گُل "شمع" پروانوں کو حسرت رہ گئی — عرصۂ گیتی پہ باقی صرف تربت رہ گئی

کس تمنا پر رہیں اب کس توقع پر جئیں

حشر تک داغِ جدائی دے گئے یوسفؒ ہمیں

جہدِ پیہم نے ترے قطرہ سمندر کر دیا — قلبِ امّت نورِ ایماں سے منوّر کر دیا

اور صلوٰۃؐ و صوم کا لاکھوں کو خوگر کر دیا — علمِ دیںؐ، ذکرِ الٰہی عام گھر گھر کر دیا

مایۂ اکرامؐ مسلم صافؐ نیّت مل گئی

راہِؐ دیں میں ٹھوکریں کھانے کی دولت مل گئی

بارگاہِ ایزدی میں اب دعا ہے صبح شام — آپ کا قائم رہے تا حشر تبلیغی نظام

ہوں عطا خلدِ بریں میں آپ کو کوثر کے جام — اور مقامِ خاص زیرِ سایۂ خیر الانامؐ

حشر تک فیضانِ تبلیغ آپ کا جاری رہے

بادۂ توحید سے ہر سمت سرشاری رہے

سرورِ خستہ جگر اے پا بہ زنجیرِ الم — دور کر آئینۂ دل سے غبارِ رنج و غم

دیکھ کر چل یوسفؒ و الیاسؒ کے نقشِ قدم — صاف فرمایا انہوں نے بارہا کھا کر قسم

ہر مرض کی ہیں مجرّب ادویہ تبلیغ میں

ہے نہاں گنجینۂ لطفِ خدا تبلیغ میں

۱ تا ٦ :- تبلیغ کی چھ باتیں جو حضرتؒ اور ان کے مبلغ حضرات اپنی مخصوص دعوت میں رکھتے ہیں

نوحۂ غم

عبدالرحمٰن خاں شاکر دہلوی

امیرِ جماعتِ تبلیغ مولانا محمد یوسف کی رحلت پر

یہ کس نے جادۂ منزل دکھا کے چھوڑ دیا

دلوں کو راہ میں بسمل بنا کے چھوڑ دیا

کسی نے خوب یقین و خلوص کا عالم

دل و نظر میں بسایا، بسا کے چھوڑ دیا

ابھی حیات کی تفسیر نامکمل تھی

ادھورا قصۂ ہستی سنا کے چھوڑ دیا

قسم ہے گریۂ یعقوبؑ و ضبطِ یوسفؑ کی

ترے فراق نے سب کو رُلا کے چھوڑ دیا

امیرِ قافلہ تجھ پر خدا کی رحمت ہو

قریبِ منزلِ مقصود لا کے چھوڑ دیا

وہ اک امید جو وابستہ تیری ذات سے تھی

غضب کیا، اسے حسرت بنا کے چھوڑ دیا

ہر ایک شکلِ زمانہ کو شکلِ دیں کے سوا

مثالِ نقشۂ باطل مٹا کے چھوڑ دیا

ترے ہی سوز نے میوات کی فضاؤں میں

چراغِ رشد و ہدایت جلا کے چھوڑ دیا

کہاں یہ دین پہ محنت کہاں یہ دَور مگر

ترے خلوص نے آساں بنا کے چھوڑ دیا

خدا کو سونپ چلا اپنی ناخدائی بھی

سفینہ قوم کا لنگر اٹھا کے چھوڑ دیا

وہ بے کسی ہے کہ آنسو بھی خشک ہیں شامِ [...]

غموں نے عرصۂ وحشت میں لا کے چھ[...]

[...]ف ہے

[...]قی صفحہ ۵۷ پر

مجلس ذکر: جمعرات ۲۵ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ - ۲۷ مئی ۱۹۶۵ء

بیعت کے سلسلے میں

ایک غلطی کا ازالہ

از حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

مرتبہ: خالد سلیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ کافی دن بیمار رہنے کے بعد میچن آباد (بہاولپور) سفر کا اتفاق ہوا۔ میں جب بھی وہاں گیا ہوں روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ سعید والا اور عثمان والا وغیرہ ان علاقوں میں حضرتؒ کے اکثر تشریف لے جانے کا اثر اب تک ہے سب کی مشروع داڑھیاں ہیں۔ وہاں کے نوجوانوں، بوڑھوں، عورتوں کو اللہ اللہ کرنے کا بہت شوق ہے۔ یہ سب اُن بزرگوں کا صدقہ اور اثر ہے جنہوں نے اُن علاقوں میں مسلسل محنتیں کی ہیں۔

معزز حضرات! اگر اللہ نے آپ کو اپنی یاد اور عبادت کی توفیق عطا فرمائی ہے تو آپ بے فکر ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔ اللہ تعالےٰ کا خوف ضرور دل میں رکھیں۔ موت سے پہلے پہلے ایمان کے ضائع ہونے کا ہر وقت خطرہ ہی خطرہ ہے۔

ایک غلطی بہت عام ہے وہ یہ کہ بیعت کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھا جاتا کہ بس اب ہم نے توبہ کر لی ہے بخشش ضرور ہو جائے گی۔

حضرات! یاد رکھیں کہ بیعت کرنے کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھ لینا بہت بڑی گمراہی ہے۔ بلکہ بیعت کے بعد ذمہ داریاں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ویسے بھی ہر مسلمان کو فرائض و واجبات، سنن و مستحبات کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس پر فرض ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد حتی الامکان ادا کرتا رہے۔

بیعت تو اصلاح باطن کی ابتدا ہے اپنے مرشد کی ہدایت پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر اللہ کثرت سے کرنا۔ گناہوں سے بچتے رہنا اور اپنے فرائض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اس کے سنے آپ حضرتؒ کے رسائل پیر و مرید کے فرائض، مسلمان عورت کے فرائض ضرور پڑھیں۔ اس سے آپ کے تمام شکوک دور ہو جائیں گے۔

بیعت کے وقت انسان وعدہ کرتا ہے کہ میں آئندہ سب گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا اور اپنے فرائض ادا کروں گا۔

یاد رکھیں کہ بیعت کے بعد اپنے آپ کو پاک و صاف سمجھنا کہ بس اب بخشے جائیں گے عمل کی کوئی ضرورت نہیں بہت بڑی گمراہی ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔ ایمان کا ہر وقت اور ہر حال میں ڈر اور خطرہ ہے۔ دلیوں کی ولایت چھن سکتی ہے۔ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے ڈریں۔ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو صدقِ دل سے گڑ گڑا کر بارگاہ الٰہی میں توبہ کریں۔ خوب ذکر اللہ کریں۔ اللہ تعالےٰ معاف فرمائے گا۔

دوسری بات میں نے یہ عرض کرنی ہے کہ طریقت شریعت کے عین مطابق ہو تو وہ مقصود محبوب و مطلوب ہے۔ لیکن اگر طریقت شریعت کے خلاف ہے تو وہ سراسر گمراہی ہے۔ آج شریعت کے احکامات سے بے پرواہی اور بے نیازی کو طریقت کا نام دے دیا گیا ہے۔ نہ نماز کی پرواہ ہے نہ روزے کی اور نہ پاکی پلیدی کی۔ ایسے گمراہ لوگوں سے بچتے رہیں۔ ان کی صحبت میں ہرگز نہ بیٹھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کے احوال و واقعات پڑھیں اور سنیں۔ اس سے ایمان کو تازگی اور عمل میں پختگی نصیب ہوگی۔ مجھے تبلیغی جماعت والوں کا پروگرام بے حد پسند ہے کہ چاہے اَن پڑھ

جاہل ہوں یا عالم کوئی نہ کوئی صحابہ کرامؓ یا بزرگوں کے حالات و واقعات پڑھ کر ضرور سنائے گا اور باقی سب غور سے سنیں گے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنے فرائض ادا کرنے، اخلاق نبویؐ اپنانے، صغائر و کبائر گناہوں سے بچنے اور تبلیغ دین کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

آپ اللہ تعالےٰ سے دعا کثرت سے مانگا کریں۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا ہی مقصود عبادت ہے۔ ساری نماز دعا ہی دعا ہے۔ دعا اللہ تعالےٰ اور بندے کے درمیان ایک رشتہ ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالےٰ سے استقامت دین، اعمال کی زیادتی اور ایمان کی پختگی اور دنیاوی حاجات کے لئے بھی کثرت سے دعا مانگیں۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے بعض لوگ اللہ اللہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہم سے کوئی کرامت ظاہر ہو۔ ہمیں کچھ نظر آئے ایسے لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔ فرمایا کرتے تھے۔

اطلبوا الاستقامۃ ولا تطلبوا الکرامۃ۔

ان الاستقامۃ فوق الکرامۃ

اللہ تعالےٰ سے استقامتِ دین طلب کرو۔ کرامت کی خواہش و دعا نہ کرو۔ کیونکہ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔

گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ فرائض کے بعد رزق حلال کی کوشش کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ حرام کھانے پینے سے بہت بچیں۔ حرام کھانے پینے سے عبادت و ذکر اور دعا ہرگز قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ پاک ہے اور وہ پاک چیزوں کو قبول کرتا ہے۔ چلتے پھرتے خوب ذکر اللہ کریں۔ بلا وجہ فضول سیاسی محفلوں اور جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ بُری صحبت سے حتی الامکان بچتے رہیں۔ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کو لازم جانیں۔ اپنے آپ کو بڑا ہرگز نہ سمجھیں۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ہی آدمی بڑا بنتا ہے۔ ریا، تکبر، حسد، عجب سب روحانی بیماریوں سے بچتے رہیں۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

نام کتاب :- فضائل خدمت خلق
ضخامت :- ۱۱۰ صفحات
قیمت :- قسم اول ایک روپیہ
قسم دوم ۱۲ آنے
ملنے کا پتہ :- (۱) رشیدیہ کتب خانہ جامع مسجد حنفیہ پسرور ضلع سیالکوٹ - (۲) مکتبہ حنفیہ قادریہ چھنوں موم ضلع سیالکوٹ -

فضائلِ خدمتِ خلق و مذمت خدمتِ خلق یادگار سلف عالم ربانی جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری مدظلہٗ خلیفہ مجاز قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ العزیز کی تالیف لطیف اور حالی مرحوم کے ان اشعار کی ترجمان ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہُدا کا
کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

وہی دوست ہے خالق دوسرا کا
ہو جس کو خلائق سے رشتہ ولا کا

یہی ہے ہدایت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

وجہ تصنیف تحریر فرماتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہٗ رقمطراز ہیں :-

"عرصہ ہوا کہ وقار العلماء اسوۃ الصلحاء حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے فضائل نماز، فضائل روزہ، فضائل حج، فضائل صدقہ، فضائل تبلیغ اور فضائل قرآن وغیرہ کتب تصنیف فرمائی تھیں۔ ان کتابوں سے ہر طبقہ بے حد فیض یاب ہوا اور ہو رہا ہے (اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ سلسلۂ فیض قائم دائم رکھے) لیکن اس مبارک سلسلہ میں ایک گوشہ خالی نظر آیا یعنی "فضائل خدمت خلق"۔ اس عاجز ناکارہ نے اللہ تعالیٰ سے ایک مدت التجاء کی کہ اے اکرم الاکرمین، الرحیم الراحمین اس موضوع پر احقر کو لکھنے کی توفیق مرحمت فرما۔ میں تیری رحمت کا مستحق نہیں ہوں لیکن سب سے زیادہ محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے محض محتاج سمجھ کر توفیق بخشی"

مصنفِ کتاب کی بے نفسی، للہیت اور خدا دوستی مذکورہ بالا سطور کے لفظ لفظ سے ظاہر ہو رہی ہے اور تصنیف انہیں جذبات وخیالات کی آئینہ دار ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر اولیاء کرام اور صلحائے امت تک تمام اقوال و افعال سے خدمتِ خلق کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

درحقیقت دین دو چیزوں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے عبارت ہے۔ خدمتِ خلق حقوق العباد ادا کرنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ اس طرح گویا فضائل خدمت خلق تحریر فرما کر حضرت مولانا پسروری مدظلہٗ نے آدھے دین کی ترجمانی فرمائی ہے لیکن اگر آج کل کے حالات، لوگوں میں حرص و ہوا کے جذبات اور خود غرضی کی فراوانی حقوق العباد کے سلسلے میں شریعت کے احکام اور زیر نظر کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ مصنف مدظلہٗ نے دراصل پورے ہی دین کی ترجمانی فرما دی ہے، اللھم زد فزد۔

پیارے پیارے واقعات، بزرگوں کے ایمان افروز تذکرے اور روح پرور تعلیم غرض کتاب کیا ہے فضائل و شمائل کا ایک حسین گلدستہ ہے جسے مصنف مدظلہٗ نے نہایت محبت و اخلاص اور عشقِ الٰہی کی حلاوت سے سرشار ہو کر ترتیب دیا ہے تاکہ امت مسلمہ خلقِ محمدی کی تصویر اور خیر امت کا مصداق بن سکے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی اس سعی کو مقبول و منظور فرمائے اور اس کے صلہ میں اپنی رضا کے تمغہ سے نوازے آمین۔

ہم قارئین خدام الدین سے کتاب کے مطالعہ کی پُرزور درخواست کرتے ہیں۔

نام کتاب :- **نفحات الجنۃ لمن صلّی علی نبی الرحمۃ**

مرتبہ :- جامع شریعت و طریقت سید الاصفیا حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ۔۔۔ مدظلہٗ، خلیفہ ارشد حضرت امام الاولیاء لاہوری
ملنے کا پتہ :- (۱) انجمن خدام الاسلام رجسٹرڈ جامع مسجد رنگڑ
(۲) عبدالاعلیٰ بیگ شیرانوالہ گیٹ لاہور۔
ضخامت :- ۸۰ صفحات ہدیہ :- ایک روپیہ صرف

زیر تبصرہ کتاب جامع شریعت و طریقت سید الاصفیاء حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد نور رنگڑ و خلیفۂ ارشد حضرت امام الاولیاء لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مرتب کردہ ہے۔ اس کتاب میں وہ تمام درود شریف جو مختلف طرح سے مختلف سلاسل میں رواج پا چکے ہیں اور اُن کی اسناد صحیح ہیں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ نیز درود شریف کے مسائل و فضائل نہایت احسن اور محبت بھرے انداز میں بیان کئے گئے ہیں جن کو پڑھ کر دل زندہ اور روح تازہ ہوتی ہے اور دماغ عشقِ نبوی کی حلاوتوں میں گم ہو کر کیفِ سرور کے مزے لینے لگتا ہے راقم الحروف نے جب بھی اس کتاب کو پڑھا قلب و نظر نے ایک ایسا وجدانی اور غیر مرئی کیف محسوس کیا جو بیان سے باہر ہے اور قلم اس کا اظہار کرنے سے عاجز۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرتب مدظلہٗ کو اس کے حقیقی اجر سے بہرہ ور فرمائے اور اس کے صلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہاتِ خصوصی سے مشرف فرمائے۔ آمین

ہم قارئین کرام سے اس کتاب کو مطالعہ میں رکھنے کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔

نام کتاب :- قصیدۂ طوبیٰ فی اسماء اللہ الحسنیٰ
مصنف :- منظوم عربی معہ ترجمہ مولانا محمد موسیٰ صاحب روحانی بازی
ناشر :- ادارۂ تصنیف و ادب قاسم العلوم ملتان

اسماء حسنیٰ کی برکت سے دعا مانگنا مستحسن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اللہ کے ۹۹ نام ہیں جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ نیز حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ اسماء حسنیٰ پڑھنے کے بعد ہر دعا قبول اور حاجت پوری ہوتی ہے۔ اس کی قبولیت کے سلسلہ میں مولانا موصوف نے ایک واقعہ بھی درج کیا ہے۔ ان کے سندھی شاگرد مولوی عبدالودود صاحب نے ۱۳۸۲ھ میں حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا کہ ایک جگہ تمام حاجی جمع ہیں اور وہ ایک فرشتہ کے حکم سے یہ قصیدہ طوبیٰ سب کو سنا رہے ہیں۔ یہ خواب اس قصیدہ کی قبولیت عنداللہ کی غیبی بشارت ہے۔ کاغذ آرٹ پیپر۔ کتابت طباعت رنگین عکسی نہایت حسین اور دیدہ زیب۔ ہدیہ صرف ۵۰ پیسے
ملنے کا پتہ :- عبدالاعلیٰ بیگ شیرانوالہ گیٹ لاہور

نام کتاب :- اشاعتِ اسلام
قیمت :- قسم اول ۶/۵۰
قسم دوم ۴/۵۰
ضخامت :- ۴۰۰ صفحات
تالیف :- حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم دارالعلوم دیوبند۔
ملنے کا پتہ :- بزمِ اشاعت حبیب بنک بلڈنگ اردو بازار لاہور

مذکورہ بالا کتاب کی مقبولیت کیلئے صرف یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ کتاب شیخ الاسلام سیدی و مولائی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کی پسندیدہ کتاب ہے۔ اسلام نے فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو کر جس جس انداز میں اکنافِ عالم کو بقعۂ نور بنایا اور اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سوز و گداز اور محنت سے کشتِ اسلام کی آبیاری کی اس کتاب میں اس کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ قارئین کی تازگیٔ ایمان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت سودمند ہوگا۔

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

امام الاولیاءؒ قطب العالم

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں

از مولانا احمد عبدالرحمٰن الصدیقی ناظم انجمن خدام الدین نوشہرہ

ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ کا ایک سرد دن تھا۔ شیرانوالہ مسجد میں حسب معمول امام الاولیاء قطب العالم شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے صبح عام لوگوں کو درس قرآن دیا۔ اور باہر سے آنے والوں سے مل کر دوائی کے لئے اپنے دولت کدہ تشریف لے گئے۔ علماء تفسیر جو ان دنوں حضرت الشیخ لاہوریؒ سے تفسیر قرآن پڑھنے کے لئے دور دراز سے تشریف لائے تھے اپنی کاپیوں، دواتوں کو لئے ہوئے آرہے تھے۔ اور دارالتفسیر میں اپنی اپنی جگہ نہایت ہی ادب کے ساتھ بیٹھ رہے تھے پورے ۹ بجے حضرت الشیخؒ مسجد کے چھوٹے دروازے سے داخل ہو کر سیدھے دارالتفسیر میں تشریف لائے۔ طلباء تفسیر نے عرض کیا کہ حضرت سردی ہے اگر بڑی مسجد کے صحن میں درس ہو تو زیادہ مناسب ہو گا۔ حضرت نے فرمایا۔ بہت اچھا مجھے بھی فالج کی تکلیف ہے۔ جس کے لئے سردی ویسے بھی نامناسب ہے۔ چنانچہ یہ استاد العلماء اپنے دیوانہ وار فدا ہونے والے شاگردوں کے ساتھ باہر مسجد کے صحن میں رونق افروز ہوئے۔ انیسویں پارے کی سورہ نمل شروع ہوئی۔ ابھی غالباً ڈیڑھ رکوع ہی ہوا ہو گا۔ کہ باہر ایک موٹر آ کر رکی۔

رئیس التبلیغ شیخ وقت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی زین العابدین صاحب اور ایک تیسرے صاحب مسجد میں داخل ہوئے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے درس تفسیر میں تشریف لائے۔ پیچھے کی طرف سے آ کر میرے قریب بیٹھ گئے۔ خدا کے فضل و کرم سے میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل بائیں ہاتھ ساتھ ہی بیٹھا کرتا تھا۔ اور تقاریر لکھتا تھا۔ میں ابھی حضرت الشیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کرنے والا ہی تھا کہ مولانا محمد یوسف دہلویؒ نے انگلی کے اشارہ سے روک دیا۔ قریباً نصف گھنٹہ امیر التبلیغ بیٹھے رہے اور مراقب رہے۔ پھر آہستہ سے اٹھے اور باہر چل دیئے۔ اس وقت ایک قاری تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ حضرت الشیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ درمیان سبق تلاوت قرآن کروایا کرتے تھے میں بھی امیر التبلیغ کے پیچھے دفتر خدام الدین تک آیا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ مفتی صاحب انہیں حضرت کے نام رقعہ لکھ دو۔ چنانچہ مفتی صاحب نے ایک رقعہ حضرت صاحب کے نام لکھا۔ جس میں غالباً دعا کی درخواست کی گئی تھی۔ امیر التبلیغؒ مصافحہ کے بعد موٹر میں تشریف لے گئے۔ اور میں واپس درس میں آگیا۔ جب درس ختم ہوا تو وہ رقعہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مبارکہ میں پیش کیا حضرتؒ نے دیکھنے کے بعد فرمایا کہ ہم تو بغیر ان کے کہے ہوئے بھی ان کے لئے دن رات دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اور فی الفور ہاتھ کھڑے کر کے حسب عادت خاموشی کے ساتھ دعا فرمائی۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔ جس کو میں نہیں بھلا سکتا۔ کہ حضرت الشیخؒ نے ان کے لئے کس طرح دعا فرمائی اور امیر التبلیغ رحمۃ اللہ علیہ کس طرح مؤدب طریقے سے حضرتؒ کی خدمت میں تشریف لائے۔

سچ ہے یہ ادب و عقیدت اہل اللہ والوں کو آتی ہے۔ اور انہی کو ایک دوسرے کی قدر و منزلت کا احساس ہوتا ہے۔ امیر التبلیغؒ سے اس کے بعد بھی متعدد مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں اور تقاریر سنیں۔ آخری مرتبہ ۱۹ر مارچ ۱۹۶۵ء بروز جمعہ عشاء کے بعد جناب برادر محترم شیخ عبدالشکور صاحب انور کی معیت میں نوشہرہ سے راولپنڈی روانہ ہوا۔ ہفتہ کے دن فجر کی نماز کے بعد تبلیغی اجتماع سے امیر التبلیغ نے آخری خطاب فرمایا۔ حسب عادت نکلنے والی جماعتوں کے لئے نصیحت فرمائی اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ قائم فرمایا۔ پھر ایک ایسی دعا مانگی کہ دل دہل گئے۔ میں نے امیر التبلیغؒ کی اس سے قبل اس طرح کبھی دعا نہیں دیکھی تھی۔ سب لوگ چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ پھر امیر التبلیغؒ نے ایک نکاح باندھا۔ پھر ملاقات ہوئی۔ مصافحہ کے وقت ایک معمر شخص نے میرا تعارف کرایا کہ یہ نوشہرہ کے ذمہ دار لوگوں میں ہیں اور حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہیں امیر التبلیغؒ نے محبت بھری نگاہوں سے دیکھا میں نے موقع غنیمت جان کر دعا کی درخواست کر دی۔ فرمایا۔ بہت اچھا، مصافحہ ہوا۔ اور میں بہت خوش تھا۔ کہ آج ایک ولیٔ کامل اور صالح ترین انسان سے شرف گفتگو حاصل ہوا اور اسی خیال میں تھا کہ اب انشاء اللہ استفادہ کے مواقع مہیا ہوتے رہیں گے۔ مگر ہائے افسوس کہ یہی کلام آخرت ثابت ہوا اور اس واقع کے ٹھیک ۱۴ دن بعد حضرت شیخ ہمیں محروم چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

"روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد"

یہ چند الفاظ غیر مربوط صرف اس لئے لکھے ہیں۔ تاکہ حضرت جیؒ نمبر کے لکھنے والوں میں میرا نام بھی آ جائے اور یہی ذریعہ نجات بن جائے۔ ورنہ میں اس قابل ہرگز نہ تھا۔ قارئین کرام میرے لئے علم و عمل میں برکت کی دل کھول کر دعا فرمائیں۔

شیخ وقت حضرت مولانا محمد یوسف رح

اپنے طریقوں کو نبیوں کے طریقوں سے بدلو

مؤرخہ ۱۸ اپریل ۱۹۶۴ء مطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۸۴ھ

اجتماع باب ابراہیم حرم شریف مکہ مکرمہ

وقت عربی ۲ بجے دن پاکستانی ۱۰ بجے

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ

حمد و ثنا کے بعد - برادران اسلام ساری دنیا کے حالات پر نظر ڈالیں تو حالات کی خرابی کے سایے نظر آتے ہیں۔ حاکم و محکوم کے حالات خراب مالک و مزدور کے حالات خراب - زمیندار و مزارع کے حالات خراب - تاجر و اجیر کے حالات خراب - امیر اور غریب کے حالات خراب نظر آتے ہیں۔ دنیا والوں نے محنت کے طریقے بدل لیے ہیں ملک و مال والوں نے طریقے بدل لیے۔ سامان و جائیداد والوں نے طریقے بدل لیے ہیں۔ نجیوں اور ملوں والوں نے طریقے بدل لیے چونکہ یہ طریقے اُن کے من گھڑت طریقے ہیں۔ خدا کے بتائے ہوئے، انبیا کے اپنائے ہوئے طریقے نہیں ہیں۔ اس لیے نتیجہ میں جگہ جگہ قدم قدم پر خرابی ہی خرابی نظر آتی ہے۔ اللہ پاک کے طریقے اور ہیں یعنی انبیاء کے طریقے اور ہیں۔ اللہ پاک کے احکام میں انبیاء معترض نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ کا حکم ہوتا ہے اور نبی کا عمل۔ اللہ اور نبی میں نزاع نہیں ہوتا ملک و مال والوں کا نزاع ہوتا ہے جن لوگوں نے انبیاء کی محنت کا انکار کیا۔ اللہ نے ان کو بگاڑ دیا۔ اللہ تو نبیوں کو لوگوں کے حالات درست کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ لوگوں نے نبیوں کے اعمال کو اپنا لیا۔ فلاح پا گئے۔ اگر نبیوں کے اعمال سے اپنے اعمال ٹکرا دیئے چور چور ہو گئے چونکہ نبیوں والا نقشہ نبیوں والا عمل زندگیوں میں موجود نہیں رہا۔ اسی لیے زندگیاں بگڑ رہی ہیں اگر دین پر محنت نہیں ہوگی۔ دلوں کی درستی نہیں ہوگی۔ دل درست نہیں تو کوئی چیز بھی درست نہیں ہوگی۔ اگر نبیوں والے طریقوں پر محنت ہوگی تو حالات ٹھیک ہوں گے۔

حالات

حالات کی بنیاد - ملک و مال - فوروزمین - مارکٹ وغیرہ پر نہیں ہے۔ بلکہ حالات کی بنیاد اعمال ہیں انبیاء صحابہ اور علماء کے اعمال حالات سنوارنے والے بنیں گے۔ حالات ملک و مال - سونا چاندی کی بدولت ٹھیک نہیں ہوں گے۔ جو یہ سمجھتا ہے دھوکے میں ہے حقیقت یہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حالات کو اعمال کے ذریعے جوڑا ہے۔ حالات کو چیزوں کے ذریعے نہیں جوڑا۔ بلکہ اعمال کے ساتھ جوڑا ہے۔ جیسے عمل کرے گا حالات مرتب ہوں گے۔

یقین

اگر یقین قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔ اعمال نبیوں والے ہوں گے۔ حالات ٹھیک ہوں گے۔ حالات کا تعلق اعمال سے ہے۔ اگر یقینوں کو ٹھیک کرنا ہے تو انبیاء کے طریقوں پر چلیں۔ غلط یقین نکال کر صحیح یقین اپنائیں۔

محنت

غلط یقین کو نکالنے اور صحیح یقین اپنانے کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ اپنی اپنی بساط کے مطابق محنت کریں۔ انبیا کرام نے سب سے زیادہ محنت کی۔ اگر اُن جیسی محنت ہوگی۔ یقین درست ہو جائے گا۔ اگر تیرا یقین۔ ساز و سامان فوج و ہتھیار - جہاز و سالار سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر آجائے تو کامیابی ہے۔ اللہ اپنی قدرت سے سب کچھ کرتے ہیں۔ اپنی قدرت سے خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ خدا کی قدرت پر یقین آجائے۔ اللہ کی ذات پر یقین آجائے۔ امنت باللہ کو اپنا لیا تو اللہ کا ہو گیا تو وہ تیرا ہو گیا تو تو نے سب کچھ پا لیا۔ اللہ سامان کے محتاج نہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں۔ اپنی قدرت سے کرتے ہیں۔ وہ ارادہ کرتے ہیں اور ہو جاتا ہے۔ وہ انسان کو بغیر انسان کے پیدا کر دیتے ہیں۔ زمین کے بغیر غلہ اگا یا۔ حضرت سلیمانؑ کے لیے تمام ہوائیں، پرند و چرند کو تابع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ان کے احکام میں، ان کے کام میں، ان کے نام میں، ان کی ذات میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ہر چیز اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اس کعبہ کو تعمیر کر کے دعا مانگی۔ اے اللہ ساری دنیا کے لوگ تیرے اس گھر کی زیارت کو آیا کریں۔ دعا قبول ہوئی۔ ساری دنیا کے لوگ اللہ کے اس گھر کی زیارت اور حج کے لیے آتے ہیں۔ اس گھر سے خدا کی قدرت کے آثار زیادہ نظر آتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو ایسی جگہ چھوڑا تھا، جہاں زندگی کی کوئی رمق نہ تھی۔ نہ درخت نہ پانی، نہ کھیتی، نہ مکان، نہ سایہ نہ انسان، نہ چرند نہ پرند غرضیکہ ہر وقت موت کی سی خاموشی تھی۔ انسانی عقل اس عمل پر آج تک دنگ ہے کہ یہ انوکھی بات حضرت ابراہیمؑ نے کیسے قبول کر لی۔ وہ پیغمبر تھے۔ وہ خدا کے احکام کو اپنی عقل کی کسوٹی پر نہ پرکھتے تھے۔ خدائے پاک نے حکم دیا۔ انہوں نے تعمیل میں سر جھکا دیا۔ بیٹے کو اللہ کا حکم سنایا۔ اُس نے گردن جھکا دی۔ یہ اُن مقدس ہستیوں کے انعام کا صلہ ہے کہ یہ شہر۔ یہ جنگل میں منگل، یہ زمزم، یہ زر و جواہر، یہ پاکباز لوگ یہاں نظر آتے ہیں۔ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے انعامات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے احکام کے سامنے اسی جھکنے کی خو پیدا کرو۔ جیسی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم میں تھی۔

اس سال پاکستان سے ۲۶۰۰۰ حاجی بذریعہ قرعہ آئے اور ۱۵۰۰۰ بذریعہ پاسپورٹ آئے کون لے آیا۔ قادر مطلق لے آیا۔ قدرت والے ہیں۔ ہر کام کر سکتے ہیں۔ بغیر نقشوں کے سکتے ہیں۔ اے یہاں آنے والے! تجھے تیرا روپیہ یہاں نہیں لایا۔ بلکہ تیرا اللہ لایا۔ تو اپنے یقین کو درست کر۔ اگر تو خود یہاں آیا۔ یا اپنے روپے کے سہارے سے یہاں آیا ہے تو وہ شخص تجھ سے زیادہ بہتر ہے جس کو اپنے روپے پر ذرا بھی بھروسہ نہ تھا بلکہ صرف اللہ پر بھروسہ تھا۔ اس کا یقین تیرے یقین سے بہتر ہے۔ اس کا ایمان تیرے ایمان سے بہتر ہے۔ اللہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ زندگی، موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تیرا دل کہتا ہے۔ کام کیسے چلے گا۔ پیسے نہیں ہوں گے تو کام کیسے چلے گا تیرے ہاتھ میں پیدائش کے وقت کیا تھا۔ دودھ کیسے ملا۔ حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ کو صرف پانی سے پالنے والا کون تھا۔ تو اپنے دل و زبان میں یقین پیدا کر

سارے یقینوں کی جڑ اللہ پاک کی ذات پر یقین قائم کرنا ہے۔ پھر اعمال کا سلسلہ اسی بنیاد پر قائم کرنا

اعمال

اس طرح یقین کی جڑ لگ جانے پر انسان کے اندر اعمال آجاتے ہیں اور جیسے بارش ہونے سے زمین میں نباتات اُگتی ہے۔ اسی طرح یقین کے ساتھ عمل۔ اگر اعمال درست ہوں گے تو حالات درست ہو جائیں گے۔

بیت اللہ شریف

بازاری مظاہرے، عیش کے سامان دنیا کی چیزیں، ظاہری نقشے، مکہ میں یورپ کے سامان ہیں۔ لوگ مکہ میں یورپ کے سامان کو دیکھنے نہیں آتے۔ بلکہ مکہ کے یقین کو اللہ پر یقین کے نظارے کو دیکھنے آتے ہیں۔ آج کے مکے کو دیکھے گا تو یقین نہیں بنے گا جو نبی والا مکہ دیکھے گا۔ نبی والا نقشہ لے کر جائے گا۔

اللہ نے پانی بنایا۔ پھر مکہ میں زمین پھیلائی۔ پہاڑ کھڑے کیے۔ پہاڑوں اور زمینوں میں بڑی دولتیں چھپا دیں۔ جب تک وہ چاہیں گے نظام زمین و آسمان چلائیں گے۔ جب چاہیں گے زمینوں اور آسمانوں کو لپیٹ دیں گے اور اس نظام کو توڑ پھوڑ دیں گے۔

بیت اللہ شریف سے ثابت ہوتا ہے عورت سے مرد سے انسان نہیں بنتا۔ قدرت سے انسان بنتا ہے۔ قدرت سے مکان۔ آسمان شکلوں سے شکلیں۔ چیزوں سے چیزیں۔ آٹا خود نہیں بنتا۔ پیسنے والا پیستا ہے۔ گوندھنے والا گوندھتا ہے۔ پھر روٹی پکتی ہے۔ اللہ نے اپنی ذات کے سوائے سب کو بنایا ہے۔ اے انسان تو بنا ہوا ہے، تو بنانے والا نہیں ہے۔ زمین و آسمان۔ حیوان انسان سب مخلوق ہیں۔ ایک اللہ سب کا خالق ہے مٹی سے خون سے لوتھڑا شکل انسان وہی بنائیں گے۔ یقین یہ ہو جاوے کہ خدا کے بنائے ہوئے سب کچھ بنتا ہے اور کسی سے نہیں بنتا۔ اللہ اپنی قدرت سے پالتے ہیں۔ چیزوں سے نہیں پالتے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو کیسے پالا۔ نمرود فرعون چیزوں والے تھے کیسے ختم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مسئلے بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نقشے بگڑتے ہیں۔ اسی خانہ کعبہ کو مٹانے کے لیے ہاتھیوں کا ایک لشکر آیا۔ جیسے اس زمانے میں امریکہ کے راکٹوں کا لشکر۔ پہاڑوں میں لشکر پھیل گیا۔ کوئی ظاہری شکل نہیں کہ خانہ خدا بچ جاوے۔ مگر بچانے والے نے بچا لیا۔ کیسے بچایا۔ ایک فرشتہ نے سفید ہاتھی کا کان پکڑا ہاتھی بیٹھ گیا۔ لشکر رک گیا۔ ابابیل آئے۔ ہر ایک کے پاس تین تین کنکریاں تھیں۔ ہاتھیوں پر کنکریاں گرائیں وہ سب لشکر نیست و نابود ہو گیا۔ اسی طرح روسی، امریکی طاقت کا اللہ جب چاہیں گے ختم کر دیں گے۔

یہ بیت اللہ شریف ۷۰ انبیاؑ کی زندگیوں کا مرکز ہے۔ اس کا سنگِ بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رکھوایا۔ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا یہ تھی کہ ایک امت ایسی اُٹھے کہ ساری دنیا میں نماز کی عبادت کھڑی ہو جاوے۔ ساری دنیا کے لیے ہمدرد اور محبت والی بن جائے ساری امت پر محنت کرنے والے بن جاویں یہ حضرت ابراہیم کی پہلی دعا تھی۔ دوسری دُعا میری اولاد سے ایسی امت ہو جو دین پر محنت کرے۔ ان کو بغیر کمائے دنیا کے مال و زر دے۔ مکہ میں جماعتیں آئیں گی۔ دنیا بھر کے لوگوں کے دلوں میں مکہ کی محبت ڈال دے اسی بیت اللہ شریف میں ضد آ گئی۔ بتوں کی پوجا ہوئی۔ اب گھڑیوں اور کپڑوں کی خرید و فروخت۔ آپ اپنی سکیمیں بنائیں۔ خدائے پاک اپنی سکیم بناتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی سکیم ابھرنے کا جب وقت آیا۔ حضرت رسولِ مقبولؐ تشریف لائے۔ سکیم چلانے والا آ گیا۔ یتیم، ان پڑھ، مال کے بغیر اسی مکے سے چلے۔ صحابہ سکیم کے چلانے والے تھے سکیم چلائی۔ ملک و مال و زر کے بغیر چلائی۔ نبی کی صورت غریبی کی صورت۔ باہر کچھ نہیں تھا۔ اندر میں سب کچھ تھا۔ کفار دھوکے میں آ گئے۔ محمدؐ یتیم ہے۔ بھوکا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ باپ بھی نہیں۔ حلیمہ چھوڑ گئیں۔ جب کوئی اور بچہ نہ ملا تو حلیمہ نے لے لیا۔ وہ اونٹنی جو سب سے پیچھے آئی تھی۔ اب سب سے آگے آگے تھی۔ رہبر کی رہبر اونٹنی۔ اللہ کی سکیم طاقت سے نہیں، یقین سے چلتی ہے۔ اس کو چلانے والے مال و ملک والے نہیں بلکہ یقین محکم کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ سکیم ملک و مال سے نہیں چلتی۔ نقشوں اور شکلوں سے نہیں چلتی ہے۔ آپ نے دیکھا ملک و مال کے بغیر اسلام کا نقشہ اسی مکہ میں چلایا۔ ساری دنیا میں چلایا۔ روکنے والوں کے روکے نہ رُکا۔ روکنے والوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر اُن کے یقین کے طوفان پر کاہ کی طرح بہہ گئے۔ محمدؐ اور اُن کے صحابہ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ کپڑا نہ تھا، مکان نہ تھا۔ یقین درست تھا۔ اُٹھے اور تمام دنیا کے لشکروں کی موجودگی میں سب پر چھا گئے۔ اب بھی اسی بنیاد پر جو بھی اُٹھے گا تو اللہ اپنی قدرت سے کام چلائیں گے۔ وہی کارساز وہی مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کے خزانوں کے لینے کا گھر بیت اللہ شریف ہے۔ رسول اکرمؐ نے سکیم چلائی چاہے تم لاکھوں میل دور پڑے ہو۔ بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کر لو گے۔ تو حضرت ابراہیمؑ والی برکات کا اجر و ثواب اور امداد ملے گی۔ اللہ والے یقین پر اُٹھو۔ صرف یقین کے رُخ کو موڑنے کی بات ہے۔ اگر تمام سمتیں چھوڑ کر تم نے رُخ بیت اللہ کی طرف کر لیا اور اس بات پر اسی طرح جمے رہے، جس طرح صحابہ کا یقین تھا

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

نبیؐ کی سنت و طریقہ

بیت اللہ کی طرف کیسے بلایا گیا ہے۔ زمانے کا جو نقشہ ہے وہ اسوہ نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے نقشوں کو ابراہیمؑ کے نقشوں کے مطابق بنا لو۔ ارشاد باری ہے ابراہیمؑ کی اطاعت کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے شام جیسے سرسبز و شاداب ملک سے حضرت ابراہیمؑ کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ صحرا میں پہنچا۔ وہیں بیوی بچے کو چھوڑ جانے کا حکم دیا۔ اکلوتے بیٹے اور چہیتی بیوی کا اور کوئی باپ ہوتا تو اس حکم سے کانپ اٹھتا اور مشتعل ہو کر بغاوت کر جاتا۔ لیکن خلیل اللہ جیسی ہستی پر گونہ مسرت ہوئی۔ کیوں نہ ہو پیغمبر کے لیے اپنے آقا و مولا کی خوشی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ خلیل اللہ کا آگ میں کودنا۔ بیوی بچے کو صحرائے لق و دق میں ایسی جگہ چھوڑنا۔ اُن کو آگ میں دھکیلنے سے کم نہ تھا۔ مگر یہ سب کچھ اللہ جل شانہٗ کی خوشنودی کے لیے۔ قادر مطلق نے انہیں جھلستی آگ سے کیسے بچا لیا۔ صرف پانی پر پال کے دکھا دیا۔ پھر آپ لوگوں کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے اس زم زم کے پانی کو متبرک بنا دیا۔ یہ سب اُسی کے انعام ہیں یہ سب بیت اللہ شریف، یہ زم زم، یہ مقام ابراہیم یہ وادیاں وغیرہ سب اُسی کی خوشی کے انعامات ہیں۔ ان کے مزے لوٹیں۔ مگر اپنے اپنے نقشوں کو ابراہیمؑ کے نقشوں کے مطابق بنائیں۔ اُن کے اسوہ سے اپنے اعمال کو ٹکرائیں نہیں۔ اللہ کی خوشنودی والے اعمال سے۔ اللہ کے غضب والے اعمال سے ٹکرائیں نہیں۔ یاد رکھو یہ بیت اللہ، اللہ کا گھر

ہے یہ مرکز ہے۔ خدا کی قدرت کے مظاہرے
گا۔ ابھی انسان چاند پر جائے گا۔ پھر دجال بن
جائے گا۔ سائنس کے بادل بنائے گا۔ اللہ کریم
یہ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ وہ ایسے ایسے ہولناک
ہتھیار بنانے والوں کو ختم کر دیں گے۔ جیسے اصحاب
فیل کے لشکر کو کنکریوں سے ختم کیا تھا۔ دجال
مردوں کو زندہ کر کے دکھائے گا۔ پھر بیت اللہ
پر چڑھیں گے۔ تین جھٹکے مکہ شریف میں آئیں
گے۔ جو غلط یقین والے ہوں گے نکل جائیں
گے۔ صحیح یقین والے مکہ میں آ جائیں گے۔
انسان راکٹ سے خود ایک بڑی طاقت بن
جائے گا۔

حج

اللہ جل جلالہٗ نے تمہیں حج کے لیے بلایا
ہاجرہ دوڑی، انبیا دوڑے تم بھی دوڑو، چکر کاٹو،
کامیاب ہو گے۔ انبیا نے دعائیں مانگیں۔ تم بھی گڑگڑا کر
اللہ سے مانگ لو۔ اُس کے در پر آ کر اپنی اکڑ فوں
مٹا لو۔ اس کے بندے بن جاؤ۔ مانگ لو اپنے
مالک سے اُس کے دروازے سے زاری کرو۔ شاید
اُس کو ترس آ جاوے۔ یاد رکھو اُس کے رحم شروع
ہو جاویں تو بڑے انعامات ملتے ہیں۔ حضرت
ابراہیمؑ اُن کی بیوی بچوں پر خدا کا رحم ہوا۔ اللہ
نے ترس کھایا۔ صدیوں سے انعامات کی بارش ہو
رہی ہے۔ دنیا کی آبادی کا ایک اہم حصہ اس کرم
سے مستفیض ہوتا ہے۔ اگر تو نبیوں والے راستے
پر آ جاوے تو صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ
سے مالا مال ہو جاوے۔

یقین

خدا کی ذات پر یقین نہ بنا تو کس پر بنے گا
دل کے یقین کی بیماریوں کو ٹھیک کر لو۔ دل کے
اندر یقین کی جھلک پیدا کرو۔

حالات کی خرابی دوسروں کی وجہ سے خراب
نہیں۔ یہ خرابی ہماری اپنی وجہ سے ہے۔ حضرت
ابراہیمؑ نے امتِ مسلمہ نماز کے لیے مانگی۔
حضرت نوحؑ نے جنت کی نماز کے لیے۔ کیا تو
اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے امتِ مسلمہ
نماز کے لیے کیوں مانگی۔ تجھے نماز کے انعامات
کا اندازہ ہی نہیں۔ یہ اندازہ ابراہیمیؑ آنکھ ہی کر
سکتی ہے۔

محنت

بیت اللہ کی بنیاد پر محنت، نبیوں والی
محنت پر چلنا ہے۔ محمدؐ نے ہزاروں گھر قربان
کیے۔ ہزاروں صحابہ کے گھر قربان کیے۔ حضرت
ابراہیمؑ نے ایک گھر قربان کیا۔ نماز کے لیے ایک
گھر کا قربان کر دینا اور خدا کی محبوبیت حاصل کر
لینا نہایت سستا سودا ہے۔ زمین و آسمان بدل
جائے۔ لیکن تو نہ بدل۔ مسلمان رہ۔ امتی بن۔
ابراہیمی رہ۔ اسوۂ محمدی اپنا۔ یہ ترقیوں میں سب
سے بڑی ترقی ہے۔ یہ تیری عاقبت تک کام
آنے والی ترقی ہے۔ اگر یہ عمل تیری طبیعت
کے خلاف ہے۔ تو اپنی طبیعت پر غور کر۔ اس
کی اصلاح کر۔

صلح حدیبیہ میں صلح کرنا حکم ربانی تھا محمدؐ
نے سر تسلیم خم کیا۔ ظاہری اعتبار سے یہ پشیمانی
تھی۔ صحابہ کرام پر یہ پشیمانی بہت شاق گذری
ایسا موقعہ کبھی نہ آیا تھا۔ ابھی اعمال میں اتنی
پختگی نہ آئی تھی جتنی حضرت نبی کریم صلعم میں
تھی۔ اللہ کی طرف سے صلح کا حکم ہوا۔ پیغمبر
آخر الزمان نے تسلیم کیا اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا۔
صحابہ کرامؓ کو بغیر عمرہ کے واپس جانے کا
صدمہ تھا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا کہ حضورؐ کی بات
سے انکار کر دیں۔ معاہدہ لکھوانا شروع کیا۔
کفار نے "رسول اللہ" پر اعتراض کیا۔ حضور صلعم
نے اپنے ہاتھ سے لفظ رسول مٹا دیا۔ اللہ پاک
یقینِ رسول پر خوش ہوئے۔ "اِنَّا فَتَحْنَا" کے
نقارے بجنے لگے۔ صحابہؓ فتح المبین کی خوشخبری
پر اور بھی سٹپٹائے۔ مگر سب نے اپنے خدشات
کے خلاف خدا کی بات کو مان کر اپنا یقین خالص
کر لیا۔ اپنے خدشات کے خلاف اللہ کی بات
کو ماننا ہی ایمان کی بنیاد ہے۔ اگر آج ہمارے
فیصلے خدا کی مرضی کے مطابق ہو جاویں۔ نبیوں
والے طریقوں پر آ جائیں تو بات بن گئی۔ پس
اے مسلمان! اپنے طریقوں کو بدل، اپنے طریقوں
کو نبیوں کے طریقوں سے بدل۔ اپنے نقشوں
کو نبیوں کے نقشوں سے بدل۔ اپنی محنت کو
نبیوں کی محنت سے بدل۔ ابراہیمؑ کی سکیم کو دنیا
میں چالو کرنے کے لیے نکل۔ اخلاق درست
کرنے کے لیے نکل۔ یقین درست کرنے کے
لیے نکل۔ اعمال درست کرنے کے لیے نکل حرکت
پیدا کر۔ وطنیت کا دائرہ توڑ کر پھرو۔ علم،
اعمال۔ قرآن و دین کے لیے پھرو۔ کمائی ½ دین
½ کی بنیاد پر محنت کرو۔ امت کو اٹھاؤ۔

اگر آپ مسجد والی زندگی پر آ جائیں گے تو
نقشہ بدل جائے گا۔ سارے عالم میں دین کا
بول بالا ہو گا۔ امت بھر کی امیدوں کا نقشہ
بدل جائے گا۔

دعا۔ اے خدا مجھے یہاں بیت اللہ شریف
میں ہجرت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم اسی طرح
فیصلہ کر لیں جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے فیصلہ کیا تھا۔ دین
اسلام کے لیے فی سبیل اللہ نکل جائیں تو اللہ کے فضل و
کرم سے بیت اللہ والی برکات کے مطابق اللہ تعالیٰ مدد فرمائینگے۔

ں لیا کہ آپ

مولانا مسعود علی آزاد فتح پوری مدظلہ

تاثرات

بر وفات حسرت آیات رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ

اے کہ تو سلسلۂ رشد و ہدایت کا نگیں — جامۂ صدق و صفا، پیکرِ ایمان و یقیں

جان پھر ڈال دی بے جان تنوں میں تو نے — پھونک دی روح نئی مردہ دلوں میں تو نے

اک چبھن دل کی نمایاں ترے ہر رنگ میں تھی — اک تڑپ دین کی ظاہر ترے ہر ڈھنگ میں تھی

مشعلِ نورِ ہدایت کا علمدار بھی تو — امتِ احمدِ مختار کا غم خوار بھی تو

وہ تری سعیِ مسلسل جو شب و روز میں تھی — آگ دراصل وہ تیرے دلِ پر سوز میں تھی

تپشِ دل نے تری پھونک دیئے دل کتنے — تو نے طوفانوں سے پیدا کیے ساحل کتنے

ایک دنیا تری آواز سے بیدار ہوئی — ہر کٹھن راہ تری سعی سے ہموار ہوئی

آئینہ دارِ نبوت ترے اوصافِ جلی — کار فرما ترے اخلاق میں خُلقِ نبوی

اے گلِ تازہ بہارِ چمنستانِ رسولؐ — تیری خوشبو سے مہک اُٹھا گلستانِ رسولؐ

ہر شجر باغِ نبوّت کا ثمر بار ہوا — یہ چمن تیرے قدم سے گل و گلزار ہوا

ہر ضلالت پہ ہدایت کی ہوئی جلوہ گری — تو نے بخشا شبِ تاریک کو نورِ سحری

اس طرح تو نے زمانے کو پکارا کہ بہم — ہو گئے سارے کمربستہ عرب ہوں کہ عجم

روح پرور ترا نغمہ اثر انداز ہوا — سن لیا جس نے وہ تیرا ہی ہم آواز ہوا

کر گئی کام یہاں تک تری جادو نظری — رہزنوں میں ہوئی پیدا صفتِ راہبری

دین کا رنگ بھرا زندگیوں میں تو نے — کام پورا کیا صدیوں کا دنوں میں تو نے

تیری جاں بازی پہ اللہ کو پیار آ ہی گیا — مژدۂ وصل تجھے آخرِ کار آ ہی گیا

دیکھ کر رزم گہِ زیست سے بیگانہ تجھے — مدتوں روئے گی اب ہمتِ مردانہ تجھے

تعزیت اب تری کس سے کروں کس سے نہ کروں — کون دیندار زمانے میں ہے جس سے نہ کروں

نام لیوا ترے ہر چند ہیں غمگین و حزیں — بس ہی کیا ہے مگر اے ساکنِ فردوس بریں

رحمتیں تجھ پہ ہوں اللہ کی دن رات مدام — اور ہم سب کی طرف سے بھی شب و روز سلام

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شہیدِ دعوت و عزیمت مولانا محمد یوسف دہلویؒ

مولانا مجاہد الحسینی ناظم القاسم لائل پور

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند اور جانشین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جب تبلیغی جماعت کے ساتھ پہلی مرتبہ میوات کے علاقہ میں گئے تو دورانِ سفر حضرت اقدس مولانا محمد الیاسؒ کے خادمِ خاص میاں جی محراب خاں صاحب میواتی کو ڈبل نمونیہ ہو گیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کو جب میاں جی کی شدید علالت کی اطلاع ملی تو آپ عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور میاں جی محراب خاں کو جو شدتِ علالت کے باعث نڈھال ہو چکے تھے انتہائی جذب و کیف کے عالم میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

"میاں جی اٹھو! اللہ کے راستے میں مرنے کی سنت ختم ہو چکی ہے اسے دوبارہ زندہ کر دو! اگر ڈبل نمونیہ کے عالم میں مرنا ہی ہے تو بسترِ مرگ پر کیوں۔؟ پھر یہی جان اللہ کے راستے میں مرنے اور خدا کے کام میں قربان ہونے کی رسم کو تازہ کرنے کے لیے کیوں نہ دی جائے۔"

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:-

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اُسے موت آ جائے تو اللہ کے ہاں اُس کا ثواب ہو چکا۔

خدا کی راہ میں جان دینے کی رسم کو زندۂ جاوید بنانے کے مصداق میاں جی محراب خاں تو اس وقت نہ بن سکے لیکن خود اس تحریک کا داعی ۲ اپریل ۱۹۶۵ء کو اس کا پورا پورا مصداق بن گیا اور اللہ کے راستے میں مرنے کی سنتِ قدیمہ کا احیاء کرتے ہوئے سراپا مہاجر الی اللہ بن کر آسمان رشد و ہدایت کا یہ درخشندہ آفتاب سرزمین لاہور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بچپن امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے! آپ نے جس مقدس گھرانے میں آنکھ کھولی جس پاکباز خاتون کی محبت بھری گود آپ کو نصیب ہوئی اور شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولوالعزم اور صاحب دعوت و عزیمت باپ کی شفقت اور سرپرستی کا شرف و اعزاز حاصل ہوا اس کی موجودگی میں شخصی محاسن و اوصاف کا مزید تذکرہ آب زمزم کے بعد سادہ پانی پیش کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ابھی سات برس کے تھے کہ آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین دہلی میں ابتدائی کتابوں کا درس لینا شروع کیا۔ ۱۳۵۱ھ میں جب حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے ہدایہ وغیرہ فقہ اور حدیث کی بڑی کتابیں مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھیں۔ جب آپ کے والد ماجد حج بیت اللہ سے واپس دہلی تشریف لے آئے تو آپ سہارنپور سے پھر دہلی چلے گئے۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلالین وغیرہ تفسیر و حدیث کی دیگر بڑی کتب کا درس مدرسہ کاشف العلوم ہی میں جا کر مکمل کیا۔ پھر ۱۳۵۳ھ میں صحیحین سنن ابی داؤد، ترمذی اور دورہ کی دیگر تمام کتب کا بارثانی درس حاصل کیا۔ اور مولانا الحاج عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے علاوہ صحیح مسلم مولانا منظور احمد صاحب سے۔ ابی داؤد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی سے اور ترمذی شریف کا سبق مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبلپوری صدر مدرس مظاہر العلوم سے بارثانی پڑھا یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے دہلی جا کر اپنے والد بزرگوار سے طحاوی شریف اور مستدرک حاکم حسبِ معمول دوبارہ پڑھی۔

چنانچہ دورانِ تعلیم ۱۳۵۴ھ میں آپ نے امام طحاویؒ کی کتب معانی الآثار کی شرح لکھنا شروع کی جو امانی الاحبار کے نام سے شائع ہو کر جلیل القدر علماء کرام اور بلند پایہ علمی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے مرحلہ میں آپ کو دوبارہ حج بیت اللہ کا شرف و اعزاز حاصل ہوا!

شادی امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف علیہ الرحمہ جب اپنا تعلیمی دور مکمل کر چکے تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی نے آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا اور محرم ۱۳۵۵ھ میں اپنی دختر نیک سیرت کا نکاح کر دیا۔ رسم نکاح شیخ الاسلام سیدی و مولائی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دی اس تقریب سعید میں مظاہر العلوم سہارنپور کے وسیع احاطہ میں دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر علماء کرام اور اساتذہ بھی موجود تھے! حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رفیقۂ حیات قیام پاکستان تک بقید حیات رہیں اور بعدازاں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ ان کی نرینہ اولاد میں سے حضرت مولانا محمد ہارون صاحب مدظلہ العالی کا اسم گرامی خصوصاً قابل ذکر ہے! پہلی رفیقۂ حیات کے داغ مفارقت کے بعد امیر التبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقد ثانی بھی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ہاں ہوا۔ دوسری رفیقۂ حیات بحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہے!

شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس کی جانشینی

حضرت مولانا محمد الیاسؒ جب زندگی کے آخری لمحات طے کر رہے تھے، نقاہت، کمزوری اور بیماری کے مہلک وار سے آپ کا جسمانی ڈھانچہ چکنا چور ہو چکا تھا، صورت حال کی نزاکت کو دیکھ کر دینی حلقوں میں ایک بے چینی و اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی کہ تبلیغ و دعوت کا جو نظام حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے بکمال ریاضت و مشقت اس نہج کو پہنچایا ہے کہ آپ کے بعد اس کا کیا بنے گا۔؟ حتیٰ کہ ملک کے جید عالم دین، جلیل القدر مبلغ اسلام اور نامور اہل قلم مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے اسی احساس سے متاثر ہو کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ

اس کام کے زیادہ اہل معلوم ہوتے ہیں حضرت
کی جانشینی کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہونا
چاہیے۔! یہ بات قرین قیاس بھی تھی کہ حضرت
شیخ الحدیث کے زہد و تقویٰ، دینی علوم میں
کامل دسترس اور تصوف و سلوک کے منازل
میں ان کی مسابقت کو دیکھ کر نگاہِ انتخاب
انہی کی ذاتِ گرامی کی طرف منعطف ہوتی۔

حضرت شیخ الحدیث نے جواب میں فرمایا:
"اللہ والوں کی موت کے بعد ان کا کام
ایسے لوگوں کے سپرد ہوا کرتا ہے جن سے
اللہ تعالیٰ کو یہ خدمت لینا مقصود ہو اور
اس کام کو انجام دینے کی صلاحیت ان میں
خود بخود پیدا ہو جایا کرتی ہے اور ان کی ذات
لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جایا کرتی ہے۔ اگر
اللہ تعالیٰ کو یہ کام مجھ سے لینا مقصود ہوا
تو کام کرنے کا جذبہ از خود پیدا ہو جائے گا۔"
چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
کے وصال کے بعد اسلام کی تبلیغ و دعوت
کی عظیم خدمت انجام دینے اور اس کام کی
سربراہی اور اس تحریک کے داعی و جانشین کی
حیثیت سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب
کی ذاتِ گرامی نگاہِ انتخاب کا مرکز بن گئی۔

مولانا محمد منظور نعمانی ایڈیٹر الفرقان لکھنؤ ہی
اس بات کے راوی ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس
رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب ہمیں یہ
اطلاع ملی کہ مولانا محمد یوسف صاحب حضرت
رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین مقرر کئے گئے ہیں تو
اپنے متذکرہ بالا احساس و تاثر کی موجودگی میں
کچھ اچھا تاثر قائم نہ ہوا۔ کیونکہ اولاً خاندان ہی
میں گدی نشینی کا مروجہ انداز پسندیدہ نہ تھا اور
ثانیاً بعض دوسری عظیم شخصیات کی موجودگی میں
ایسی شخصیت کا انتخاب جن کی عظمت کا سکہ
دل و دماغ پر ابھی اپنا کوئی اثر قائم نہ کر سکا تھا
ہمارے لئے حیرت و استعجاب کا موجب بنا!

مگر چند دنوں کے بعد جب مولانا محمد یوسف
صاحب کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا۔ اور
گلشن الیاسؒ کی دیکھ بھال اور اس کی آبیاری
میں ان کا انہماک، توجہ اور فنائیت کی حد تک
ان کی مصروفیت کا عجیب و غریب عالم دیکھا تو
دل و دماغ کے تمام سطحی نقوش یکسر مٹ گئے اور
ایسا معلوم ہونے لگا کہ دعوت و عزیمت کے
معاملہ میں بعض دفعہ مولانا محمد یوسف صاحب تو
اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے
بہت آگے دکھائی دیتے ہیں۔

خلافت و نیابت

شیخ التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
کا طریق تبلیغ و دعوت بعض مروجہ روایات سے
بالکل مختلف ہے اور اس انداز عمل کا دائرہ خلافت
و نیابت کی مخصوص اصطلاحات کا پابند نہیں ہے۔
اور نہ ہی عام جماعتوں کی طرح کوئی درجہ بندی ہے
یہاں اگر کوئی نظم رائج ہے تو وہ صرف یہ کہ اللہ
کے دین کی حقیقی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ہر
شخص اپنا سب کچھ قربان کر دے۔ اور بقول
مولانا محمد یوسف صاحب "سب کچھ دے کر کچھ
بننا ہے کچھ دے کر کچھ نہیں بننا"! جو افراد اس
بات کے داعی اور مبلغ بن جائیں وہی اس کے
صحیح وارث اور جانشین ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت
مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے جن شخصیات
کو اس معیار کے عین مطابق دیکھا اس کام کا نظام
ان حضرات کے سپرد کر دیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ طریقت حضرت
مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی
مشورے سے سات حضرات کو اپنی خلافت و
نیابت کے اعزاز سے سرفراز فرمایا اور انہیں
بیعت کی اجازت دے کر طریق دعوت و تبلیغ میں
ایک وسعت و ہمہ گیری پیدا کر دی! ان سات
حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا انعام الحسن حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
کے سسرال کے رشتہ میں بھائی ہیں۔ اور مولانا
اکرام الحسن کاندھلوی کے فرزند۔ مولانا انعام الحسن
صاحب، حضرت جیؒ کے ہم زلف بھی ہیں اور
ابتدائی تعلیم سے آخر تک آپ کے ہمدرس اور مدرسہ
کاشف العلوم بستی نظام الدین کے مدرس بھی رہے
ہیں۔ ان دنوں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ناظم
بھی ہیں۔ آپ کی شخصیت تبلیغی جماعت کے حلقوں
میں خوب متعارف ہے۔ حضرت جیؒ کے شریک سفر
تھے کہ مولاناؒ کی زندگی کے آخری لمحات آپ ہی کی
گود میں گزرے اور اسی عالم میں داعی اجل کو
لبیک کہا!

۲۔ حافظ مقبول حسن گنگوہی حضرت مولانا محمد الیاس
رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی خادم، اور "حضرت جیؒ"
کے ابتدائی استاد۔

۳۔ قاری سید رضا مرحوم حضرت دہلویؒ کے مختلف سفروں میں
ساتھ رہے اور آپ کے شاگرد خاص۔

۴۔ قاری محمد داؤد صاحب میواتی جو علاقہ میوات میں
معروف صاحب علم و تقویٰ ہیں۔

۵۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی حضرت مولانا
محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں اور بہت سی
کتابوں کے مصنف آپ کی علمی شخصیت
محتاج تعارف نہیں!

۶۔ حاجی عبدالرحمٰن نو مسلم آپ ذات کے کھتری تھے بچپن
ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوتے۔ حضرت دہلویؒ
رحمۃ اللہ علیہ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ
نے آپ کو اس قدر جذب و کشش اور کیف
و انبساط کی عجیب و غریب صلاحیتوں سے نوازا
تھا کہ راہ چلتے غیر مسلم آپ کی بات سنتے ہی
دین اسلام کی دولتِ گراں مایہ سے مالا مال ہو جاتے
ایک محتاط اندازے کے مطابق قریباً دو ہزار
اشخاص آپ کے توسط سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

۷۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ

حضرت دہلویؒ نے اپنے وصال سے چند
دن قبل حضرت جیؒ کو خلافت و نیابت سے
سرفراز کرتے ہوئے فرمایا۔
جس نے مولانا محمد یوسف صاحب سے بیعت کی
اس نے گویا مجھ سے بیعت کی۔ چنانچہ حضرت
شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے
طریق بیعت کے مطابق آپ کی ذات کے ساتھ
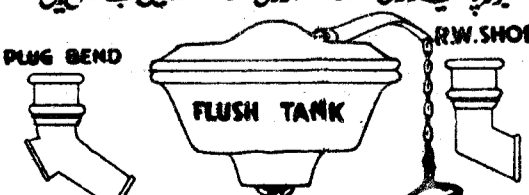
سلسلۂ بیعت قائم کرنے والوں کے حق میں یہی جملے استعمال فرمایا کرتے تھے۔

محویّت وفنائیّت

حضرت جیؒ کی زندگی اسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ عمل کی پوری پوری آئینہ دار تھی۔ تبلیغ کے کام میں انہماک، توجہ اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے حلقہ کو بڑی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ سنبھالا ہوا تھا ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول نظر آتا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت جیؒ کے خاص الخاص احباب و متعلقین کو بھی تبلیغی کام کے علاوہ کوئی دوسری بات کرنے کا وقت بہت کم ملتا تھا ایک عمل سے ہٹتے تو دوسرے میں لگ جاتے اور اپنے آپ کو کبھی فراغت سے ہمکنار نہ ہونے دیتے۔ حتّٰی کہ آپ کے بعض خدام خاص یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ بستی نظام الدین میں آپ کی رہائش گاہ اور مرکز تبلیغ کے درمیان صرف ایک ٹاٹ کا پردہ حائل ہوتا تھا مگر کئی کئی دن گزر جاتے اور صحنِ خانہ میں جھانکنے کی بھی فرصت نہ ملتی! کئی دنوں کے بعد جب اندرونِ خانہ قدم رکھتے تو یوں محسوس ہوتا گویا حضرت جیؒ ایک طویل اور دشوار گزار سفر سے گھر واپس لوٹے ہیں۔

برادر مکرم حاجی محمد افضل صاحب (سلطان فونڈری لاہور) اس بات کے راوی ہیں کہ حضرت جیؒ نے ایک بار دوران تقریر فرمایا کہ دینی کاموں میں محویّت و انہماک کا صحیح نقشہ معلوم کرنا ہو تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کی زندگی کو دیکھو۔ ان کے سینے میں ایسا دردمند دل تھا کہ دین اسلام کی سربلندی کے کاموں میں کثرت اشتغال اور محویّت و فنائیت نے گوشت کے بھنے ہوتے ٹکڑے کی مانند کر دیا تھا۔! اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے والے بسا اوقات پوری شدّت کے ساتھ بھنے گوشت کی بُو محسوس کرتے! بعینہٖ جب ہم دینی کاموں میں حضرت جیؒ کے جذب و شوق، ان کے انہماک و محویّت اور استغراق کو دیکھتے تو یہی احساس اُجاگر ہو جاتا۔

ایک مافوق الفطرت شخصیت

سرزمین پاک و ہند کی شاید ہی کوئی دینی شخصیت ایسی ہوگی جسے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی اور ان کے طریقِ دعوت کے ساتھ گہری عقیدت و محبت، اور موانست و ہمدردی نہ ہو۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، ابی حنیفہ ہند مولٰینا مفتی کفایت اللہ محدث عصر مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری، شیخ طریقت مولانا اشرف علی تھانوی قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری امام اولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی، حضرت مولانا مفتی محمد حسن، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ علیہم اجمعین غرضیکہ سرزمین پاک و ہند کے جلیل القدر علماء کرام کا آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ بڑا گہرا تعلقِ خاطر تھا۔ حضرت امیر شریعت علیہ الرحمہ نے ایک بار حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوتے فرمایا تھا کہ حضرت! اپنی زندگی کے آخری لمحات گزار رہے تھے۔ مرض کی شدّت کے باعث یا دینی کاموں میں محویت و استغراق کی وجہ سے جسم کا گوشت پوست بالکل خشک ہو گیا تھا اور آپ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔ نماز کا وقت ہوا تو خدام آپ کو اٹھا کر جب صف میں لانے لگے تو آپ کی دونوں ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ میں حیران تھا کہ ایسی نازک حالت میں آپ بستر پر بیٹھے کی شکل میں ہی نماز ادا کیوں نہیں کر لیتے لیکن نمازِ با جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے یہ جہد و عمل؟ سبحان اللہ! اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و فرمانبرداری کا اس حد تک احساس تھا۔ الغرض! مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو صف میں لا کر جب کھڑا کیا گیا اور تکبیر تحریمہ کی آواز بلند ہوئی تو میں دیکھتا ہوں، کہ ہڈیوں کے اس مضمحل سے ڈھانچے میں کڑک پیدا ہوتی اور سارے جسم میں زندگی کی ایک حرارت کی لہر دوڑ گئی۔ آپ جماعت کے ساتھ قیام و قعود اور سجود وغیرہ جملہ آدابِ نماز اس طرح بجا لائے گویا احساس مرض تک نہیں! لیکن جب نماز سے فراغت پائی تو آپ کا جسم پھر وہی ہڈیوں کا بے حس و حرکت ایک ڈھانچہ بن کر رہ گیا!

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار بستی نظام الدین دہلی میں حضرت کے ہاں تشریف لے گئے، آپ ان دنوں سخت بیمار تھے، حضرت لاہوری رحمۃ اللہ کو دیکھتے ہی باوجود نقاہت و کمزوری کے اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور دیر تک حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ سے محو راز و نیاز رہے۔ حضرت شیخ التفسیر جب رخصت ہونے لگے تو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھا۔ اور اپنی گہری محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہوتے حضرت شیخ التفسیر سے دعا کی خصوصی درخواست کی اور کہا کہ یہ ملاقات شاید ہماری زندگی کی آخری ملاقات ہو۔ اس کے چند دن بعد حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف

تاریخ وصال

سید نفیس الحسینی
خلیفہ مجاز حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ

اے نورِ عینِ حضرتِ الیاسؒ دہلوی
اے یوسفِ زمانہ و اے صاحبِ جمال
اسلام کا نمونہ تری زندگی رہی
لاریب تیری ذات تھی روشن ترین مثال
ہر بتکدے میں تیری اذان گونجتی رہی
اللہ نے دیا تجھے نطق و لبِ بلالؓ
تبلیغِ دینِ حق میں گزاری تمام عمر
اس راستے میں جان بھی دے دی زہے کمال
وارد ہوا یہ قلبِ حزینِ نفیس پر
"راسِ مبلغاں" ہے ترا سالِ انتقال
۱۳۸۴ھ

دینی شخصیات کی ذاتِ گرامی کے ساتھ تعلقِ خاطر رہا ہے۔ اور آپ کے ہاں ان کی عظمت و عزت اور عقیدت و احترام کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

جناب شجاعت علی صاحب صدیقی ریٹائرڈ ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل جو تبلیغی حلقوں میں خوب جانے پہچانے ہیں کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاضر تھا کہ باہر سے کچھ تبلیغی جماعتیں آئیں اور حضرت سے رودادِ سفر بیان کرنا شروع کر دی۔ کسی صاحب نے لاہور میں اپنی تبلیغی گشت کی کارگزاری بیان کرتے ہوئے اتنا کہہ دیا کہ ہماری جماعت حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئی مگر حضرت مولانا نے اس طرف نہ تو کوئی خصوصی توجہ ہی دی اور نہ ہی تبلیغی سلسلہ میں ہماری کوئی امداد ہی کی! بس اتنا سننا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے تکیے کا سہارا ہٹا کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے آپ کا چہرا غصے کے باعث تمتما اٹھا اور تیخ لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا

احمد علی کو تم کیا جانو؟ الیاس جانتا ہے احمد علی کے مقام کو۔ مولانا احمد علی کی مدد صرف یہی ہے کہ وہ ہمارے لیے دعا کرتے رہیں!

حضرت جی اور حضرت لاہوری

جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی مرجع خلائق تھی اسی طرح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی ذات بھی اتقیاء و اصفیاء اور جلیل القدر علماء کرام کی خصوصی توجہ اور نگاہِ لطف و احسان کا مرکز تھی۔ حضرت مدنیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت رائے پوریؒ اور حضرت لاہوریؒ سب حضرات کے ساتھ آپ کے نیاز مندانہ گہرے مراسم تھے! طویل سفر درپیش ہوتا تو ان بزرگوں میں سے ضرور کسی کی صحبت سے فیض یاب ہو کر باہر جاتے۔ حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ اور حضرت لاہوریؒ سے شرفِ ملاقات کا خصوصی اہتمام کرتے!

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ ملاقات کے لیے مسجد شیرانوالہ لاہور میں تشریف لائے۔!

حضرت لاہوریؒ سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت بعض دوسرے جلیل القدر علماء کرام بھی موجود تھے۔!

حضرت مولانا احمد علی صاحب علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ کے بعض ایمان افروز واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت کی زندہ کرامات کی اس سے بڑی علامت اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں کا غرورِ نفس اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ اپنے ہاتھ سے گھڑے کا پانی لینے میں ایک عار محسوس کرتے تھے وہ تبلیغ دین کے لیے قریہ قریہ اور بستی بستی اپنے کندھوں پر بستر اٹھائے پھرتے ہیں۔!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:-

ایک بات یاد رکھیں کہ کسی حق پرست جماعت کا باطل پرستی کی طرف پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ ہمارے سوا دوسری کوئی دینی جماعت حق پر نہیں ہے اور ہماری جماعت کی بقاء دوسروں کی فنا ہی کی صورت میں ہو سکتی۔ دیکھنا! آپ کی جماعت میں کہیں یہ احساس و تاثر پیدا نہ ہو جائے۔ ہم تو آپ حضرات کے لیے ہر آن دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے اس گلشنِ تبلیغ کو ہمیشہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے!

جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور نے اپنے زمانۂ طالب علمی کے مختلف واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی جب کبھی سہارنپور تشریف لے جاتے تو مولانا مجھے اور مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی کو اپنے ہمراہ بستی نظام الدین دہلی لے جاتے اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے جب میرا تعارف کراتے تو حضرتؒ مولانا، تادیر دعائیں دیتے ہوئے یہ فرماتے کہ حضرت مولانا احمد علیؒ نے جس مجاہدے اور مشقت کے ساتھ صداقتِ اسلام کی تبلیغ کی ہے یہ انہی کا کام ہے۔! ان کی دینی خدمات منہاج النبوت کے مطابق ہیں۔

الغرض حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ صرف بزرگوں ہی سے نہیں بلکہ ان کی اولاد کے ساتھ بھی بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔!

شانِ بے نیازی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جس کے ساتھ سب سے زیادہ لگاؤ اور التفات تھا وہ تحریک دعوتِ اسلام ہے۔ انہیں مال و منال، اولاد اور دنیا کی کسی چیز سے غلو کی حد تک الفت و محبت نہ تھی۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ اپنے اپنے درجہ اور حیثیت کا تعلقِ خاطر تھا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد ہارون صاحب (جو ان دنوں مولانا محمد یوسف کے جانشین مقرر ہوتے ہیں) بیمار پڑ گئے ان کے سر پہ ایسا خطرناک پھوڑا نمودار ہوا تھا کہ نازک صورتِ حال پیدا ہو گئی — معاملے کی سنگینی کو دیکھ کر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا محمد یوسف صاحب کو مطلع کیا کہ وہ گھر میں جلد پہنچنے کی کوشش کریں۔

ادھر دینی و تبلیغی کاموں میں حضرت جی کی روایتی مصروفیت و مشغولیت کے باعث کچھ دیر ہو گئی۔ گھر پہنچے تو ایک نگاہ اپنے مریض لختِ جگر کو دیکھ کر پھر بسلسلۂ تبلیغِ اسلام اپنے سفر پر روانہ ہونے لگے۔

حضرت شیخ الحدیث نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے کچھ توقف کرنے کا اظہار فرمایا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے قابلِ صد احترام شیخ کی خدمت میں عرض کیا:-

حضرت! جب یہ پیدا ہوا تھا۔ تو میں نے اپنے خداوند قدوس کی بارگاہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ دعا مانگی تھی کہ "اے اللہ! اگر اس لڑکے سے تجھے دین کا کام لینا مقصود ہے تو اسے زندہ و سلامت رکھ ورنہ مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں"۔ اگر اللہ پاک کو اس سے دین کا کام لینا مقصود ہوا تو یہ ضرور زندہ و سلامت رہے گا۔ میں تو جاتا ہوں۔

۳ جون ۱۹۶۵ء

فون نمبر ۶۷۵۴۵

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

Weekly "KHUDDAMMUDDIN"

LAHORE (PAKISTAN)

چیف ایڈیٹر
عبیداللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور یجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء پشاور یجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۸۱۰۲۷۳۰ مورخہ ستمبر ۵۶ء — کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبر ۳۹/۹/۶۷-۲۰۵ DDA مورخہ ۲۶/۸/۶۲

مقام اشاعت: لاہور میں باہتمام عبیداللہ انور پرنٹرز اینڈ پبلشرز چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا